يؤتي الحكمة من يشاء ومن يؤت الحكمة فقد أوتي خيرا كثيرا

فقہائے ہند

محمد اسحاق بھٹی

1

دار النوادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہائے ہند

فقہائے ہند

پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک

محمد اسحاق بھٹی

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

بہ اشتراک

دار النوادر

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور فون: ۰۳۰۰ ۸۸۹۸۶۳۹

۲۰۱۳ء/۱۴۳۴ھ

نام کتاب: ——— فقہائے ہند

مصنف: ——— محمد اسحاق بھٹی

اہتمام: ——— محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
بہ اشتراک دار النوادر

مطبع: ——— شفیق پریس

حروف خوانی: ——— محمد رفیع الدین حجازی

صفحات: ——— ۲۵۰

جلد ساز: ——— بنیامین

سرورق: ——— ضیاء الرحمٰن

کمپوزنگ: ——— محمود فرید

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد اوّل

مقدمہ

یہ خطۂ ارض جو تاریخ میں ''ہند'' کے نام سے موسوم ہے اور عرف عام میں جسے برصغیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اب تین ملکوں (ہندوستان' پاکستان اور بنگلہ دیش) کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ خطہ ابتدائی صدی ہجری ہی میں اسلام کے روح پرور پیغام سے آشنا ہو گیا تھا' بلکہ کچھ ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہند کا ذکر فرمایا اور اس کے بعض امور سے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد خلافت راشدہ قائم ہوئی اور اسلامی تعلیمات نے بلاد عرب سے نکل کر بیرونی ممالک کا رخ کیا اور ان میں اپنے اثر و رسوخ کے جھنڈے گاڑنا شروع کیے تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دیار ہند کی طرف بھی عنان توجہ مبذول کی اور وہ اس کو دین فطرت کے تہذیبی وثقافتی دائرے میں شامل کرنے کے لیے کوشاں ہوئے' جس کے نتیجے میں بہت جلد برصغیر کے کئی حصوں پر برکات اسلامی کا شامیانہ سایہ فگن ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ سارا علاقہ اسلام کی روشنی سے چمک اٹھا۔ آئندہ سطور میں اسی حقیقت کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے اور اسی سلسلے کے چند واقعات اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ کتاب جو ''فقہائے ہند'' کے نام سے موسوم ہے اور آپ کے زیر مطالعہ ہے، ابتدائی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے طویل زمانے میں پھیلے ہوئے فقہائے کرام کے حالات کی اولین کڑی اور پہلی جلد ہے۔ اس میں آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہائے ہند کے حالات درج ہیں۔ اس کے مقدمے میں موضوع کی مناسبت کے پیش نظر دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک یہ کہ دور خلافت راشدہ ہی میں اسلام کا عالم گیر پیغام باشندگان ہند کے کانوں تک پہنچ گیا تھا اور بعض صحابہ کرام اور ائمہ دین اسلامی اقتدار کی تنفیذ کے لیے اس ملک میں تشریف لائے تھے۔

دوسرے یہ کہ مختلف فقہائے کرام اور علمائے عظام ہندوستان کے جن جن ملوک وسلاطین کے عہد میں پیدا ہوئے' تفصیل میں جائے بغیر ان ملوک وسلاطین میں سے اہم شخصیتوں کا عہد بہ عہد تعارف کرایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ بادشاہ علمی اور مذہبی اعتبار سے کس مرتبے کے حامل تھے' فقہا سے ان کے مراسم کا کیا انداز تھا' ان کے نزدیک وہ کس درجہ احترام کے مستحق تھے اور علمی و دینی معاملات میں ان کی رائے کو وہ کتنی اہمیت دیتے تھے۔

عہدِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

ہند میں ورودِ اسلام کے ضمن میں ہم کو سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ان کے دورِ خلافت کی کسی ایسی مہم کا ذکر تو کتب رجال میں ہماری نظر سے نہیں گزرا جس کا تعلق براہ راست سرزمین برصغیر سے ہو' البتہ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کے عہد خلافت (ذی الحجہ ۱۱ھ) (مارچ ۶۳۲ء) میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زیر کمان یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف جو جنگ لڑی گئی' اس میں ہند اور سندھ کے ان ہندوؤں اور جاٹوں نے حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلاد سواحل میں متوطن تھے۔ یہ لوگ یمامہ گئے' وہاں مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہوئے اور شکست کھائی۔ پھر ان میں سے جو لوگ زندہ بچ گئے اور شکست کھا کر واپس آئے انھوں نے اپنی قوم کو ان حالات سے آگاہ کیا جن سے وہ میدان جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے دوچار ہوئے تھے۔ یہ گویا مسلمانوں کے خلاف اہل ہند کی پہلی فوجی چڑھائی یا پہلی دعوت جنگ تھی۔حضرت ابوبکر صدیق کا دورِ خلافت نہایت مختصر تھا۔ان کے بعد مسلمان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں سمجھیے کہ پھر باقاعدہ کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے پیمانے پر جنگی معرکوں کا آغاز ہو گیا۔ ❶

عہدِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جمادی الاخری ۱۳ھ (جولائی ۶۳۴ء) میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ان کے دور میں باشندگان ہند کو اسلام اور مسلمانوں سے باخبر ہونے کے متعدد مواقع پیش آئے اور ان بلاد میں توحید کی آواز گونجنا شروع ہوئی۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں جزائر سراندیپ کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا اور ارکان وفد نے احکام اسلام اور خلیفۃ المسلمین کی سیرت و کردار سے متعلق معلومات حاصل کیں۔اس موقعے پر اہل عرب نے ان کا اس طریق سے خیر مقدم کیا اور اس درجہ احترام سے پیش آئے کہ عرب مسلمانوں کی محبت ان کے دلوں میں جاگزین ہو گئی۔ یہ درحقیقت دو آدمی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کا واقعہ سن کر عازم عرب ہوئے تھے' لیکن جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی سفر آخرت پر روانہ ہو چکے تھے۔ وفد کے ارکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ ❷

اس کے بعد ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں جنگ فارس کے دوران میں اہل ہند کی اچھی خاصی تعداد حضرت

---

❶ قاضی اطہر مبارک پوری۔ العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین۔ص ۳۲' ۳۳ بحوالہ تاریخ طبری جلد ۳' ص ۲۵۵' ۲۵۶' ۲۵۹۔تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۳' ص ۱۴۱۔فتوح البلدان بلاذری ص ۹۸۔

❷ بزرگ بن شہریار' عجائب الہند' ص ۱۵۷۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوئی۔ یہ وہ ہندی تھے جو فارس میں مقیم تھے اور جنگ میں اہل فارس کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ پھر ان میں کچھ لوگوں کو قیدی کی حیثیت سے بصرہ لے جایا گیا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ اس سے اثر پذیر ہو کر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ❶

ہند پر عرب مسلمانوں کی طرف سے فوج کشی کا آغاز ۱۵ھ (۶۳۶ء) سے ہوا' جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ عثمان بن ابوالعاصی نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاصی کو ایک لشکر دے کر ہندوستان کی ایک بندرگاہ تھانہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بندرگاہ بمبئی کے قریب واقع تھی۔ لشکر واپس آیا تو عثمان نے اس حملے کی اطلاع حضرت عمر کو دی۔ حضرت عمر نے ان کو لکھا:

((یا اخا ثقیف! حملت دودا علی عود وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا لا خذت من قومك مثلهم)) ❷

(اے ثقفی! تو نے چیونٹی کو لکڑی پر چڑھا دیا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں' اگر یہ فوجی مارے جاتے تو تجھ سے' تیری قوم میں سے اتنے ہی آدمی لے لیتا)

ایک روایت کے مطابق عثمان بن ابوالعاصی نے اپنے ایک بھائی حکم بن ابوالعاصی کو تھانہ اور بھراچ کی طرف بھیجا اور دوسرے بھائی مغیرہ بن ابوالعاصی کو فوج دے کر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ تینوں بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور عثمان خیار صحابہ میں سے تھے۔ یہ وہی عثمان بن ابوالعاصی ہیں' جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا والی مقرر کیا تھا۔ فارس میں بھی انھوں نے جہاد کیا۔ علاوہ ازیں ان کی کوشش سے عساکر اسلامی نے ہندوستان کی طرف بھی رخ کیا اور تھانہ' بھراچ اور دیبل پر حملے کیے جو اس زمانے میں بلاد ہند کے تین اہم مقام تھے۔ ❸

چچ نامہ کی روایت کی رو سے اس زمانے میں ہند کے ان علاقوں کا بادشاہ چچ بن سیلائج تھا جو پینتیس سال سے حکومت کر رہا تھا اور اس کی طرف سے دیبل کا حکمران سامہ بن دیوائج تھا۔ دیبل ایک مشہور تجارتی شہر تھا۔ جو سندھ کے موجودہ شہر ٹھٹھہ کے مقام پر واقع تھا۔ جب مسلمان اور غیر مسلمان فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر میدانِ جنگ میں اتریں تو مغیرہ بن ابولعاصی رضی اللہ عنہ نے تلوار میان سے نکالی اور بسم اللہ فی سبیل اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

ربیع بن زیاد حارثی مذحجی رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ انھوں نے عہد فاروقی میں کرمان اور مکران کے علاقے میں جنگ لڑی۔ یہ علاقے اس زمانے میں حدودِ سندھ میں شامل تھے۔

عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ انھوں نے نواحی سندھ اور سجستان کے گرد و نواح

❶ العقد الثمین صفحہ ۳۵'۳۶۔ بحوالہ فتوح البلدان ص ۳۶۶'۳۶۸

❷ فتوح البلدان ص ۴۲۰۔

❸ جمہرۃ انساب العرب۔ ابن حزم طبع مصر' ص ۲۶۶۔

کے علاقے فتح کیے۔

عبداللہ بن عمیر اشجعی صحابی نے علاقہ سندھ کے بعض شہر زیر نگیں کیے اور شہادت پائی۔

بلوچستان پر بھی رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی نے پرچم اسلام لہرایا جن کا اسم گرامی سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری تھا۔ ❶ ان کے علاوہ نسیر بن دیسم بن ثور عجلی بھی جو مخضرم تھے بلوچستان کی فتح میں شریک تھے۔ اس طرح عہد فاروقی میں بارہ صحابی جن کے نام آگے آئیں گے ہندوستان تشریف لائے۔

عہدِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محرم ۲۴ھ (نومبر ۶۴۴ء) میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین مقرر کیا گیا۔ یہ ذی الحجہ ۳۵ھ (جون ۶۵۶ء) تک بارہ دن کم بارہ سال منصب خلافت پر فائز رہے۔ ان کے دور خلافت میں فارس، خراسان، بجستان، افریقہ، سواحل شام، بحر روم اور بلاد ہند میں سے مکران اور بلوچستان فتح ہوئے۔ انھوں نے امیر المومنین مقرر ہونے کے بعد احوالِ ہند سے متعلق واقفیت حاصل کی۔ پھر سندھ، مکران اور بلوچستان کی طرف عساکرِ اسلام روانہ کیے۔

اس ضمن میں بلاذری نے یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو عبداللہ بن عامر بن کریز کو عراق کا والی مقرر کیا اور ان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا کہ کسی واقف حال شخص کو ہندوستان بھیجا جائے اور وہ جو معلومات وہاں سے حاصل کر کے لائے، ان سے دربار خلافت کو مطلع کیا جائے، چنانچہ عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان بھیجا۔ وہ واپس آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کچھ معلومات لائے؟

عرض کیا۔ امیر المومنین میں دیار ہند میں گھوم پھر کر مکمل معلومات لایا ہوں۔

فرمایا۔ کچھ بیان کرو۔

کہا:

((ماء ھا وشل و ثمرھا وقل' ولصھا بطل' ان قل الجیش فیھا ضاعوا وان کثروا جاعوا)) ❷

(ہندوستان کی حالت یہ ہے) کہ پانی کم، پھل ردی، چور بے باک، لشکر کم ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ، زیادہ ہو تو بھوک سے مرجانے کا خطرہ)

فرمایا: واقعہ بیان کر رہے ہو یا شاعری کر رہے ہو؟

کہا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔

---

❶ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۴، ص ۱۸۰۔ الکامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۔ العقد الثمین ص ۵۲۔

❷ تفصیلات کے لیے دیکھیے فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۲۱۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ سندھ کا کچھ علاقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ امام ابو یوسف امام زہری کی روایت سے کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

((ان افريقية و خراسان و بعض السند فتحت في زمن عثمانؓ)) ❶

یعنی افریقہ، خراسان اور سندھ کے بعض حصے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوئے۔

۳۱ھ (۶۵۲ء) میں مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے خراسان و سجستان کی مہم کے دوران میں بلا دقفص یعنی بلوچستان کے علاقوں پر حملہ کیا۔ پھر وہ مکران گئے اور دشمن کی بہت بڑی فوج سے معرکہ آرا ہوئے۔ اس اثنا میں اسلامی فوجیں خاصی مدت تک علاقہ بلوچستان میں مقیم رہیں، جس سے اس علاقے کے غیر مسلم اور اہل عجم کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ❷ کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ عرب فوجیں طویل مدت تک دیارِ ہند کے کسی علاقے میں قیام پذیر رہیں ❸۔

۳۳ھ (۶۵۴ء) میں ایک اور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ نے ہند کے نواحی علاقوں پر حملے کیے اور کچھ کا علاقہ جو آج کل بلوچستان میں شامل ہے فتح کیا اور اسی اثنا میں وہ زرنج پہنچے اور زرنج اور کچھ کے نواح پر بزور شمشیر قبضہ کیا ❹۔ انھوں نے سجستان، کابل اور ہند کے بعض علاقوں پر بھی فتح حاصل کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پانچ صحابی (رضی اللہ عنہم) وارد ہند ہوئے۔

عہدِ حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ (جون ۶۵۶ء) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت کو زینت بخشی اور وہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ (۲۳ جنوری ۶۶۱ء) کو شہید ہوئے۔ ان کی مدت خلافت چار سال نو مہینے بنتی ہے۔ ان کے زمانے میں جیوش اسلامی بالائے مکران سے ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور قیقان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ فتح کیا۔ قیقان، کیگان کا معرب ہے جسے اب قلات کہا جاتا ہے اور پاکستان کا حصہ ہے۔ وہاں سے لشکر اسلامی نے ہند کی طرف حرکت کی اور فتوحات حاصل کیں۔ یہ ۳۸ھ کے آخر اور ۳۹ھ (۶۵۹ء) کے ابتدا کا واقعہ ہے۔

اس علاقے میں یہ جنگیں حارث بن مرہ عبدی کی کمان میں لڑی گئی تھیں۔ اہل قلات نے بیس ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا، لیکن ناکام رہے اور مسلمانوں کے زبردست حملے کی تاب نہ لا کر پہاڑوں کی

---

❶ امام ابو یوسف کتاب الخراج، ص ۲۱۶ (طبع ثانی قاہرہ ۱۳۵۲ھ)

❷ فتوح البلدان بلاذری ص ۳۸۴۔

❸ العقد الثمین، ص ۸۴۔

❹ فتوح البلدان ص ۳۸۶۔

گھاٹیوں اور غاروں میں جا چھپے۔ بعد ازاں قلات کی منتشر فوج پھر جمع ہوئی اور مسلمانوں پر آمد و رفت کے راستے بند کر کے ان کو چاروں طرف سے پہاڑی علاقے میں محصور کرنے کی کوشش کی، لیکن جب اسلامی فوج کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس زور سے اہل قلات پر حملہ کیا کہ وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

((وقطعوا الطريق على المسلمين فلمارأهم المسلمون كبروا الله حتى يسمع صدائهم جنوبا و شمالا و خاف منه اهل القيقان وهربوا واسلم بعضهم))❶

یعنی جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قلات کی فوجیں ان کے راستے تنگ کر رہی ہیں تو انھوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ ان کی آواز جنوب و شمال میں گونج اٹھی، جس سے ڈر کر اہل قلات بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ پہلا نعرہ تکبیر تھا جو اس نواح میں بلند ہوا اور جس سے دشمن کے دل دہل گئے اور وادیٔ قلات کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ انھی ایام میں مسلمانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی اور وہ واپس مکران چلے گئے۔ عہد علی رضی اللہ عنہ میں تین صحابی داخل ہند ہوئے۔

عہدِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں بھی عرب مسلمانوں نے ہند کے کئی علاقوں پر حملے کیے اور ان کو زیر نگیں کیا۔ مثلاً عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمی نے سندھ کے ایک شہر آرمائیل (یا ارمن بیلہ) پر فتح حاصل کی۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور سرزمین سندھ میں مکران اور دیبل کے درمیان واقع تھا۔ آج کل یہ شہر علاقہ قلات میں ہے اور لس بیلہ کے قریب ہے۔ کہتے ہیں عمر بن عبید اللہ نے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اسی زمانے میں قلات کے ایک علاقے میں بھی جہاد کیا گیا اور اس طرف سے ہند کی سرحدوں پر بھی جھڑپیں ہوئیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے ۴۴ھ (۶۶۴ء) میں مہلب بن ابوصفرہ نے ارض ہند میں بہت دور تک آگے بڑھ کر جنگ کی اور وہ لاہور اور بنوں کوہاٹ تک جا پہنچے۔ انھوں نے سندھ کے ایک شہر قندابیل میں بھی دشمن کو ہزیمت دی۔

مہلب بن ابوصفرہ کی تگ و تاز کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے کابل اور ملتان کا تمام درمیانی علاقہ روند ڈالا۔ یہ مدرک تھے، یعنی وہ صحابی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ تو پایا مگر آپ سے لقا یا آپ کی رویت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔

---

❶ العقد الثمین ص ۱۰۱۔

۵۳ھ (۶۷۳ء) میں عباد بن زیاد بن ابوسفیان سجستان کے والی تھے۔ انھوں نے اپنے زمانہ ولایت میں قندھار اور کچھ کے علاقوں میں دور تک اندر گھس کر دشمن کو شکست دی ❶۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرزمین ہند کو چار صحابہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

عہدِ یزید بن معاویہ:

یزید بن معاویہ کا زمانہ حکومت ۶۰ھ سے لے کر ۶۴ھ (۶۸۰ء سے ۶۸۴ء) تک یعنی تین سال کچھ مہینے ہے۔

اوراق تاریخ ناطق ہیں کہ اس زمانے میں بھی سرحدات سندھ و ہند پر مسلمانوں کی تک و تاز جہاد بدستور جاری رہی ❷۔

یزید کے دور حکومت میں ایک صحابی ہندوستان تشریف لائے۔

تفصیل کا یہ محل نہیں۔ نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ برصغیر پاک و ہند وہ خطۂ ارض ہے جو پہلی صدی ہجری یعنی خیر القرون ہی میں مسلمانوں کے وجود اور ان کی طاقت سے آشنا ہو گیا تھا اور اسلام نے اپنی ردائے پُرنور اس پر پھیلا دی تھی۔ اس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعت کے قدوم میمنت لزوم سے بہرہ یاب ہوئی۔

پچیس صحابہ کرام واردِ ہند ہوئے:

کتب تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے۔ بارہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں، پانچ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں، تین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں، چار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہ کے زمانے میں۔ ان میں مخضرم اور مدرک بھی شامل ہیں۔

یہاں صحابی، مخضرم اور مدرک کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیے۔ محدثین اور اصولیین کے نزدیک صحابی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رویت سے بہرہ ور ہوا اور بحالت اسلام وفات پائی۔

مخضرم وہ صاحب اسلام ہے، جس نے زمانہ جاہلیت بھی پایا اور دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی، لیکن کسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے مستفیض نہ ہو سکا۔

مدرک، اس کو کہا جاتا ہے جس نے حضورؐ کا زمانہ پایا ہو۔ اسلام اگرچہ آپ کی زندگی میں قبول کیا ہو یا بعد میں۔

ذیل میں ان پچیس صحابہ کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جو ارض ہند میں تشریف لائے۔

---

❶ العقد الثمین ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

❷ ایضاً ص ۱۳۸ تا ۱۴۳۔

عہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں:

- حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفی رضی اللہ عنہ: خیار صحابہ میں سے تھے۔ انھوں نے بلاد ہند میں تین جنگیں لڑیں۔
- حکم بن ابوالعاصی ثقفی: بندرگاہ تھانہ اور بھرائچ فتح کیے۔
- مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفی: انھوں نے دیبل فتح کیا۔
- ربیع بن زیاد حارثی مذحجی: انھوں کرمان اور مکران کے علاقوں میں جہاد کیا۔
- حکم بن عمرو بن مجدع ثعلبی غفاری: فاتح مکران
- عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری: فتح مکران میں شامل ہوئے۔
- سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری: جنگ مکران میں شرکت کی۔
- شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی یا مازنی رضی اللہ عنہ: یہ مدرک ہیں، فتح مکران میں شامل ہوئے۔
- صحار بن عباس عبدی رضی اللہ عنہ: جنگ مکران میں شمولیت کی۔
- عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ: نواحی سندھ اور سجستان کے اردگرد کے علاقے فتح کیے۔
- عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ: بعض بلاد سندھ فتح کیے۔
- نسیر بن دیسم بن ثور عجلی: مخضرم تھے۔ بلوچستان کا کچھ حصہ فتح کیا۔

عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں:

- حکیم بن جبلہ عبدی رضی اللہ عنہ: یہ مدرک ہیں اور بلاد ہند کے پہلے مسلم سیاح اور یہاں کے حالات کے عالم۔
- عبیداللہ بن معمر بن عثمان قرشی تمیمی رضی اللہ عنہ: فاتح مکران اور اس کے امیر۔
- عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ عنہ: امیر مکران۔
- مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی رضی اللہ عنہ: فاتح بلوچستان۔
- عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ: سجستان اور کابل فتح کیے اور نواحی ہند کی کچھ علاقوں پر قبضہ کیا۔

عہدِ علی رضی اللہ عنہ میں:

- خریت بن راشد ناجی سامی: وارد مکران ہوئے۔
- عبداللہ بن سوید تمیمی شقری: مخضرم تھے، غزوہ سندھ میں شامل ہوئے۔
- کلیب بن ابو وائل: صحابی یا تابعی تھے۔ ہندوستان آئے۔ کہتے ہیں انھوں نے وہاں ایک درخت دیکھا، جس کے ایک سرخ رنگ کے پھول پر سفید حروف میں محمد رسول اللہ کے الفاظ مرقوم تھے۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں:

- مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی: یہ مدرک تھے۔ انھوں نے بنوں، لاہور اور سندھ کے ایک شہر بدھ تک تگ و تاز کی۔
- عبداللہ بن سوار بن ہمام عبدی: مدرک تھے۔ بعض غزوات ہند میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔
- یاسر بن سوار عبدی: مدرک تھے۔ یہاں کے ایک پہاڑی مقام قلات کی جنگ میں شامل ہوئے۔
- سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی: صحابی تھے۔ ایک مرتبہ ہند کے مفتوحہ علاقوں کے والی مقرر ہوئے۔

عہدِ یزید بن معاویہ میں:

- منذر بن جارود عبدی: بوقان اور قلات وغیرہ علاقوں کی جنگوں میں شریک ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

ہند میں اسلام دو راستوں سے آیا:

بہر حال تاریخ ورجال کی کتابوں سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ ہندوستان اگر چہ بعض ملکوں کی بہ نسبت ملک عرب سے بہت دور تھا تاہم اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی بھی تشریف لائے، تابعی بھی آئے، تبع تابعین نے بھی یہاں قدم رنجہ فرمایا اور محدثین وفقہا نے بھی اپنے وجود مسعود سے اس کو رونق بخشی۔ ان دیار میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا۔ ایک سندھ کی طرف سے، دوسرے شمال مغربی سرحد کی جانب سے۔ جیسا کہ مختصر طور سے گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے، ان دونوں راستوں سے ابتدائی دور ہی میں اسلام یہاں آ گیا تھا اور قرن اول کے مسلمانوں نے جنگ و جہاد کی طرح ڈال دی تھی تاکہ اہل ہند ان پاکیزہ اخلاق و کردار، اعلیٰ تہذیب وثقافت اور تعلیم و شائستگی کی ان بلند ترین اقدار سے بہرہ یاب ہوسکیں جن کو اسلام میں بنیاد اور اساس کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن پوری قوت کے ساتھ اور عظیم فاتح کی حیثیت سے سندھ کی طرف سے مسلمان اموی حکمران ولید بن عبدالملک کے عہد میں ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں داخل ہوئے، جب کہ محمد بن قاسم نے سندھ کا سارا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا اور ملتان تک آگے بڑھ گئے، اور شمال مغربی سرحد کی جانب سے سلطان محمود غزنوی نے داخل ہند ہو کر غیر اسلامی طاقتوں کو زیر اور پرچم کفر کو سرنگوں کیا اور اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ ہموار کی۔

محمود غزنوی اور اس کے اخلاف:

سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور اس کے گرد و نواح میں مستحکم ہو گئیں اور

غزنی سے سیاسی روابط کے ساتھ علمی روابط بھی استوار ہوئے۔ علم چوں کہ جغرافیائی سرحدوں کا قائل نہیں ہوتا' اس لیے غزنی اور اس کے نواح سے علما و فقہا کو بھی ہند میں آنے کا موقع ملا۔ محمود غزنوی جہاں بہت بڑا فاتح اور کشور کشا تھا وہاں وہ نامور فقیہ اور عالم بھی تھا' اس لیے علم و علما سے اس کو بہت تعلق خاطر تھا۔ اس نے ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء کو وفات پائی۔

غزنوی خاندان کی حکومت کا بانی سبکتگین تھا۔ اس خاندان کے مختلف اوقات میں کئی بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت حکومت پر متمکن ہوئے۔ لیکن اسے اصل شہرت محمود غزنوی کی وجہ سے ہوئی۔ غزنی کوہ سلیمان کے دامن میں ایک محفوظ اور مشہور شہر ہے۔

محمود غزنوی نے اپنے بعد تخت نشینی کی وصیت اپنے بیٹے محمد کے لیے کی تھی، جس نے باپ کی وفات کے بعد ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) کو زمام حکومت ہاتھ میں لی اور جلال الدولہ لقب اختیار کیا۔ وہ دین دار، پرہیزگار اور تعلیم یافتہ تو بے شک تھا' لیکن حکومت کرنے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ اس کا بھائی مسعود تھا' وہ کاروبار حکمرانی سے خوب آگاہ تھا۔ وہ اپنے بھائی محمد کے مقابلے میں میدان میں اترا اور اعلان کیا کہ تلوار کا فیصلہ کاغذ کے فیصلے سے زیادہ صحیح ہوتا ہے۔

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند
(جو تلوار چلائے گا' سکہ اسی کے نام کا چلے گا)

مسعود نے محمد کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے قلعہ تنگناباد میں محبوس کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق اسے قلعہ ولج میں قید کیا گیا تھا۔ اس نے صرف پانچ مہینے حکومت کی۔ اس کے بعد نو برس زندہ رہا۔ لیکن مرنے سے پہلے ایک سال کے لیے پھر تخت نشین ہوا۔

مسعود بن محمود غزنوی جو اپنے بھائی محمد کو قید کر کے تخت نشین ہوا تھا' نہایت شجاع' کریم الاخلاق' سخی اور علما و فضلا کا قدردان تھا' ان کے ساتھ باقاعدہ اس کی نشست و برخاست کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بعض محققین نے اپنی تصنیفات اس کی طرف منسوب کیں' مثلاً ابوریحان البیرونی نے علم ریاضی میں اس کے نام سے ''قانون مسعودی'' لکھی' قاضی محمد نے ''فقہ مسعودی'' تصنیف کی۔

مسعود نے بہت سے دینی مدرسے قائم کیے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اس کے زمانے میں لاہور علم و علما کا مرکز بن گیا تھا۔ محمد دوبارہ تخت نشین ہوا تو اس نے مسعود کو گرفتار کر کے اپنے بیٹے احمد کے حوالے کر دیا تھا' جس نے اسے قلعہ گری میں ڈال کر قتل کرا دیا تھا۔ یہ حادثہ ۴۳۲ھ (۱۰۴۱ء) کو پیش آیا۔ تاریخ میں اسے مسعود اول کہا جاتا ہے۔ یہ الناصر لدین اللہ کے لقب سے وارث تخت ہوا تھا۔

اس کے بعد شہاب الدولہ کے لقب سے مودود تخت نشین ہوا۔ یہ بھی عادل و منصف بادشاہ تھا۔ اس نے دسمبر ۱۰۴۸ء کو وفات پائی۔

مودود کے بعد اس کے بیٹے مسعود کو تخت پر بٹھایا گیا جو صرف چار برس کا تھا، اور اسے فقط چار دن کی

بادشاہت ملی۔

محمود غزنوی کے امرا میں سے ایک امیر کا نام باشگین تھا۔ اس نے مسعود بن مودود کو تخت سے اتار کر اس کے چچا ابوالحسن علی کو بادشاہ بنا دیا۔ وہ دو سال بادشاہ رہا۔ اسے سلطان عبدالرشید نے شکست دے کر ملک کے تخت و تاج پر قبضہ کرلیا تھا۔

عبدالرشید ۴۴۰ھ (۱۰۴۹ء) میں عزالدولہ کا لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوا۔ اکثر مورخین کا خیال ہے کہ وہ سلطان مسعود کا بیٹا تھا' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ سلطان محمود کا بیٹا تھا جو بست اور غزنی کے درمیان کسی قلعے میں نظر بند تھا۔ عبدالرشید اگرچہ عاقل وفہیم اور امور حکومت سے باخبر تھا' لیکن قوتِ ارادی اور شجاعت سے تہی دامن تھا۔ اس لیے معاملات سلطنت کو سنبھال نہ سکا۔ اس وقت کے ایک امیر نے جسے طغرل کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا' سلطان محمود کی اولاد میں سے نو یا گیارہ افراد کو قتل کرکے حکومت پر قبضہ کرلیا۔

اسے طغرل غاصب بھی کہا جاتا ہے جو ۱۰۵۲ء (۴۴۴ھ) کو تخت حکومت پر قابض ہوا۔ اس نے سلطان مسعود کی بیٹی سے نکاح کرلیا تھا اور صرف چالیس دن حکومت کی۔ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ طغرل کو قتل کرنے کے بعد ۱۰۵۲ء (۴۴۴ھ) میں فرخ زاد کو قید سے رہا کرکے تخت پر بٹھایا گیا۔ روضۃ الصفا میں اسے مسعود کا بیٹا لکھا ہے اور حمداللہ مستوفی نے اسے سلطان عبدالرشید کا بیٹا قرار دیا ہے۔

فرخ زاد حلیم الطبع اور عادل بادشاہ تھا۔ رعایا کے ساتھ اس کا سلوک احسان اور بھلائی پر مبنی تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت ملک کے بعض مقامات آفات وعوارض میں مبتلا تھے' اس نے وہاں کے باشندوں کا خراج معاف کر دیا تھا اور انھیں بہت سی سہولتیں دی تھیں' جس کی وجہ سے وہاں آسودگی آگئی تھی اور حالات بہتر ہوگئے تھے۔ فرخ زاد نے ۱۰۵۹ء (۴۵۱ھ) تک سات سال حکومت کی۔

۱۰۵۹ء (۴۵۱ھ) میں ابراہیم بادشاہ بنا' اس کا لقب ظہیر الدولہ تھا۔ نہایت پرہیزگار اور پابند شرع حکمران تھا۔ منہیات ومنکرات سے کنارہ کش رہتا تھا' لوگوں کو خیرات وصدقات دل کھول کر دیتا تھا۔ ہر سال رجب' شعبان اور رمضان کے روزے رکھتا تھا۔ علمائے کرام کو اپنی مجلس میں بلاتا اور ان کے مواعظ سنتا' خط نسخ میں ماہر تھا۔ قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک سال بیت اللہ شریف میں اور ایک سال مسجد نبوی میں بھجواتا۔ رعایا کا بے حد خیال رکھتا تھا اور ہر شخص اس سے خوش تھا۔ اس نے ۱۰۹۹ء (۴۹۲ھ) تک چالیس سال حکومت کی۔ اس کا دور حکومت تمام غزنوی بادشاہوں سے زیادہ ہے۔

ابراہیم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مسعود اس کا جانشین ہوا' جسے مسعود ثانی کہا جاتا ہے۔ اس کا لقب علاء الدولہ تھا۔ یہ بھی باپ کی طرح نیک اطوار اور رحم دل بادشاہ تھا۔ نہایت سخی اور رعیت کا انتہائی خیال رکھنے والا۔ اس نے بہت سے خراج وغیرہ معاف کر دیے تھے اور خلاف شرع رسوم کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ ۱۱۱۴ء (۵۰۸ھ) تک ۱۷ سال برسر اقتدار رہا۔ اس کی شادی سلطان سنجر کی بیٹی سے ہوئی تھی۔

مسعود ثانی نے وفات پائی تو اس کے بیٹے شیر زاد نے باپ کی جگہ لی۔ اس کا لقب کمال الدولہ تھا۔ اس کی تخت نشینی کے ایک سال بعد ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ء) میں اس کے بھائی ارسلان شاہ نے اسے قتل کر دیا تھا۔

اسی سال ارسلان شاہ نے سلطان الدولہ کے لقب سے عنانِ بادشاہت ہاتھ میں لی۔ اس نے اپنے بھائیوں اوران لوگوں کو جن کے وارث تخت ہونے کا خطرہ ہوسکتا تھا' قتل کر دیا تھا' صرف بہرام شاہ اس کی تلوار کی زد سے بچا، جو بھاگ کر اپنے ماموں سلطان سنجر کے پاس چلا گیا تھا۔ سلطان سنجر نے ۱۱۱۷ء (۵۱۰ھ) میں غزنی کا رخ کیا اورارسلان شاہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ارسلان شاہ نے صرف ایک سال حکومت کی۔

۱۱۱۸ء (۵۱۲ھ) کو بہرام شاہ (معز الدین) تخت بادشاہت پر متمکن ہوا' اس کا لقب یمین الدولہ تھا۔ نہایت خوب صورت' صاحب شوکت وحشمت اور علماے دین کا قدردان بادشاہ تھا۔ نظامی گنجوی نے مخزن الاسرار کا انتساب اسی کے نام پر کیا۔ دمنہ دند کا ترجمہ اسی کے عہد میں عربی سے فارسی میں ہوا۔ حکیم سنائی کا زمانہ بھی اسی بادشاہ کا ہے۔ آخری دور میں بہرام شاہ کا کسی معاملے میں غور کے سربراہوں سے جھگڑا ہو گیا تھا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاء الدین غوری غزنی کی طرف بڑھا اور اس تاریخی اور خوب صورت شہر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ بہرام شاہ نے ۱۱۱۸ء سے لے کر ۱۱۵۲ء تک (چونتیس سال) حکومت کی۔

بہرام شاہ کے بعد امرائے مملکت نے اس کے بیٹے خسرو شاہ کو معز الدولہ کے لقب سے سریر آرائے سلطنت کیا۔ اب سبکتگین کی قائم کردہ یہ حکومت جسے اس کے بہادر بیٹے محمود غزنوی نے دنیا کی نہایت طاقت ور حکومت بنا دیا تھا' آخری دموں میں پہنچ گئی تھی اور موت کی ہچکیاں لے رہی تھی۔ اس کی اصل وجہ غوری حکمران تھے جو اسے ختم کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب خسرو شاہ کو پتا چلا کہ علاء الدین غوری غزنی میں آ پہنچا ہے تو وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہندوستان کو روانہ ہوا اور لاہور میں سکونت پذیر ہوا۔ اس طرح غزنی کی سلطنت لاہور منتقل ہو گئی۔ خسرو شاہ نے ۱۱۶۰ء تک سات سال حکومت کی اور اس نے لاہور میں وفات پائی۔

اب ہم غزنوی سلطنت کے بالکل آخری دور میں پہنچ گئے ہیں اور اس کا حکمران خسرو ملک ہے' جس کا لقب تاج الدولہ ہے۔ یہ اپنے باپ خسرو شاہ معز الدولہ کی وفات کے بعد ۱۱۶۰ء (۵۵۵ھ) کو لاہور میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ملک کے جس علاقے پر اس کا قبضہ تھا' اس پر اس نے نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی۔ اس کا زمانہ حکمرانی ۱۱۶۰ء سے لے کر ۱۱۸۶ء تک چھبیس سال کے عرصے میں پھیلا ہوا ہے۔

شہاب الدین غوری نے غزنی کی سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں لاہور کا عزم کیا اور خسرو ملک کو پکڑ کر زرجستان کے قلعے میں قید کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بیٹے بہرام شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ سیف رود غور میں بند کر دیا گیا۔ اب لاہور اور اس کے تمام علاقے پر شہاب الدین غوری کا پرچم اقتدار لہرا رہا تھا اور اس علاقے کے پہلے حکمران جو کشور کشا محمود غزنوی کے وارث تھے' یا تو مر گئے تھے یا قید خانوں میں پڑے تھے۔۔۔۔ ۵۹۸ھ (۱۲۰۲ء) میں ان دونوں باپ بیٹے (خسرو ملک اور بہرام شاہ) کو قتل کر دیا گیا۔ اس طرح غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

غوری سلطنت:

غزنویوں کی یمینی سلطنت کے خاتمے کے بعد غوری برسر اقتدار آئے جنھوں نے ہندوستان پر باقاعدہ حکومت کی۔ غوری خاندان میں سلطان غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری بڑے بہادر اور مدبر حکمران گزرے ہیں اور انھیں برصغیر کے عظیم مسلمان فاتحین میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ غیاث الدین غوری بڑا تھا اور شہاب الدین چھوٹا۔ اس زمانے میں غور کے مسلمانوں کی اکثریت فرقہ کرامیہ ❶ سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ دونوں بھائی بھی اسی فرقے سے منسلک تھے، لیکن سلطان شہاب الدین غوری تخت غزنی پر متمکن ہوا تو اس نے حنفی مذہب اختیار کر لیا' کیوں کہ شہر غزنی اور اس نواح کے باشندے حنفی المسلک تھے۔ قاضی منہاج سراج لکھتے ہیں:

> دراول حال (آں ہر دو برادر) نوراللہ مرقد ہما بر طریق مذہب کرامیاں بودند بحکم اسلاف و بلاد خود۔ اما چوں سلطان معز الدین بر تخت غزنین نشست و اہل آں شہر و مملکت بر مذہب امام ابوحنیفہ کوفی بودند، سلطان معز الدین بر موافقت ایشاں مذہب امام ابوحنیفہ قبول کرد ❷۔
>
> یعنی ابتدا میں دونوں بھائی (اللہ ان کی قبروں کو منور کرے) اپنے اسلاف اور اس علاقے کے رہنے والوں کی طرح مذہب کرامیہ کے حامل تھے' لیکن جب سلطان شہاب الدین (معز الدین) غزنی کے تخت حکومت پر بیٹھا اور دیکھا کہ باشندگان غزنی اور ملک کے دوسرے حصوں میں بسنے والے لوگ امام ابوحنیفہ کوفی کے مذہب کے پابند ہیں تو اس نے بھی ان کی موافقت میں مذہب امام ابوحنیفہ اختیار کر لیا۔

رہا سلطان غیاث الدین غوری کا معاملہ تو اس کے بارے میں قاضی منہاج سراج رقم طراز ہیں کہ اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے مسلک شافعیت قبول کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اور قاضی (سعید) وحید الدین محمد مروزی' امام شافعی کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسرے دن قاضی موصوف کو وعظ و تذکیر کے لیے بلایا گیا تو اس نے وہی خواب بیان کیا جو گزشتہ شب سلطان نے دیکھا تھا۔ سلطان بہت متاثر اور متعجب ہوا اور اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ قاضی منہاج لکھتے ہیں:

---

❶ فرقہ کرامیہ کے بانی کا نام ابوعبداللہ محمد بن کرام تھا۔ یہ شخص ۲۵۵ھ (۸۶۹ء) کو فوت ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے۔ اس میں عمل بالجوارح اور یقین بالقلب کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ بھی انسانوں کی طرح اپنا جسم رکھتا ہے اور عرش کے اوپر اس کی ایک مخصوص جگہ ہے۔ کہتے ہیں فرقہ کرامیہ قول و عمل میں بدعت اور اسلام کی ایک درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتا تھا۔ منقول ہے کہ ہزاروں غیر مسلم محمد بن کرام کے اس فرقے میں شامل ہو گئے تھے۔

❷ طبقات ناصری ج ا' طبقہ ۱۷' ص ۳۶۲۔

اما سلطان غیاث الدین طاب ثراہٗ شبے در خواب دید کہ او با قاضی (سعید) وحید الدین مروزی رحمہ اللہ ❶ کہ بر مذہب اصحاب حدیث بود و مقتدئے شفعویان' در یک مسجد بودندے۔ ناگاہ امام شافعی رحمہ اللہ در آمدے' در محراب رفتے و تحریمۂ نماز پیوستے۔ و سلطان غیاث الدین و قاضی وحید الدین ہر دو با امام شافعی اقتدا کردندے۔ چوں از خواب در آمد' سلطان فرمان داد، تا بامداد او قاضی وحید الدین در بارگاہ تذکیر فرمودند۔ چوں بر بالائے کرسی رفت در اثنائے سخن گفت کہ اے پادشاہ اسلام! ایں داعی دوش خوابے دیدہ است' و عین خوابیکہ سلطان دیدہ بود' باز گفت۔ او ہم بمثل آں دیدہ بود کہ سلطان چندانچہ از کرسی فرود آمد بر بالا رفت و بخدمت سلطان' در حال سلطان دست مبارک قاضی وحید الدین رحمہ اللہ بگرفت و مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہ قبول کرد۔ چوں نقل سلطان بمذہب اصحاب حدیث شافعی شد بر دل علمائے مذہب محمد بن کرام حمل آمد ❷۔

> یعنی سلطان غیاث الدین غوری نے (اللہ اس کا بہتر ٹھکانا کرے) ایک رات خواب میں دیکھا کہ قاضی سعید وحید الدین مروزی رحمہ اللہ کے ساتھ جو کہ اصحاب الحدیث میں سے تھے اور شافعیوں کے مقتدیٰ تھے' ایک مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اچانک امام شافعی رحمہ اللہ تشریف لائے' محراب میں گئے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں کھڑے ہو گئے۔ سلطان غیاث الدین اور قاضی وحید الدین دونوں نے امام شافعی کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ جب سلطان نیند سے بیدار ہوا تو اس نے دربار میں وعظ و نصیحت کے لیے قاضی وحید الدین کو طلب کیا۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھے تو اثنائے گفتگو میں فرمایا اے بادشاہ اسلام! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ بعد ازاں بعینہ وہی خواب بیان کر دیا جو سلطان نے دیکھا تھا۔ سلطان نے کہا' اس نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے۔ پھر سلطان نے قاضی وحید الدین رحمہ اللہ کا دست مبارک پکڑا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مسلک قبول کر لیا۔ جب سلطان مذہب اصحاب الحدیث اختیار کر کے مسلک امام شافعی سے وابستہ ہو گیا تو محمد بن کرام کے مذہب کے حامی علما کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔

یہ واقعہ ابن اثیر نے بھی اپنی تاریخ الکامل میں ۵۹۵ھ (۱۱۹۹ء) کے حوادث کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ابن اثیر کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے: اسی سال (یعنی ۵۹۵ھ۔۱۱۹۹ء میں) غیاث الدین غوری حاکم غزنہ اور بعض باشندگان خراسان نے مذہب کرامیہ ترک کر کے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ غیاث الدین غوری کے مصاحبوں میں ایک شخص فخر مبارک شاہ تھا۔ وہ شخص شیخ وحید الدین ابوالفتح محمد بن محمود مروزی کو جو ایک شافعی فقیہ تھے' سلطان غیاث الدین غوری کے پاس لے گیا۔ انھوں نے سلطان کے سامنے مذہب شافعی کی خوبیاں بیان کیں اور مذہب کرامیہ کے نقائص کی نشان دہی کی۔ اس سے متاثر ہو کر سلطان نے مذہب شافعی اختیار کر لیا اور

❶ شافعی فقیہ۔ ماہ رجب ۵۹۹ھ (اپریل ۱۲۰۳) کو ہرات میں فوت ہوئے۔

❷ طبقات ناصری ج ۱ طبقہ ۱۷ ص ۳۶۲۔

پھر شوافع کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ کے لیے کئی مدرسے قائم کیے۔

۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں غوری سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ تاریخ میں ان سلاطین کو معزی سلاطین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، سلاطین شنسبانیہ بھی کہا جاتا ہے اور ملوک غور سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

قطب الدین ایبک:

اب ہندوستان کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔ اس سرزمین پر غلاموں کی حکومت کا آغاز ہوتا ہے اور دہلی کے اورنگ سلطنت پر ایک ترک غلام متمکن ہوتا ہے جس کو سلطان قطب الدین ایبک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ نسلی اعتبار سے ترکستان کا باشندہ تھا۔ ابھی عالم طفولیت میں تھا کہ ایک سوداگر نے اسے ترکستان سے خریدا اور نیشاپور لے گیا۔ یہاں اس نے اس کو قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا جو بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ایک تو وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اولاد سے تھے۔ دوسرے نیشاپور اور اس کے مضافات کے حاکم تھے۔ تیسری بڑی خوبی ان میں یہ تھی کہ نہایت نیک اور متقی تھے۔ چوتھی بات یہ کہ عالم و فاضل اور پیکر اخلاص تھے۔ ان خوبیوں کی بنا پر اپنے عہد کے امام ابوحنیفہ سمجھے جاتے تھے۔ قطب الدین کی انھوں نے اپنے بچوں کی طرح پرورش کی، قرآن مجید کی تعلیم دی اور دیگر شرعی علوم سے آراستہ کیا۔ ان کے فیض صحبت اور انداز تعلیم سے قرآن مجید کی محبت اس کے اندر اس درجہ جاگزین ہو گئی کہ وہ اپنا زیادہ وقت قرآن کی تلاوت میں صرف کرتا، جس کی وجہ سے لوگوں میں ''قرآن خوان'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پھر اس کی برکت سے اللہ نے اس کو دولت و اقبال کی بے بہا نعمت عطا فرمائی۔

قرآن در خانۂ آں امام آموخت واز برکت نظر او قرآن خوان شد و بدیں نام معروف گشت..... وبسبب برکت قرآن خواندن اقبال و دولت دوستکامی ردے بدو آورد ❶۔

قاضی فخر الدین کی وفات کے بعد ان کے لڑکے نے قطب الدین کو ایک تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا جس نے اس کو سلطان معز الدین سام المعروف شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے اس کو خرید لیا۔ اس کی شکل و صورت زیادہ اچھی نہ تھی اور چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے لوگ اس کو ''ایبک شل'' کہتے تھے یعنی ٹوٹی انگلی۔ آگے چل کر یہ ایبک شل کے بجائے ''ایبک'' کے نام سے مشہور ہو گیا اور یہ لفظ مستقل طور پر اس کے نام کا جز بن گیا۔

اب اس کی زندگی ایک نئے موڑ میں داخل ہوئی اور اس کے محاسن و اوصاف نمایاں ہونے لگے۔ شہاب الدین غوری اور اس کے ندیم و مصاحب بھی اس کی خوبیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ سلطان کے ذہن پر اس کی جس خوبی نے سب سے پہلے اثر ڈالا وہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس نے دربار میں بزم نشاط کا اہتمام کیا اور عالم

❶ - تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۲۱۔

مسرت میں تمام غلاموں کو سونے اور چاندی کے سکوں کی صورت میں انعامات عطا کیے۔ قطب الدین کو سب غلاموں سے زیادہ مستحق انعام گردانا، لیکن جب یہ محفل ختم ہوئی اور قطب الدین باہر آیا تو اس نے اپنا یہ سارا انعام ان غلاموں میں تقسیم کر دیا جو اس سے زیادہ ادنیٰ درجے کے تھے۔ دوسرے روز سلطان کو اس سخاوت کا علم ہوا تو وہ اس کی فیاضی اور ذہنی بلندی سے بہت خوش ہوا اور اسے اپنے خاص امرا کے زمرے میں داخل کر لیا اور اپنے تخت کے عین سامنے اس کے لیے جگہ مخصوص کی۔

ودیگر روز ایں معنی بسمع اعلیٰ رسانیدند و از ابنظر عنایت و قربت خود مخصوص گردانیدند و بر اشغال خطیر پیش تخت و بارگاہ او را نصب فرمود ❶۔

ایک مرتبہ قطب الدین اپنے لشکر کے گھوڑوں اور مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کر رہا تھا کہ غنیم کی فوج نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ قطب الدین نے دشمن کا بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن اس کے فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ انھوں نے اس کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے قید کر دیا۔ جب اسی حالت میں قطب الدین کا آہنی پنجرہ ایک اونٹ پر لدا ہوا سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے اس کا پنجرہ کھولا اور اسے باہر نکالا۔ پھر طوق آہنی کے بجائے موتیوں کے ہار اس کے گلے میں پہنائے ❷۔

۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں سلطان شہاب الدین غوری، اجمیر فتح کر کے اور دہلی کے راجا کو اپنا باج گزار بنا کر غزنی واپس جانے لگا تو قطب الدین کو کہرام اور سامانہ کا والی اور ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔

غرض قطب الدین کا ستارۂ اقبال روز بروز تیزی کے ساتھ عروج کو پہنچتا گیا اور اس نے بہت تھوڑے عرصے میں گجرات، راجپوتانہ، گنگا و جمنا کے دو آب، بہار اور بنگال پر فتح و نصرت کے پرچم لہرا دیے، مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو غلاموں ہی میں شمار کرتا رہا۔

اس کے بعد تاریخ نے ایک اور کروٹ بدلی۔ سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد اس کا بھتیجا سلطان محمود بن غیاث الدین غوری اس کی جگہ تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے قطب الدین کی اپنے چچا سے بھی زیادہ عزت افزائی کی۔ اس نے سوموار کے دن ۱۸ ذی القعدہ ۶۰۲ھ۔ ۲۶ جون ۱۲۰۶ء) کو اسے سلطان کا خطاب دیا، چتر اور بادشاہی عطا کی اور ساتھ ہی اس کی آزادی کا فرمان جاری کیا۔ قطب الدین اس وقت دہلی میں تھا۔ وہ خلعت اور فرمان آزادی و حکم سلطانی وصول کرنے کے لیے دہلی سے لاہور آیا اور پھر لاہور ہی میں یہ ترک غلام ہندوستان کے تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔ لاہور اس زمانے میں مستقر ارباب حکومت، مامن اصحاب فضل و کمال، مسکن عباد و زہاد، منشائے صوفیا و اتقیا، منبع اقطاب و اوتاد تھا۔ اس سلسلے میں تاج المآثر کے الفاظ قابل مطالعہ ہیں:

❶ طبقات ناصری ج ۱ ص ۴۱۶، طبقہ ۲۰۔

❷ طبقات ناصری ج ۱۔ ص ۴۱۶، ۴۱۷۔ نیز دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۱

دخطہ لوہور کہ مستقر سریر سلاطین و مطلع خورشید ارباب یقین و منشاء اصحاب فضل و تقوی و مامن زہاد و عباد و مسکن اقطاب و اوتاد گشتہ است دار الملک دولت شد ❶۔

قطب الدین ایبک خود بھی عالم تھا اور علم و علما کا بھی انتہائی قدر دان تھا اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو قول و عمل کے ذریعے خالص اسلامی اور شرعی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ ملک میں عائد شدہ غیر شرعی خراج ختم کیے اور شریعت کے مطابق عشر کی وصولی کا حکم جاری کیا۔ بدعات و رسوم کی شدید مخالفت کی اور پیرویٔ سنت کے احکام نافذ کیے اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ تمام غیر مشروع چیزیں ترک کر دیں۔

شعار شرائع اسلام بہ غایت ظہور انجامید و مناہج و شعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست و آفتاب سعادت از افق تائید بر دیار ممالک نور انداخت و ماہ جلالت از سپہر کامگاری بر عرصہ ممالک سایہ افگند و روضہ دین بہ عقل زرین نضارت از سر گرفت و بیضہ اسلام برائے متین آرائش بے نہایت یافت ❷۔

تاج المآثر میں مزید لکھا گیا ہے:

وتوقیر و احترام علمائے دین کہ ورثہ انبیا و خزنہ علوم شریعت و حقیقت اندو بہ شرف قربت و مزیت درجۂ اختصاص یافتہ واجب و متعین دانست و اعزاز و اکرام ایشاں بروفق کتاب و سنت مقدمہ بختیاری و عمدہ جہاں داری شناخت ❸۔

قطب الدین ایبک باقاعدہ علما و فقہا اور قراء و مشائخ کو مشاہرے اور روزینے عطا کرتا اور ان کی خدمت کے لیے کوشاں رہتا۔ فقہا اور علما کے جو وظائف و مشاہرات پہلے سے مقرر تھے' ان کو برقرار رکھنے کا حکم جاری کیا۔

ادرارات و مشاہرات کہ مستحقان از اہل علم و فقہ و قرأت و زہد و مصلحان داشتند آں ہم برحال داشتن فرمود و مبلغ خطیر از زر و غلہ از خاص خویش بفرمود بنام مستحقان تا ادرار کنند و مبلغے دیگر از زر بمستحقان و درویشان و بیوگان و یتیمان صدقہ فرمود ❹۔

یعنی مشاہرہ و روزینہ کے طور پر علما و فقہا و قرا و زہاد و مصلحین میں سے جن حضرات کو جو کچھ پیش کیا جاتا تھا اسے بدستور جاری رکھنے کا حکم صادر کیا اور سونے اور غلے میں سے بہت بڑی مقدار میں خود اپنے پاس سے عطا کیا تاکہ مستحقین میں اسے بانٹ دیا جائے۔ علاوہ ازیں سونے اور نقدی سکے کی صورت میں خود بھی درویشوں' حق داروں' بیواؤں اور یتیموں میں بطور صدقہ تقسیم کیا۔

---

❶ تاج المآثر۔

❷ تاج المآثر۔

❸ ایضاً

❹ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۵۔

اس کے عہد میں علما وفقہا کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور وہ اس کے نزدیک بہت قدر و منزلت رکھتے تھے۔ اس کے دور کے اہل علم کے جو حالات ہمیں مل سکے ہیں' وہ اس کتاب میں معزز قارئین کے مطالعہ میں آئیں گے۔

قطب الدین ایبک نے ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) کو لاہور میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ فتح دہلی سے تا دم مرگ اس نے بلاد ہند پر بیس برس سے کچھ مہینے زائد حکومت کی ❶۔

ناصر الدین قباچہ:

سلطان قطب الدین ایبک کی ایک لڑکی کی شادی ناصر الدین قباچہ سے ہوئی اور ایک کی شمس الدین ایلتتمش سے۔ قطب الدین ایبک نے اپنے دونوں دامادوں کو ہندوستان کی دو علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کا حکمران بنا دیا تھا۔ قباچہ کا دار السلطنت اوچ تھا اور ایلتتمش کا دہلی۔ قباچہ کی سلطنت ملتان سے دیبل تک کے علاقے پر محیط تھی۔ اس کے علاوہ سیوستان' بٹھنڈہ (جو اس زمانے میں تبر ہندہ کے نام سے معروف تھا) کہرام اور سرستی وغیرہ بھی اس میں شامل تھے۔ وہ یوں تو ۶۰۳ھ (۱۲۰۶ء) سے ان علاقوں کا والی چلا آ رہا تھا' لیکن قطب الدین کی وفات کے بعد ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) سے تو وہ ان کا مستقل حاکم بن گیا تھا۔ اس نے بائیس سال تک اس وسیع و عریض علاقے پر اپنا پرچم اقتدار لہرائے رکھا۔ ملتان اس دور میں ایک عظیم علمی اور مذہبی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ صوفیا و مشائخ اور علما و فقہا کی کثیر تعداد ملتان اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھی۔ اس دور کے ملتان کو کتب تاریخ میں ''قبۃ الاسلام'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس وقت برصغیر کا یہ شہر عظیم وفحول علما کا گہوارہ تھا۔

دریں ایام ملتان قبۃ الاسلام بود' فحول علما آں حاضر بوند ❷۔

ناصر الدین قباچہ کا دور حکومت خاصا طویل ہے۔ وہ غزنی' غور اور دہلی کے علمی مراکز اور وہاں کی ثقافتی روایات کو دیکھ چکا تھا۔ پھر شمس الدین ایلتتمش کا حریف بھی تھا' اس لیے علمی و مذہبی اور ثقافتی و تہذیبی اعتبار سے وہ ملتان کو دہلی سے آگے لے جانے کا خواہاں تھا اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ وہ اگرچہ دین داری اور نیکی میں اپنے حریف سلطان شمس الدین ایلتتمش سے بہت پیچھے تھا' تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس کے عہد حکومت میں ٹھٹھہ' ملتان' اوچ اور دوسرے علاقوں میں علما وفقہا کی بڑی تعداد فروکش تھی اور ان کا تذکرہ ہماری اس کتاب میں موجود ہے۔ ان تینوں شہروں میں متعدد دینی مدارس بھی قائم تھے۔ چنانچہ اوچ کے مدرسے کا نام مدرسہ معزی تھا' جس کا اہتمام قباچہ کی طرف سے مولانا منہاج الدین جوزجانی کے سپرد تھا۔ قباچہ کی خدمت علم کی ایک مثال یہ ہے کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ناصر الدین قباچہ نے ان کے

❶ تاریخ فرشتہ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴۔

❷ سیر الاولیا ص ۶۰۔

افادات علمیہ کو عام کرنے کی غرض سے خاص طور پر ان کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جہاں وہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

چوں مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بہ ملتان رسیدہ، شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان، سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمود و مولانا کہ علامۂ روزگار بودند بامداد دراں مدرسہ نماز گزارد و تدریس گفتن بہ پرداخت ❶۔

ناصر الدین قباچہ نے بلاد سندھ و ملتان پر بائیس برس تک حکومت کی اور ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) میں دریا میں غرق ہو کر راہی ملک بقا ہوا۔

سلطان شمس الدین ایلتتمش

سلاطین ہند میں سلطان شمس الدین ایلتتمش ❷ متعدد امور میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ وہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں تخت دہلی پر متمکن ہوا اور ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) تک پورے پچیس سال شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ پورا ملک اس کی شجاعت اور تہور سے مرعوب تھا۔ سرحد مالوہ سے لے کر سندھ کے وسیع میدانوں تک اس کی فرماں روائی کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ امیر خسرو نے صحیح کہا ہے:

زحد مالوہ تا عرصۂ سند نمودار غزائی اوست ورہند

بہادری، سیاسی شعور، بیدار مغزی، ملکی نظم و نسق کے استحکام، فوجی مہارت، ذاتی کردار، غریب پروری، بلندیٔ فکر، محبت الٰہی، ذوقِ عبادت، اتباعِ سنت، علما سے تعلق، فقہا سے روابط اور صوفیا و مشائخ سے گرویدگی میں وہ عدیم المثال حکمران تھا۔ اس وقت ہمارا دائرۂ گفتگو چونکہ محدود ہے، اس لیے یہاں ہم مختصر الفاظ میں اس کی زندگی کے صرف ان پہلوؤں سے تعرض کریں گے جن کا تعلق اس کی ذاتی نیکی اور علم و علما کے ساتھ گہرے مراسم و انسلاک سے ہے۔

شمس الدین دنیوی اعتبار سے ترکستان کے البری قبیلے کے ایک اونچے خاندان کا فرزند تھا۔ اس کے باپ کا نام ایلم خاں تھا جو خاندانی وجاہت اور مال و دولت میں بہت مشہور تھا۔ بقول فرشتہ:

سلطان شمس الدین ایلتتمش از بزرگ زادگان ترکان قراخطائی است و پدر او کہ از قبیلہ البری ست و بہ ایلم خاں اشتہار داشت بکثرت خیل و حشم و تبع معروف و مشہور عصر بود ❸۔

ایلتتمش ایک خوب صورت لڑکا تھا اور ساتھ ہی بڑا عقل مند اور فہیم تھا۔ اسی بنا پر اس کا باپ ایلم خاں اس

---

❶ تاریخ فرشتہ ج ا۔ حالات قباچہ۔

❷ "ایلتتمش" ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "حکومت کرنے والا" یا "عالم گیر" کے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایلتتمش اس کا خاندانی نام تھا یا اس کے نام کا جز تھا یا تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے یہ لقب اختیار کیا۔

❸ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۶۴۔

سے بہت محبت رکھتا تھا، جو اس کے دوسرے بھائیوں کے لیے حسد و رقابت کا باعث بنی اور انھوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو برادران یوسف نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا تھا۔ وہ ایک روز التتمش کو گلہ بانی اور شکار کے بہانے جنگل میں لے گئے اور بخارا کے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر اس کو بخارا لے گیا اور اس سے شہر کے صدر جہاں کے ایک عزیز نے اسے خرید لیا۔ یہ لوگ دین داری اور مذہبیت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ انھوں نے اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی اور اس نے بھی ان کی خدمت میں کامل وفاداری کا ثبوت بہم پہنچایا۔

اس زمانے میں التتمش کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آگے چل کر اس کی زندگی کا رخ بالکل بدل دیا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز اس کے مالک نے اسے بازار سے انگور خریدنے کے لیے بھیجا اور اس کے لیے کچھ پیسے بھی دیے۔ مگر اس سے وہ پیسے کہیں گر پڑے اور وہ شدت تاثر سے بازار میں کھڑا ہو کر رونے لگا۔ اتنے میں ایک فقیر ادھر سے گزرا، اسے حقیقت حال کا علم ہوا تو اس نے اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا اور اپنے پاس سے انگور خرید کر دیے اور کہا: دیکھو! جب تم کو ملک اور دولت حاصل ہو جائے تو فقیروں اور درویشوں کا خیال رکھنا، ان سے تعظیم کے ساتھ پیش آنا اور ان کے حقوق کا تحفظ کرنا۔

التتمش نے فقیر کی بات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے گھر آ گیا۔ بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ تھا، لیکن اس نے اس کی آئندہ زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ تمام عمر اس کو علما و مشائخ سے عقیدت رہی۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے دربار میں بھی یہ واقعہ بیان کیا اور کہا:

”ہر دولت و سلطنت کہ یافتم، از نظر آں درویش یافتم رحمہم اللہ“ [1]

کہ مجھے جو کچھ دولت و حکومت ملی ہے، وہ اسی درویش کی دعا اور نظر شفقت کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد انقلاب کی ایک اور لہر اٹھی اور التتمش کو بخارا کے ایک اور سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور پھر اسی پر بس نہیں ہوئی بلکہ تقدیر نے اس کو اس سے بھی جدا کر دیا اور وہ ایک دوسرے شخص حاجی جمال الدین چست قبا کے قبضے میں چلا گیا۔ حاجی جمال الدین اسے بغداد لے گیا۔ بغداد ان دنوں علما و مشائخ کا گہوارہ تھا اور وہاں اپنی صغرسنی کے باوجود وہ ان بزرگان دین کی مجلسوں میں باقاعدہ حاضر ہوتا اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتا رہا۔ ایک روز اس کے مالک کے مکان میں اس دور کے معروف بزرگوں میں سے خواجہ معین الدین چشتی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور مولانا عماد الدین تشریف فرما تھے۔ خواجہ معین الدین نے اس لڑکے کو دیکھا اور فرمایا:

ایں کودک پادشاہ دہلی شود حق او را از جہاں نبرد تا پادشاہی نرساند [2]۔

کہ یہ بچہ دہلی کا بادشاہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اسے دنیا سے نہیں لے جائے گا، جب تک کہ یہ

[1] طبقات ناصری ج ا، ص ۴۴۲۔ طبقہ ۲۱۔

[2] فوائد السالکین، ص ۱۶ مطبع مجتبائی دہلی۔

بادشاہت کے منصب تک نہیں پہنچ جائے گا۔

شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں:

اوخدمت شیخ شہاب الدین سہروری و شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہم دریافتہ بودد یکے ازیں ہا گفتہ بود کہ تو پادشاہ خواہی شد ❶۔

کہ ایلتتمش شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہم کی مجلس میں حاضر تھا اور ان میں سے ایک نے اس کو (مخاطب کرکے) فرمایا تھا کہ تو دہلی کا بادشاہ ہوگا۔

کچھ عرصے کے بعد رفتار زمانہ نے ایک اور کروٹ لی اور حاجی جمال الدین چست قبا نے دہلی جا کر اسے بادشاہ ہند سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب اس کے سامنے اللہ نے ترقی کے دروازے کھول دیے اور وہ مختلف منازل تقدم طے کرتا ہوا ہندوستان کا حکمران بن گیا اور دہلی کے تخت حکومت پر متمکن ہوگیا۔ یہ ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا جو بزرگان دین کا از حد معتقد' پارسا' نہایت نیک اور شریعت کا پابند تھا۔ اس کے زمانے میں کئی بزرگ بغداد اور بخارا وغیرہ سے مستقل طور پر ہندوستان تشریف لے آئے تھے۔ بزرگان دین نے اپنے ملفوظات میں اس کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کے زمانے کے ان علما و فقہا کا تذکرہ جو دیار ہند میں سکونت پذیر تھے' اس کتاب میں معزز قارئین کے مطالعہ میں آئے گا' جس سے معلوم ہوگا کہ سلطان شمس الدین ایلتتمش کس درجہ متدین اور علما و مشائخ کا عقیدت مند تھا۔ وہ باقاعدہ علما کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کی ہدایات کا منتظر رہتا۔ ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اس کو ان الفاظ میں ہدایت کی:

اے والی دہلی! باید کہ باغریباں وفقیراں و درویشاں ومسکیناں نیکو باشی و باخلق نیکوئی کنی و رعیت پرور باشی' ہر کہ بارعیت رعایت کند و باخلق نیکوئی کند خدا تعالیٰ اور انگاہ دارد و جملہ اعداء اورا دوست دارند ❷۔

یعنی اے والی دہلی تجھے چاہیے کہ غریبوں' فقیروں' درویشوں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور خلق خدا کے ساتھ بہتر سلوک کرو' رعیت پرور بنو' جو رعیت کے ساتھ رعایت کرتا ہے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیکی کا برتاؤ روا رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے دشمن (بھی) اس کو دوست سمجھنے لگتے ہیں۔

ایلتتمش کے اس قسم کے ذاتی حالات بہت دلچسپ اور سبق آموز ہیں جو تاریخی کتابوں کے علاوہ مختلف بزرگوں کے تذکروں میں بہترین انداز میں مرقوم ہیں' مگر یہ سطور ان تفصیلات کی متحمل نہیں ہیں۔

---

❶ فوائد الفواد' ص ۲۱۲۔ مطبوعہ نول کشور لکھنو۔

❷ رسالہ حال خانوادۂ چشت (قلمی نسخہ' سبع سنابل ص ۲۲۳) بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۱۶۔

سلطان ناصر الدین محمود:

ایلتتمش کے بعد اس کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے پانچ حکمران تخت دہلی پر متمکن ہوئے، جن میں پہلا رکن الدین فیروز شاہ، دوسری رضیہ سلطانہ، تیسرا معز الدین بہرام شاہ، چوتھا علاء الدین مسعود شاہ اور پانچواں سلطان ناصر الدین محمود تھا۔ افسوس ہے ناصر الدین محمود کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی ایلتتمش کا صحیح جانشین ثابت نہ ہوا۔ اگرچہ علما و فقہا کی علمی کاوشیں ان کے دور میں بھی بدستور جاری رہیں، مگر ہم چاہتے ہیں کہ ان سب سے صرف نظر کر کے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ناصر الدین محمود ہی کا تذکرہ کیا جائے۔

تمام مورخین اور تذکرہ نگار اس کے زہد و اتقا، عدل و انصاف، رعایا پروری، عبادت و ریاضت اور اخلاقی برتری کے معترف ہیں۔ طبقات ناصری کے بیان کے مطابق قیام و صیام اور تلاوت قرآن مجید اس کے اہم مشاغل تھے۔ پھر اس کے عہد میں فتوحات ملکی کے دائرے میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی عزت و شوکت میں مزید اضافہ ہوا۔

> بعد از جلوس بر سریر سلطنت ہر سال فتحے و کارے کرد کہ ازاں جا عزت اسلام و شوکت مسلماناں بظہور رسید و شیوۂ عدل پروری و داد گستری بوجود آمد ❶۔

> تخت نشیں ہونے کے بعد اس نے ہر سال ایسی فتوحات کیں اور ایسے کارنامے انجام دیے کہ جن سے اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہوئی اور شیوۂ عدل پروری اور داد گستری وجود میں آیا۔

ہندوستان کا یہ بادشاہ درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا اور اس کی آمدنی کا ذریعہ قرآن مجید کی کتابت تھا۔ سال میں دو عدد قرآن پاک کی کتابت کرتا اور انہی کے ہدیے سے اس کے گھر کے مصارف پورے ہوتے۔ بازار میں یہ بالکل معلوم نہ ہونے دیتا کہ یہ قرآن مجید بادشاہ کا کتابت شدہ ہے تاکہ لوگ اسے زیادہ قیمت سے نہ خریدیں، بلکہ خفیہ طریقے سے اس کی فروخت کا اہتمام کرتا۔ فارسی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

> خود بخفیہ می نوشت تا کسے خط او را نداند و زیادہ از بہا نخرد ❷۔

اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کا اس درجہ احترام تھا کہ بغیر وضو آپ ﷺ کا اسم گرامی زبان پر نہ لاتا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ اس کے ایک مصاحب کا نام محمد تھا۔ ایک دن اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا تو اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید کسی وجہ سے سلطان اس پر ناراض ہے، اس لیے اسے اصل نام (محمد) سے نہیں پکارا۔ اس افسوس میں وہ تین دن دربار سے غیر حاضر رہا۔ سلطان نے اس کو گھر سے بلا کر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو عرض کیا:

---

❶ زبدۃ التواریخ، ص ۱۶ الف بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۴۲۔

❷ منتخب التواریخ ج ا ص ۹۰۔

اے خداوند جہاں ہرگز مرا بجز محمد بانگ نمی کردی۔ آں روز بخلاف عادت تاج الدین خطاب فرمودی۔ استنباط کردم کہ نسبت بدائی تغیرے درمزاج سلطانی پدید آمد ❶۔

کہ اے خداوند جہاں! آپ مجھ کو محمد کے سوا کبھی کسی اور نام سے نہیں پکارتے تھے۔ اس روز خلاف عادت تاج الدین کہہ کر مخاطب فرمایا۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مزاج سلطانی میں خاکسار کے متعلق کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔

سلطان نے اس پر اصل حقیقت واضح کر دی اور قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس وقت وہ بے وضو تھا۔ لہٰذا

شرمم آمد کہ بے وضو نام محمد (ﷺ) برزبان برانم ❷۔

مجھے شرم آئی کہ بغیر وضو کے نام محمد (ﷺ) زبان پر لاؤں۔

وہ اس درجہ محتاط اور پاک طینت بادشاہ تھا کہ ایک پیسا بھی بیت المال سے وصول نہ کرتا۔ گھر کے تمام کام اس کی بیوی خود اپنے ہاتھ سے کرتی۔ یہ بھی اس سلسلے میں اس کی امداد کرتا۔ ایک دن بیوی نے کہا کہ روٹی پکانے اور چولھے کے آگے بیٹھنے سے اس کے ہاتھ جل جاتے ہیں۔ خزانہ شاہی کے خرچ سے ایک ملازمہ کا انتظام کر دیا جائے۔ بیوی سے کہا:

بیت المال حق بندہ ہائے خدا است مرا نمی رسد ❸۔

کہ بیت المال پر بندگان خدا کا حق ہے۔ یہ میری ملکیت نہیں ہے۔

ساتھ ہی اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

چندروز بر محنت صبر کن کہ خدائے تعالیٰ فردائے قیامت اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا بہ اجرایں مشقت حورے را بتو برائے خدمت خواہد داد ❹۔

اس محنت پر چند روز صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کا آنا یقینی ہے، اس مشقت کے بدلے میں تمھاری خدمت کے لیے ایک حور عطا کرے گا۔

یہ بادشاہ نہایت نیک طینت تھا، کسی کو حتی الامکان کوئی تکلیف نہ پہنچاتا۔ بسا اوقات دوسرے کی غلطی پر بھی خاموش رہتا اور کوشش کرتا کہ اس کے عمل و کردار اور قول و فعل کا کوئی پہلو کسی کے لیے ذہنی، جسمانی یا قلبی اذیت رسانی کا باعث نہ بنے۔ اس سلسلے کے بے شمار واقعات تذکروں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے تاریخ فرشتہ میں ایک یہ واقعہ بھی مرقوم ہے کہ یہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید کسی دوست کو دکھا رہا تھا کہ اس نے ایک غلطی کی

❷ تاریخ فرشتہ ج اول ص ۴۷۔

❸ تاریخ فرشتہ ج ا ص ۴۷۔

❸ ایضاً

❹ ۔ ایضاً

طرف اشارہ کیا۔ بادشاہ نے فوراً اس لفظ کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا تا کہ بعد میں یہ غلطی درست کر لی جائے۔ لیکن جب یہ شخص چلا گیا تو اس نے یہ دائرہ مٹا دیا اور لفظ صحیح نہیں کیا۔ ایک خادم نے جو یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا' بادشاہ سے دائرہ بنانے کی وجہ دریافت کی اور غلطی درست نہ کرنے کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرا لکھا ہوا لفظ غلط نہیں تھا' لیکن میں اس شخص کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا' چنانچہ اس کو یہ کہہ دیا کہ غلطی درست کر لی جائے گی۔۔۔ کاغذ پر بنا ہوا دائرہ تو آسانی سے مٹایا جا سکتا ہے' لیکن کسی کے دل پر سے نشان مٹانا آسان نہیں ہوتا۔

بہر حال اس کے عہد کے علما و فقہا کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا' جن کی علمی کاوشوں سے لوگوں نے کسی نہ کسی صورت میں استفادہ کیا۔

غیاث الدین بلبن:

سلاطین ہند میں غیاث الدین بلبن' شوکت و حشمت اور جلالت و عظمت کے اعتبار سے بہت ممتاز تھا۔ اس کی زندگی کا آغاز بھی غلامی سے ہوا' لیکن جب یہ تخت ہند پر متمکن ہوا تو اس کے درباری رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اس کو دیکھ کر بڑے بڑے فرماں روا لرز جاتے تھے۔

ایلتتمش کی طرح یہ بھی ترکستان کے قبیلہ البری کے ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا باپ اپنے قبیلے کے دس ہزار خاندانوں کا سردار تھا۔ جب مغلوں نے ترکستان میں' قراختائی کو تباہ کیا تو بلبن کو ایک مغل سپاہی نے گرفتار کر لیا اور بغداد لا کر خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال الدین عابد و زاہد شخص تھا۔ اس نے بلبن کی بہت اچھی طرح پرورش کی اور اس کی مذہبی و دینی تعلیم اور بہتر تربیت کا خاص طور سے اہتمام کیا۔ اسی اثنا میں اسے پتا چلا کہ ہندوستان کا حکمران شمس الدین ایلتتمش بھی اسی قبیلے کا فرد ہے' چنانچہ وہ شخص بلبن اور اپنے دوسرے غلاموں کو لے کر ہندوستان آیا اور ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) میں ایلتتمش سے ملا۔ اس نے تمام غلاموں کو خرید لیا اور بلبن کو' اس کے بہتر آثار دیکھ کر اپنا خاصہ دار یعنی ذاتی محافظ مقرر کر لیا۔ اس سے پہلے بلبن کا بھائی کشلی خان بھی ایلتتمش کے دربار میں پہنچ چکا تھا اور منازل ترقی طے کر کے امیر حاجب کے منصب پر فائز تھا۔ بلبن اپنے بھائی کو پہچان کر نہایت خوش ہوا اور دربار شاہی میں اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے ارتقا و تقدم کے زینوں پر تیزی کے ساتھ گامزن ہونے لگا۔

بلبن رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی کے خلاف تھا' اس لیے اس کے دور میں ایک مرتبہ گرفتار بھی ہوا' لیکن پھر رہا کر دیا گیا اور میر شکار کے عہدے پر مامور ہوا۔ آخر کار انقلاب و تغیر کی ایک ایسی زبردست لہر آئی کہ ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد' یہی غلام ہندوستان کی وسیع مملکت کے تخت کا مالک بن گیا۔

تخت نشینی سے پہلے یہ مے نوشی اور عیش و نشاط کی محفلیں جمانے میں بہت آگے بڑھ گیا تھا' لیکن بادشاہ بننے کے بعد اپنی زندگی کو یکسر بدل لیا اور سب برائیوں سے تائب ہو گیا۔

گرد مناہی نہ گشت واز جملہ مسکرات توبہ کرد و مجلس شراب ترک آورد و نام شراب و شراب خوراں نہ گرفت ❶۔

یعنی منہیات کے قریب تک نہ گیا اور تمام مسکرات سے توبہ کر لی، مجلس شراب بند کر دی اور شراب اور شراب نوشوں کا کبھی نام تک نہ لیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

تقویٰ و پاکیزگی درز مان اورواج یافت، واگر کسے بزہد و صلاح متصف نہ بود، مہم نمی دارد و نام شراب خوردن و مناہی از ملک خود برانداخت ❷۔

یعنی اس کے عہد حکومت میں تقوی و پاکیزگی کی یہاں تک ترویج ہوئی کہ جو شخص زہد و صلاح کی خوبیوں سے متصف نہ ہوتا، بادشاہ کوئی اہم کام اس کے سپرد نہ کرتا۔ اس نے مے نوشی اور غیر شرعی حرکتوں کو اپنے ملک سے اکھاڑ پھینکا۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نماز باجماعت کی پابندی اس کا معمول ہو گیا تھا اور ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔ اس کی رات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں صرف ہوتا۔

در طاعت وعبادت وصیام نفل وقیام شب مبالغہ نمود و بہ مواظبت جمعہ و جماعت و نماز اشراق و چاشت و تہجد بیک بارگی میل کرد و شب ہائے مواسم حج تمامی شب قیام کردے و اوراد در سفر و حضر از وفوت نہ شدے ❸۔

یعنی طاعت و عبادت، نفلی روزے اور شب بیداری میں بہت کوشاں رہنے لگا۔ نماز جمعہ، نماز باجماعت، نماز اشراق، نماز چاشت، اوابین اور تہجد کے لیے یک لخت دل میں لگن پیدا ہوئی اور ان پر ہمیشہ پابندی سے قائم رہا۔ ایام حج کی راتوں میں پوری رات قیام کرتا اور سفر و حضر میں اس سے اوراد و وظائف فوت نہ ہوتے۔

مورخین نے اس کے عہد کو ”خیر الاعصار“ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا دور حکومت عالم اسلامی میں بعض وجوہ سے خاص اہمیت کا حامل تھا۔ وہ ۶۶۴ھ سے ۶۸۶ھ (۱۲۶۶ سے ۱۲۸۷ء) تک پورے بائیس سال حکومت کرتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیائے اسلام پر مصائب کی مہیب گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور مسلمان ملکوں اور اسلام کے نام لیواؤں پر تاتاری بے پناہ مظالم ڈھا رہے تھے۔ بغداد کی شان و شوکت خاک میں مل چکی تھی اور اس کی عظمت رفتہ کے کھنڈروں پر سعدی کے دل سوز مرثیے لوگوں کی زبان پر تھے:

---

❶ تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶۔

❷ [illegible] جیمی ج اول ص ۳۰۵۔

❸ [illegible] یخ فیروز شاہی ص ۴۶۔ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۶۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
برزوالِ ملک مستعصم امیر المومنین!
اے محمدؐ! گر قیامت سر بروں آری ز خاک
سر بروں آرد قیامت درمیان خلقِ مبین

غیاث الدین بلبن ہی وہ تنہا حکمران تھا کہ ہلاکت وخوں ریزی کے اس دور میں' جس کی سلطنت ظلم وستم کی ہولناکیوں سے محفوظ تھی اور مختلف اسلامی ممالک کے مسلمان اور شہزادے اس میں پناہ گزین تھے۔ ہندوستان اس زمانے میں عالم اسلامی کے مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور دہلی میں متعدد محلے آباد ہو کر ان کے نام سے موسوم ہو گئے تھے اور بلبن بذات خود ان پناہ گزینوں کی حفاظت ونگرانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ غالبًا اسلامی ممالک کی اسی ہمہ گیر مظلومیت سے متاثر ہو کر وہ منہیات ومکروہات سے تائب ہوا اور اسی وجہ سے اس کے دل میں اسلام کی محبت اور امور شرعی سے وابستگی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما وفقہا' صوفیا ومشائخ اور عباد وزہاد سے اس نے تعلقات استوار کیے۔ وہ باقاعدہ علما کی مجلسوں میں حاضر ہونے اور ان سے استفاضہ کرنے لگا اور جام وے کے بجائے وعظ وتذکیر کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔ اس سے اس کا لگاؤ اس قدر بڑھا کہ بقول برنی:

> بے حضور علما' دست بطعام نبردے' واز علما در وقت طعام خوردن مسائل دین پرسیدے' ودر مجلس طعام' دانشمندان درپیش او بحث کردندے ❶۔
>
> یعنی جب تک علما موجود نہ ہوتے کھانے کو ہاتھ نہ لگاتا' کھانے کے دوران میں' علما سے مسائل شرعی دریافت کرتا اور مجلس طعام میں فقہا اس کے سامنے (مسائل شرعیہ پر) بحث ومباحثہ کرتے۔

اس ضمن میں اس کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ مسجد میں وعظ وتذکیر کا سلسلہ جاری ہے تو سب علائق ترک کر کے فوراً وہاں پہنچ جاتا اور وہاں جا کر

> درمیان خلق بنشستے' وتذکیر بشنیدے' ودر مواعظ ونصائح مذکراں' رقت وگریہ بسیار کردے ❷۔
>
> یعنی عام لوگوں میں بیٹھ جاتا اور وعظ سنتا اور واعظوں کے مواعظ ونصائح سن کر بہت ہی گریہ وزاری کرتا۔

وہ بادشاہ علمائے دین اور مشائخ کا از حد احترام کرتا۔

> وعلمائے آخرت ومشائخ ہر جادہ را بغایت حرمت داشتے ❸۔

❶ تاریخ فیروز شاہی: از برنی ص ۴۶۔۴۷۔

❷ تاریخ فیروز شاہی: برنی ص ۱۰۲۔

❸ ایضاً ص ۱۰۷۔

یعنی علمائے آخرت اور ہر سلسلے کے مشائخ سے بدرجہ غایت عزت واحترام سے پیش آتا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں' جو بلبن کی دینی و مذہبی حالت کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کا استقصا ہمارا مقصود نہیں۔ اس کے عہد کے بہت سے علمائے کرام کا تذکرہ آئندہ صفحات میں خوانندگان محترم کے ملاحظہ گرامی میں آئے گا۔

غیاث الدین بلبن کے بعد ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) میں اس کا پوتا معز الدین کیقباد تخت نشین ہوا۔ یہ نہایت عیاش بادشاہ تھا۔ اس نے دو سال حکومت کی اور ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) میں وفات پائی۔ اس کی موت کے ساتھ ہی سیاسی اعتبار سے اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

جلال الدین خلجی:

اب ہندوستان کی زمام حکومت خلجی خاندان کے ہاتھ میں آتی ہے۔ چنانچہ ۳ جمادی الآخریٰ ۶۸۹ھ (۱۳ جون ۱۲۹۰ء) کو جلال الدین فیروز شاہ خلجی ستر سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ اس درجہ رحم دل اور نرم طینت بادشاہ تھا کہ جب غیاث الدین بلبن کے محل کوشک لعل میں داخل ہوا تو اس کی ہیبت و جبروت اور شوکت وعظمت کو یاد کر کے رونے لگا۔ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور اپنے دل میں اس مقام پر بیٹھنے کی جرات نہ پیدا کر سکا' جہاں غیاث الدین بلبن بیٹھا کرتا تھا۔ امرا و حکام نے کوئی بات کی تو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اس محل کے اصل مالک سلطان بلبن کے بیٹے ہیں' میں تو ایک ناجائز قابض اور غاصب ہوں۔

> ایں کوشک سلطان بلبن است و در ایام خانی برآوردہ است' ملک فرزندان اوست و من بتغلب تصرف می کنم ❶۔

> یعنی یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا کوشک ہے۔ اس نے یہ زمانہ خانی میں تعمیر کیا تھا۔ یہ اس کے بیٹوں کی ملکیت ہے' میں تو اس پر غاصبانہ قبضہ کر رہا ہوں۔

پھر کہا' مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ بلبن میرے سامنے ہے اور تخت پر بیٹھا ہے۔ میں نے اس کوشک میں اس کے حضور بے شمار فرائض خدمت انجام دیے ہیں:

> من آں پادشاہ را دریں کوشک بسیار خدمت کردہ ام و مرا دل می لرزد و ہیبت وحشمت او ہنوز از دل من نرفتہ است ❷۔

> میں اس کوشک میں اس بادشاہ کی خدمت میں بہت ہی مصروف رہا تھا۔ میرا دل دھڑک رہا ہے اور اس کی ہیبت وحشمت' اب تک میرے دل سے نہیں گئی ہے۔

---

❶ ایضاً ص ۱۰۷۔

❷ تاریخ فیروز شاہی ص ۱۸۰۔

اس کے بعد وہ پاپیادہ کوشک لعل میں داخل ہوا اور جب اس مقام پر پہنچا' جہاں وہ غیاث الدین بلبن کے سامنے ادب واحترام سے کھڑا ہوتا تھا تو وہاں اسی طرح کھڑا ہو گیا اور پھر اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکا اور رونے لگا اور کہا۔

پادشاہی ہمہ فریب ونمائش است واگر چہ بیروں نقش ونگاری نماید ولیکن دروں زارزار است ❶۔

بادشاہی تمام تر فریب ونمائش ہے۔ ظاہر میں اگر چہ نقش ونگار نظر آتے ہیں لیکن اندر سے غم ہی غم ہے۔

جلال الدین نماز روزے کا پابند تھا اور ایک نرم دل حکمران تھا۔ کسی پر ہاتھ نہ اٹھاتا اور انسانی جان کا از حد احترام کرتا۔ حتیٰ کہ باغیوں اور سرکشوں کو بھی سزا دینے پر متامل ہوتا اور کہا کرتا:

در شریعتِ پیغمبرِ ما جز کشندہ را' و مرتد را' وآں کہ باوجود زنِ' بازنِ دیگر زنا کند' دیگرے راکشتن نیامدہ است ❷۔

یعنی ہمارے پیغمبر کی شریعت میں سوائے قاتل کے' مرتد کے اور شادی شدہ زانی کے کسی دوسری کو قتل کرنے کا حکم نہیں۔

اس نیک بخت بادشاہ ہند کے زمانے کے کئی فقہاے کرام کا ذکر کتاب کے آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ اس کو اس کے بھتیجے اور داماد علاؤ الدین خلجی نے ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) میں قتل کر دیا تھا۔

علاء الدین خلجی:

علاء الدین خلجی' سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور داماد تھا اور اپنے اس محسن کو قتل کر کے تخت حکومت پر بیٹھا تھا۔ یہ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ سخت خو اور تیز مزاج حکمران تھا' لیکن اس کے باوجود بڑا سمجھ دار' مدبر اور عقل مند تھا۔ اس نے انتہائی رعب و دبدبے سے حکومت کی۔ اس کے زمانے میں سرزمین ہند مشائخ وعلما کا گہوارہ بن گئی تھی۔ دہلی اور اس کے گردونواح میں بے شمار فقہا رہائش پذیر تھے اور دینی خدمات انجام دیتے تھے۔ اس دور کے بہت سے فقہا کا ذکر آئندہ صفحات میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ علاء الدین خلجی نے بیس سال حکومت کی اور ۷۱۵ھ (جنوری ۱۳۱۶ء) میں فوت ہوا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی' وارث تخت دہلی ہوا' لیکن وہ نہایت نالائق شخص تھا۔ اس کو تخت پر بیٹھے چار سال بھی نہ گزرے تھے کہ اس کے غلام خسرو خاں نے اس کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ خسرو خاں نے اپنے مختصر زمانۂ حکومت میں دل کھول کر اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی تذلیل کی اور اسے غازی ملک غیاث الدین تغلق نے قتل کیا۔

---

❶ ایضاً۔

❷ تاریخ فیروز شاہی ص ۱۸۰۔

سلطان غیاث الدین تغلق:

غیاث الدین تغلق تختِ ہند پر متمکن ہونے سے پہلے سلطان جلال الدین خلجی اور اس کے بعد علاء الدین خلجی کی طرف سے ملتان اور دیپال پور کے علاقوں کا ناظم و منصرم تھا اور دین و مذہب سے بہت لگاؤ رکھتا تھا۔ چونکہ اس نے مغلوں کو کئی بار شکست دی تھی اور دشمن طاقتوں کو زیر کیا تھا' اس لیے وہ غازی ملک کے نام سے معروف تھا۔

جب اسے یہ معلوم ہوا کہ خسرو خاں دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی تذلیل اور اسلام کی توہین کو اس نے اپنا نقطہ نظر ٹھہرالیا ہے تو اس کی اسلامی غیرت جوش میں آ گئی۔ وہ سخت تکلیف دہ حالات میں بھی دہلی پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا' لیکن جو اطلاعات اس کو متواتر پہنچ رہی تھیں' وہ انتہائی پریشان کن تھیں' لہٰذا اس نے اللہ پر توکل کر کے دہلی کا رخ کیا اور خسرو خاں کو قتل کر دیا۔ اب عملاً دہلی غیاث الدین تغلق کے قبضے میں تھی' مگر وہ تخت پر نہیں بیٹھا بلکہ امرا و علما کا جو جلوس اس کے ساتھ تھا' اس کے سامنے گھوڑے سے اترا' اللہ کے حضور سربسجود ہوا اور امرائے دولت اور عمائد سلطنت سے صاف لفظوں میں کہا کہ سلطان جلال الدین اور علاء الدین خلجی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں' ان کی اولاد میں سے کوئی شخص یہاں زندہ موجود ہے تو اسے تخت دہلی پر بٹھا دیا جائے اور اگر خاندان شاہی کا کوئی شخص موجود نہیں ہے تو آپ میں سے جو لائق اور بہتر آدمی ہے' اسے بادشاہ بنا دیا جائے۔ مجھے اپنا گھوڑا اور دیپال پور کا ویرانہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ مگر اعیان حکومت اور اکابر سلطنت نے کلاہ بادشاہی اسی کے لیے موزوں قرار دیا اور اس کو ہندوستان کا حکمران بنا دیا گیا۔

غیاث الدین تغلق ایک متدین شخص تھا۔ علما و مشائخ کا عقیدت مند' پابند شریعت' عبادت گزار اور غازی تھا۔ علما کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے استفاضہ کرتا۔ اس کے دور حکومت کے بہت سے مشائخ اور متعدد اصحاب علم کا ذکر اس کتاب میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ یہ ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں تخت ہند پر متمکن ہوا اور ربیع الاول ۷۲۵ھ (مارچ ۱۳۲۵ء) میں وفات پا گیا۔ اس کا عرصہ حکومت اگرچہ بہت کم ہے' مگر نہایت شان دار ہے۔

سلطان محمد تغلق:

سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد اس کا لڑکا محمد خان تغلق بادشاہ بنا۔ یہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں تخت نشیں ہوا اور ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) تک (چھبیس سال) حکومت کی۔ اس کا شمار تاریخ میں عظیم المرتبت سلاطین ہند میں ہوتا ہے۔ اس کے ایام حکومت میں ہندوستان علما و فقہا کا مسکن تھا۔ یہ بادشاہ متضاد اوصاف کا حامل ہونے کے باوجود خود بھی فقہ اور دیگر علوم سے تعلق رکھتا تھا اور علما کا بھی قدر دان تھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ اسی کے عہد (۷۳۴ھ۔۱۳۳۴ء) میں ہندوستان آیا اور اس سے ملا۔ اس نے اس کی بڑی تکریم کی اور اسے دہلی کا قاضی مقرر

کیا۔ ابن بطوطہ نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔

قاضی محمد بن علی شوکانی اپنی تصنیف البدر الطالع میں محمد شاہ تغلق کو فیاض، متواضع اور علوم فقہ وحکمیہ کا عالم بادشاہ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ علما وفقہا سے محبت اور تعلق خاطر رکھتا تھا❶۔

سلطان فیروز شاہ تغلق:

سلطان محمد شاہ نے ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں وفات پائی اور اپنے جانشین فیروز شاہ تغلق کے لیے جگہ خالی کی۔ سلاطین وملوک کی تاریخ، فیروز شاہ تغلق کو قرون وسطی کے ہندوستان کا نیک، مذہبی جذبات کا حامل، دین دار، عالم وفقیہ، بلند اخلاق، علما وفقہا کا قدردان اور مشائخ واولیا کا عقیدت مند بادشاہ قرار دیتی ہے۔

یہ سلطان غیاث الدین تغلق کے بھائی، سالار رجب کا بیٹا اور محمد شاہ تغلق کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے سلطان غیاث الدین کے گھر میں تربیت پائی۔ یہ تخت دہلی پر بیٹھنے کا متمنی نہیں تھا۔ اس نے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی اور دیگر صدور وقضات اور فقہا وعلما کے اصرار کے بعد زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ عادل، معاملہ فہم اور نیک دل بادشاہ تھا۔

اس کے زمانے کے متعدد علما وفقہا کا تذکرہ آئندہ اوراق میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ اس کی کوشش سے اور اس کے عہد حکومت میں فقہ کی کئی کتابیں تصنیف ہوئیں، جن میں فقہ فیروز شاہی اور فوائد فیروز شاہی شامل ہیں۔ اس نے ایک گھڑی ایجاد کی تھی جس سے ہر گھنٹے کے بعد ترنم کے ساتھ اس شعر کی آواز نکلتی تھی ۔

ہر ساعتے کہ بر در شہ طاس می زنند
نقصان عمر می شود آں یاد می دہند

فیروز شاہ تغلق ۷۰۹ھ (۱۳۱۰ء) میں پیدا ہوا اور تینتالیس سال کی عمر میں ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو تخت ہند پر بیٹھا اور سینتالیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۳ رمضان المبارک ۷۹۹ھ (۹ جون ۱۳۹۷ء) کو فوت ہوا۔

سلاطین بہمنی:

آٹھویں صدی ہجری میں دکن کی بہمنی سلطنت میں بھی چند علم پرور اور علما وفقہا سے تعلق رکھنے والے حکمران پیدا ہوئے، جن میں محمد شاہ بہمنی (متوفی ذی القعدہ ۷۷۶ھ۔ اپریل ۱۳۷۵ء) مجاہد شاہ بہمنی (متوفی ذی الحجہ ۷۷۹ھ۔ اپریل ۱۳۷۸ء) اور محمود شاہ بہمنی (متوفی ۷۹۹ھ۔ ۱۳۹۷ء) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے دور حکومت کے علاقہ دکن کے بعض علما وفقہا کا تذکرہ کتب تاریخ میں مرقوم ہے اور اس کتاب میں بھی ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

❶ البدر الطالع ج ۲ ص ۱۸۰۔ طبع مصر ۱۳۴۸ھ۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

یہ چند صفحات مقدمہ کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان میں ایک تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کو ابتدائی صدی ہجری ہی میں اسلام کی رائے پرنور نے اپنے دامن وسعت پذیر میں پناہ دینا شروع کر دی تھی۔ دوسرا مقصد آٹھویں صدی ہجری تک کے ان فرمارو ایانِ ہند کے کردار کی ایک جھلک پیش کرنا ہے، جن کے دور حکومت میں مختلف علمائے کرام اور فقہائے عالی مقام نے ایک خاص نہج سے دیار ہند میں اپنی علمی و فقہی مسائی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اپنی دانست میں انتہائی احتیاط اور محنت سے لکھا گیا ہے۔ معزز قارئین اگر ہماری غلطیوں کی نشان دہی کریں گے اور اس سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے تو ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

کتاب کی یہ پہلی جلد ہے جو ابتدائی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک کے اصحاب علم کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس کے بعد دوسری جلد نویں صدی ہجری کے فقہائے ہند پر مشتمل ہوگی۔ پھر یہ سلسلہ قدم بہ قدم آگے بڑھے گا اور اپنی معلومات کے مطابق بتایا جائے گا کہ کون کون حضرات برصغیر کے کن کن علاقوں اور کس کس دور میں فروغ علم اور اشاعت اسلام کا ذریعہ بنے۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔بیدہ التوفیق و علیہ التکلان۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۷۴ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے لیتھو میں معمولی کاغذ پر شائع ہوئی تھی۔اب کم وبیش چالیس سال بعد اسے نہایت عمدہ کاغذ پر بہترین کمپوزنگ سے محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ادارہ دار النوادر کے تعاون سے شائع کر رہا ہے۔کتاب کے بعض مقامات میں اضافہ بھی کیا گیا ہے۔اور قمری ماہ وسال کے ساتھ عیسوی ماہ وسال بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

اب آئندہ اوراق میں حروف تہجی کی ترتیب سے پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی کے فقہائے برصغیر کے حالات ملاحظہ فرمایئے۔

اللھم و فقنا لماتحب و ترضیٰ۔

بندۂ عاجز

محمد اسحاق بھٹی

پہلی صدی ہجری

ــــــ الف ــــــ

۱۔ ابن اسید بن اخنس

ابن اسید بن اخنس بن شریق ثقفی، تابعی تھے۔ یعنی ان کو براہ راست رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی صحبت وتلمذ کا شرف حاصل تھا۔ اموی حکمران عبدالملک بن مروان کے زمانے میں سندھ کے والی مقرر ہوئے۔ ان کے دادا اخنس کو رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر مؤلفات القلوب کے ساتھ کچھ مال عنایت فرمایا تھا اور ان کے والد اسید بن اخنس بن شریق ثقفی رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ اسید کے ایک بھائی مغیرہ بن اخنس تھے جو خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتبہ شہادت کو پہنچے ❶۔

۲۔ ابو شیبہ جوہری

ابو شیبہ جوہری واسطی، ان کا نام یوسف بن ابراہیم تمیمی تھا۔ یہ بھی تابعی تھے اور نبی ﷺ کے مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ خود ان سے عقبہ بن خالد اور مسلم بن قتیبہ ایسے عظیم محدث اور تبع تابعی روایت کرتے ہیں۔ یہ وہ خوش قسمت بزرگ تھے جو محمد بن قاسم کے ساتھ وارد سندھ ہوئے اور جنھوں نے جہاد سندھ میں باقاعدہ حصہ لیا❷۔

۳۔ اعشیٰ ہمدان

اعشیٰ ہمدان عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حارث۔ ان کی کنیت ابوالمصبح تھی۔ تابعی تھے اور فصیح شاعر بھی۔ کوفی الاصل تھے اور شعرائے بنوامیہ میں سے تھے۔ ان کی شادی امام شعبی فقیہ کی بہن سے ہوئی تھی اور ان کی

❶ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو العقد الثمین ص ۱۵۸، ۱۵۹

❷ العقد الثمین ص ۲۱۴۔ لسان المیزان ج ۶۔

بہن کی شادی امام شعبی فقیہ سے ۔۔۔! فقہا و قرا میں سے تھے۔ غزوۂ مکران میں شریک تھے جو اس زمانے میں ہندوستان کا ایک شہر تھا❶۔

۴۔ ابوایوب بن یزید ہلالی

ابوسلیمان ایوب بن یزید بن قیس بن زرارہ جلیل القدر تابعی تھے' خطیب اور لسان تھے۔ ابن خلکان کی روایت کے مطابق ان کا شمار چند خطبائے عرب میں ہوتا تھا۔ فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ انھوں نے ہندوستان اور مکران کی سیاحت کی۔ حجاج بن یوسف نے ان سے کچھ علاقوں کے حالات پوچھنا چاہے تو کہا' جس ملک کے بارے میں آپ سوال کریں گے' میں جواب دوں گا۔ حجاج نے کہا ''ہند کے متعلق کچھ بتاؤ'' جواب دیا:

بحرها در' و جبلها ياقوت' و شجرها عود' وورقها عطر و اهلها طغام كقطع الحمام۔

اس کے دریا موت اگلنے والے' پہاڑ لعل و یاقوت کی کانیں' درخت عود و صندل کے حامل' پتوں میں خوشبو اور مہک' اس کے باشندے کم عقل فاختاؤں کی طرح ٹکڑیوں میں بکھرے ہوئے۔

اسی طرح مکران کے بارے میں سوال کیا تو جواب دیا:

ماء هاوشل و تمرهادقل' وسهلها جبل' ولصها بطل' ان كثر الجيش بهاجاعوا وان قلوا ضاعوا۔

اس میں پانی کم' کھجوریں ردی' میدان پہاڑوں کی طرح' چور بے باک' فوج زیادہ ہو تو بھوک کا خطرہ' کم ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ۔

حجاج نے ان کو ۷۴ھ (۶۹۳ء) میں قتل کرا دیا تھا❷۔

ت

۵۔ تاغر بن دعر

تاغر بن دعر رحمہ اللہ' پہلی صدی ہجری کے وہ بزرگ ہیں' جن کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ

❶ العقد الثمین ص ۱۶۳' ۱۶۴' بحوالہ کتاب الاغانی ج ۶' ص ۳۴۔

❷ جمہرۃ انساب العرب ص ۴۲۵۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۸۷۔ ۸۹

علیہم اجمعین کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ یعنی تابعی تھے اور اس مقدس جماعت سے تعلق رکھتے تھے جو براہِ راست آنحضرت ﷺ کے صحبت یافتہ حضرات سے سماع روایت و احادیث کی سعادت عظمیٰ سے بہرہ اندوز ہوئی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے کن کن صحابہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ یہ بلند بخت بزرگ بغرض جہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر کے امیر کی حیثیت سے وارد سندھ ہوئے۔ یہاں کتنا عرصہ رہے اور کس کس علاقے میں بسلسلۂ جہاد گئے؟ اس کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی ❶۔

ح

٦۔ حاتم بن قبیصہ بن مہلب مہلبی ازدی

حاتم بن قبیصہ بن مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی تابعین میں سے تھے۔ روح اور یزید ان کے دو بیٹے تھے۔ روح افریقہ کے اور یزید سندھ کے مفتوحہ علاقوں کے والی تھے۔ حاتم بن قبیصہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کے ساتھ قلات کی دوسری لڑائی میں شرکت کی ❷۔

کتب رجال و سیر سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے کن صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔

۷۔ حارث بیلمانی

حارث بیلمانی بھی تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے محمد بن حارث بیلمانی نے سماع حدیث کیا ❸۔

بیلمان، بھیلمان کا معرب ہے۔ یہ ایک قصبہ تھا جو سندھ، گجرات، کاٹھیاوار اور مارواڑ کے درمیان واقع تھا۔ حارث کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۸۔ حارث بن مرہ عبدی

حارث بن مرہ عبدی، تابعی تھے اور قبیلہ عبدالقیس سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قابل اعتماد ساتھی اور معاون خاص تھے۔ اپنے دور کے اہل اسلام میں بدرجہ غایت فیاض تھے۔ ۳۷ھ (۶۵۷) میں جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے حامی تھے اور فوج کے میسرہ پر متعین تھے۔ اس جنگ میں یہ کئی قسم

❶ العقد الثمین ص ۱۰۴۔

❷ ایضاً۔

❸ ایضاً ص ۲۸۸۔

کی تکلیفوں سے دوچار ہوئے۔ ۳۸ھ (۶۵۸ء) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے حدود ہند میں داخل ہوئے۔ فیاضی اور بہادری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز ہزار آدمی کو آزاد کرانے کی قسم کھائی اور پانچ سو شہسواروں پر حملہ کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۴۲ھ (۶۶۲ء) میں حارث بن مرہ اور ان کے کچھ ساتھی قلات میں شہید ہوئے۔ کبار صحابہ سے ملے۔ تابعین اور ایک روایت کے مطابق مدرکین میں سے تھے ❶۔

۹۔ حباب بن فضالہ ذہلی

سرزمین ہند سے کسی نہ صورت میں تعلق رکھنے والے جن تابعین کا ذکر کتب تاریخ میں مرقوم ہے، ان میں ایک نام حباب بن فضالہ ذہلی کا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور ممتاز صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ہندوستان آنے والے اسلامی لشکر کی فہرست میں ان کا نام لکھا گیا تھا۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ پوچھا کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جا سکتا ہوں یا نہیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے واپس جانے کا مشورہ دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ واپس والدین کے پاس گئے یا بغرض جہاد عازم ہند ہوئے۔ اس ضمن میں میزان الاعتدال کے الفاظ یہ ہیں:

قال اتيت البصرة فلقيت انس بن مالك فقلت له انى اردت سفرا فاردت ان استامرك قال و اين تريد؟ قلت الهند۔ قال فحى والداك او احدهما؟ قلت بل حيان۔ قال فراضيان بمخرجك؟ قلت بل ساخطان، استعدى على ابى و حبسنى السلطان، قال فالدنيا تريد اوالاخره؟ قلت كليهما، قال ماراك الا ستحبطهما كلتيهما، ارجع الى ابويك، فبرهما و اصحبهما فانك لن تصيب كسبا خيرا منه ❷۔

یعنی حباب بن فضالہ ذہلی کہتے ہیں، میں بصرے آیا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے ان سے عرض کیا ''میں سفر پر جانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے آپ سے اجازت کا طالب ہوں۔'' فرمایا ''کہاں جانا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا ''ہندوستان۔'' فرمایا ''تمھارے ماں باپ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟'' عرض کیا: ''دونوں زندہ ہیں۔'' فرمایا ''وہ تمھارے جانے پر خوش ہیں؟'' میں نے جواب دیا خفا ہیں۔ میرے والد نے مجھ پر زیادتی کی۔ (وہ سلطان کے پاس گئے) اور سلطان نے مجھ

❶ العقد الثمین ص ۱۰۲۔

❷ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، حافظ ذہبی جلد اول ص ۲۰۸۔

کو جانے سے روک دیا۔ فرمایا "دنیا چاہتے ہو یا آخرت؟" عرض کیا "دونوں!" فرمایا "میں سمجھتا ہوں کہ دونوں ضائع کر بیٹھو گے۔ جاؤ، ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، ان کی خدمت میں رہو، تمھارے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہو سکتی۔"

۱۰۔ حری بن حری باہلی

حری بن حری باہلی کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کو عبید اللہ بن زیاد نے مفتوحہ بلاد ہند کا والی مقرر کیا تھا۔ ان کی سرکردگی میں جو فوج ہند کی طرف روانہ کی گئی تھی، اس نے متعدد علاقے فتح کیے اور کامیاب واپس گئی۔ ان جنگوں میں اسلامی لشکر کو مال غنیمت بھی حاصل ہوا۔ حری بن حری درحقیقت سنان بن سلمہ کی فوج کے ایک حصے کے سردار تھے ❶۔

رجال و تاریخ کی کتابیں یہ نشان دہی نہیں کرتیں کہ انھوں نے کن صحابہ کرام سے سماع و روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔

۱۱۔ حکم بن منذر عبدی

ابو غیلان حکم بن منذر بن جارود عبدی بھی تابعین میں سے تھے۔ اپنے دور کے بلند مرتبہ شخص تھے۔ نہایت شجاع اور عالی ہمت تھے۔ سندھ اور اس کے گردونواح میں جہاد کے لیے آئے اور وہیں وفات پائی ❷۔

ـــــرـــــ

۱۲۔ راشد بن عمرو جدیدی عبدی ازدی

راشد بن عمرو بن قیس ازدی، تابعی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کے باپ عمرو بن قیس کو عراق میں ایک مکان عطا کیا تھا، جسے "لولعۃ عمرو" کہا جاتا تھا۔ راشد بن عمرو نے حضرت عثمان کے عہد خلافت ۳۰ھ (۶۵۱ء) میں ہرموز فتح کیا۔ پھر حضرت عثمان ہی کے عہد میں قلات اور المید کی جنگوں میں شامل ہوئے اور فتح حاصل کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایامِ حکومت ۴۲ھ (۶۶۲) میں بلادِ ہند اور سندھ کی لڑائیوں میں شرکت کی۔ سرزمینِ سندھ میں جامِ شہادت نوش کیا ❸۔

❶ العقد الثمین ص ۱۳۷۔

❷ تفصیلات کے لیے دیکھئے العقد الثمین ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

❸ العقد الثمین ص ۱۲۵۔

ز

۱۳۔ زائدہ بن عمیر طائی کوفی

زائدہ بن عمیر طائی کوفی۔ ابن سعد نے ان کو کوفہ کے طبقہ ثالثہ کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ایسے اکابر صحابہ سے روایت کی۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو فتح سندھ کے وقت محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ جب محمد بن قاسم کی فوج نے دریائے بیاس عبور کر کے ملتان کی طرف پیش قدمی کی، یہ اس وقت اسلامی لشکر میں موجود تھے۔ مشرکین ہند نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی اور مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا تھا[1]۔

۱۴۔ زیاد بن حواری عمی

ان کا نام زیاد بن حواری تھا۔ ایک روایت کے مطابق زید بن حواری عبدی عمی، اور ایک روایت کے مطابق حواری بن زیاد تھا۔ جہاد سندھ میں محمد بن قاسم کے دست و بازو تھے۔ محمد بن قاسم نے جن لوگوں کو داہر کا سر دے کر عراق بھیجا تھا، ان میں یہ بھی شامل تھے۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو حضرت انس، حسن، معاویہ بن قرہ اور عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ خود ان سے اعمش، سبیعی، عبدالملک بن عمیر، ایوب بن موسیٰ، محمد بن فضل بن عطیہ اور سلام الطّویل وغیرہم نے روایت کی۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے[2]۔

۱۵۔ ابوقیس زیاد بن رباح قیسی بصری

ابوقیس زیاد بن رباح بھی تابعی تھے۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے یہی راوی ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

من خرج من الطاعة و فارق الجماعة فمات ميتة جاهلية۔

جو شخص طاعت کے دائرے سے باہر نکلا اور جماعت سے الگ ہوا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ان کو ابن رباح بھی کہا جاتا ہے اور ابو رباح بھی۔ ان سے غیلان بن حریر اور حسن بصری روایت حدیث کرتے ہیں۔ عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حبان ان کا شمار ثقات میں کرتے ہیں۔ ان کی روایت

---

1. ایضاً ص ۱۲۵۔
2. العقد الثمین، ص ۲۱۵۔

سے صحیح مسلم میں بھی حدیث درج ہے۔ یہ محمد بن قاسم کے ساتھ بغرض جہاد سندھ آئے تھے۔ علی بن حامد چچ نامہ میں کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے جس جماعت کے ہاتھ داہر کا سر عراق بھیجا تھا' ابوقیس اس جماعت کے امیر تھے۔ اس جماعت میں ابوقیس کے علاوہ ذکوان بن علوان' یزید بن مجالد ہمدانی اور زیاد بن حواری عبدی وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے عراق جا کر ملوک ہند کے واقعات بیان کیے ❶۔

ـــ س ـــ

۱۶۔ سعد بن ہشام انصاری

سعد بن ہشام بن عامر انصاری' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت حدیث کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اپنے والد مکرم ہشام بن عامر انصاری، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سمرہ بن جندبؓ ایسے جلیل القدر صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ خود ان کے شاگردوں میں حضرت حسن بصری، حمید بن ہلال' زرارہ بن ابی اوفیٰ' حمید بن عبدالرحمٰن حمیری رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ سرزمین مکران میں شہید کیے گئے ❷۔

قتل فی ارض مکران علی احسن حالہ۔

امام بخاری نے بھی تاریخ الکبیر میں یہی الفاظ لکھے ہیں۔ امام نسائی' ابن سعد اور ابن حبان نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ انھوں نے ارض مکران میں غزوہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ تقریب التہذیب میں ہے کہ سعد بن ہشام ثقہ تھے اور محدثین کے طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سرزمینِ ہند میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شہید کیے گئے ❸۔

۱۷۔ سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی

سعید بن اسلم بن زرعہ بن علس بن عمرو بن صعق' بنی ربیعہ بن کلاب سے تھے اور تابعی تھے۔ امام بخاری نے تاریخ الکبیر میں بتایا ہے کہ سعید بن اسلم نے اپنے موالی سے روایت کی' جو بنی غفار سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان سے بکیر بن اشجع نے سماع روایت کی۔ ابن حبان نے ان کو تابعین میں شمار کیا

❶ العقد الثمین ص ۳۰۴۔ کتاب الکنی والاسماء ج ۲' ص ۸۸، ۸۹۔ تہذیب التہذیب ج ۳' ص ۳۶۶' ۳۶۷ و ج ۱۲' ص ۲۰۷

❷ مکران۔ بضم المیم۔ اس زمانے میں یہ ہندوستان کا ایک شہر تھا۔

❸ العقد الثمین۔ ص ۷۹' ۸۰' ۳۰۵۔

ہے۔ ابن ماکولا کا کہنا ہے کہ اسلم بن زرعہ خراسان کے والی تھے اور سعید بن اسلم سندھ کے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعید بن اسلم مکران کے والی بھی رہے اور وہیں قتل کیے گئے ❶۔

۱۸۔ سعید بن کندیر

سعید بن کندیر بن سعید قشیری، یہ بھی تابعین کی مقدس جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے حالات اس سے زیادہ نہیں ملے کہ ذی الحجہ ۳۵ھ (جون ۶۵۶ء) میں، جب کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، یہ مکران کے امیر تھے اور مکران کا شمار اس زمانے میں بلاد ہند میں ہوتا تھا ❷۔

ش

۱۹۔ شمر بن عطیہ اسدی

شمر بن عطیہ بن عبدالرحمٰن اسدی، بنی مرہ بن حارث بن سعد بن ثعلبہ میں سے تھے۔ تابعین کی بلند مرتبت جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ثقہ راوی تھے۔ ان کی روایت سے احادیث مروی ہیں، جن میں سے ایک ابن اثیر میں ہے اور وہ یہ ہے۔

روی سفیان عن الاعمش عن شمر بن عطیة عن رجل من جهینة او مزینة۔ قال جاءت وفود الذأب قریب من مأة ذیب حین صلی رسول صلی اللہ علیه وسلم فقال، هٰذه وفود الذأب جاء تکم تسئلکم لتفرضوا قوت طعامکم و تأمنوا ماسوی ذٰلك۔ فشکوا الیه اعاجة فاد برن ولهن عواء۔

ایک یہ ہے۔

عن الاعمش عن شمر بن عطیة عن ابی حازم۔ قال کان رسول اللہ علیه وسلم یوم بدر فی الظل و اصحابه یقاتلون فی الشمس فاتاه جبریل علیه السلام فقال انت فی الظل و اصحابك یقاتلون فی

❶ العقد الثمین ص ۱۴۴ تا ۱۴۶۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۸۷۔ فتوح البلدان ص ۴۲۳۔ الاکمال ابن ماکولا ج ۶، ص ۹۵۔ نیز ملاحظہ ہو التاریخ الکبیر امام بخاری ج ۲ و کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ تاریخ الکامل ج ۴ ص ۱۴۷۔ تاریخ ابن خلدون ج ۳، ص ۱۳۷۔

❷ تفصیل کے لیے دیکھیں العقد الثمین ص ۹۷۔۹۸۔

الشمس فتحول الی الشمس۔
یہ پہلی صدی ہجری کے وہ بزرگ ہیں جو جہادِ سندھ کے لیے محمد بن قاسم کے ساتھ وارِدِ سندھ ہوئے اور جہاد میں شرکت کی۔ بعض اصحابِ تاریخ کے نزدیک ان کا نام شمر بن عطیہ اسدی نہیں ہے بلکہ بشر بن عطیہ اسدی ہے❶۔

ع

۲۰۔ عباد بن زیاد بن ابوسفیان

عباد بن زیاد بن ابوسفیان تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے دو بیٹوں سے روایت حدیث کی جن کے نام عروہ بن مغیرہ اور حمزہ بن مغیرہ ہیں۔ خود ان سے امام زہری اور مکحول ایسے اکابر محدثین نے روایت کی۔ عباد بن زیاد سجستان کے راستے سے ۴۴ھ (۶۶۴ء) میں بلادِ ہند میں داخل ہوئے اور کچھ اور قندھار کے علاقوں میں غیر مسلموں سے جنگ کی۔ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۳ھ (۶۷۳ء) میں سجستان کا والی مقرر کیا تھا❷۔

۲۱۔ عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی

عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی ان لوگوں میں سے تھے جو خلافت عمر فاروق میں بطور خمس ان کے حصے میں آئے۔ عبدالمنعم بن ادریس کہتے ہیں کہ یہ اہل یمن سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی بخران میں آمد و رفت تھی۔ انھوں نے ولید بن عبدالملک کے عہد میں وفات پائی۔ صحابہ میں سے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، عثمان بن عفان، سعید بن زید، معاویہ، عمرو بن اوس اور عمرو بن عبسہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے شرف روایت حاصل کیا۔ تابعین میں سے نافع بن جبیر بن مطعم اور عبدالرحمٰن اعرج سے روایت کی۔ خود ان سے ان کے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن کے سوا یزید بن طلق، ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن، خالد بن ابوعمران اور سماک بن فضل وغیرہ نے سماع روایت کی۔ ترمذی میں طوافِ وداع کے بارے میں ان سے روایت مروی ہے۔ نسائی میں عمرو بن عبسہ سے ان کے قبولِ اسلام کے متعلق واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے۔ ضعیف لاتقوم به حجة ۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے اور بیلمانی

---

❶ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ العقد الثمین۔ ص ۲۱۲، ۲۱۳۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۱۰۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۵۵۔ فتوح البلدان ص ۴۷۸۔

❷ العقد الثمین ص ۱۳۷۔

تھے ❶۔ بیلمان بھیلمان کا معرب ہے جو سندھ گجرات' کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان ایک قصبہ تھا۔ یہ قصبہ جنید بن عبدالرحمٰن مری کی تگ و تاز سے ہشام بن عبدالملک کے عہد میں مفتوح ہوا❷۔

۲۲۔ عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمی قرشی

عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی' تابعی تھے' ان کی والدہ کا نام ام فراس تھا جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ۸۲ھ یا ۸۳ھ (۷۰۱ یا ۷۰۲ء) میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے بعد سندھ آئے۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع روایت کی۔ سندھ میں وفات پائی❸۔

۲۳۔ عبدالرحمٰن سندھی

عبدالرحمٰن سندھی تابعین میں سے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عبدالرحمن السندی' سمع انسا۔ کان النبی صلی الله علیه وسلم یاکل ولا یتوضأمن اللحم❹۔

یعنی عبدالرحمٰن سندھی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۲۴۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کندی

عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس بن معدیکرب، بنو معاویہ بن حارث بن معاویہ میں سے تھے اور تابعی تھے۔ ۸۰ھ (۶۹۹ء) میں ان کو حجاج بن یوسف نے سجستان' بست اور رخج کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں انھوں نے غور اور رخج اور خلج وغیرہ قبائل سے جنگ کی اور اسی زمانے میں ان ملوکِ ہند سے جہاد کیا جن کی سرحدیں اس علاقے سے ملحق تھیں۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بہادر' دلیر اور مجاہد تابعی تھے❺۔

❶ طبقات ابن سعد ج۵ ص ۵۳۶۔ تہذیب التہذیب ج۶ ص ۱۴۹ و ۱۵۰۔

❷ العقد الثمین ص ۲۸۶ تا ۲۸۸

❸ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ تاریخ طبری ج۶ ص ۳۷۳۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج۴۔ ص ۱۸۷۔ تہذیب التہذیب ج۶ ص ۲۰۵۔ المعارف ابن قتیبہ ص ۵۶۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۷۱۔ العقد الثمین ص ۱۶۴ تا ۱۶۶۔

❹ التاریخ الکبیر۔ ج۳ ص ۲۵

❺ تفصیلات کے لیے دیکھیے جمہرۃ انساب العرب ص ۴۲۵۔ العبر فی خبر من غبر ج۱ ص ۹۰۔ مروج الذہب ج۳ ص ۱۳۸ و ۱۳۹۔ الاغانی ج۴ ص ۱۷۴۔ العقد الثمین ص ۶۱' ۶۲

۲۵۔ عمر بن عبید اللہ بن معمر قرشی تیمی

ابو حفص عمر بن عبید اللہ قرشی تیمی، تابعی تھے۔ عرب کے سخی اور متقی لوگوں میں سے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں کابل کا علاقہ فتح کیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سجستان کا والی مقرر کیا، اس وقت اشرافِ عرب میں سے یہی عمر ابن عبید اللہ، عبدالرحمٰن بن سمرہ کے ساتھ تھے۔ یہ جنگ لڑتے اور فتوحات حاصل کرتے ہوئے حدودِ کابل میں پہنچے تو حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو اس کی اطلاع ملی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور ان کے پاس آئے۔ عمر بن عبید اللہ ضمیر کے مقام پر، جو دمشق سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے، حجاج بن یوسف کے ہاتھوں قتل ہوئے ❶۔

ــــ ق ــــ

۲۶۔ قطن بن مدرک کلابی

قطن بن مدرک کلابی تابعی تھے اور اموی حکمران ولید بن عبدالملک کے ولات و امرا میں سے تھے۔ اسد الغابہ کی روایت کے مطابق ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی نماز جنازہ قطن بن مدرک کلابی نے پڑھائی۔ جہادِ سندھ میں یہ محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ محمد بن قاسم جب سندھ کے محاذ پر مصروفِ جہاد تھے تو حجاج بن یوسف نے ان کے نام ایک مکتوب روانہ کیا تھا، جس میں قطن بن مدرک کلابی کی بہت تعریف کی تھی اور لکھا تھا کہ ان پر پورا اعتماد کیا جائے۔ یہ صادق القول اور وفادار شخص ہیں، ہمارے نزدیک قابلِ احترام ہیں اور خیانت و بددیانتی سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا ہے۔ حجاج نے سلیمان بن عبدالملک اور ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں ان کو بحرین اور کوفہ کا والی مقرر کیا تھا ❷۔

۲۷۔ قیس بن ثعلبہ

قیس بن ثعلبہ تابعین کی پاک باز جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ کفارِ ہند سے جہاد کے لیے محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے اور دیبل کے محاذ پر شریکِ جنگ ہوئے۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے عبداللہ بن مسعود سے یہ حدیث روایت کی۔

روی عن ابن مسعود کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ ❸۔

---

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے، العقد الثمین ص ۱۲۲ تا ۱۲۴

❷ العقد الثمین ص ۲۱۱، ۲۱۲۔ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۹

❸ العقد الثمین ص ۱۲۰۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۴۷۷۔

ک

۲۸۔ کرز بن ابی کرز عبدی حارثی کوفی

کرز بن ابوکرز تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان کے والد ابوکرز کا نام وبرہ تھا۔ یہ خاندان بنوعبدالقیس سے تھے جو قبیلہ بنوحارث کی ایک شاخ تھا۔ کرز بن ابوکرز نے نعیم بن ابی ہند سے روایت کی اور خود ان سے امام سفیان ثوری، ابن شبرمہ، عبیداللہ وصافی، فضیل بن غزوان اور دوقابن عمر نے روایت کی۔ حافظ ذہبی ان کو تابعی اور حافظ ابن حجر تبع تابعی قرار دیتے ہیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں یہ کوفہ کے تابعین میں سے ہیں اور طبقہ رابعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عباد میں سے تھے۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے، نہایت عابد و زاہد تھے۔ ہندوستان سے ان کا یہ تعلق تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایامِ حکومت ۴۵ھ (۶۶۵ء) میں قلات کی طرف جو مہم روانہ کی گئی تھی، اس میں شامل تھے۔ اس میں ان کو فتح حاصل ہوئی، جب واپس آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پھر قلات بھیج دیا تھا ❶۔

۲۹۔ کہمس بن حسن قیسی بصری

ابوالحسن کہمس بن حسن قیسی تمیمی یاتمری بصری، تابعی تھے۔ انھوں نے محمد بن قاسم کی معیت میں سندھ پر حملہ کیا۔ عابد و زاہد تھے۔ ابن سعد نے ان کو طبقہ رابعہ کے بصری فقہا و محدثین اور تابعین میں سے گردانا ہے۔ ثقہ راویٔ حدیث تھے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عبداللہ بن بریدہ، عبداللہ بن شقیق اور عباس جریری سے احادیث سنیں۔ ان سے معاذ بن معاذ، خالد بن حارث، نضر بن شمیل، مقری اور وکیع بن جراح نے روایت کی۔ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ اس لشکر میں شامل تھے جس نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ پر حملہ کیا اور راجہ داہر سے جنگ لڑی ❷۔

م

۳۰۔ مجاعہ بن سعر تمیمی

مجاعہ بن سعر تمیمی ❸ اور ان کے بھائی قاسم بن سعر تمیمی عرب کے اشراف واعیان میں سے تھے۔

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ العقد الثمین ص ۱۳۰، ۱۳۱، ۳۰۵ تا ۳۰۷ بحوالہ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۵۔ تاریخ الکبیر ج ۴ ص ۲۲۸۔ الاصابہ ج ۳ ص ۲، ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۱۔ الاسماء والکنی ۲ ص ۹۲۔

❷ تفصیلات کے لیے دیکھیے العقد الثمین ص ۱۸۵ تا ۱۸۸ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۷۰۔ کتاب الکنی والاسماء ج ۱ ص ۱۴۸ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۵۰، ۴۵۱۔

❸ بکسر السین۔ العقد الثمین ۵۶۔ بحوالہ الاکمال ابن ماکولا

مجاعہ تابعی تھے اور بلند ہمت شخص تھے۔ کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ سندھ اور عمان کے والی مقرر ہوئے۔ اصحابِ علی رضی اللہ عنہ میں سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہم سے انھوں نے روایت بھی کی۔ جنگِ مکران میں شامل ہوئے اور وہاں کے والی مقرر کیے گئے۔ وفات بھی وہیں ہوئی ❶۔

۳۱۔ ابوالیمان معلیٰ بن راشد نبال ہذلی بصری

ابوالیمان معلیٰ بن راشد نبال ہذلی بصری' سنان بن سلمہ کے مولیٰ تھے اور تبع تابعی تھے۔ اپنی دادی ام عاصم' میمون بن سیاہ' حسن بصری اور زیاد بن میمون ثقفی سے سماعِ حدیث کی اور خود ان سے یزید بن ہارون' عبداللہ بن صالح عجلی' روح بن عبدالمومن' ابوبشر بن بکر بن خلف' نصر بن علی جہضمی' نعیم بن حماد' مسلم بن ابراہیم' معلیٰ بن اسد' حفص بن عبداللہ جعدی' ابراہیم بن موسیٰ اور احمد بن عبیداللہ بن صخر غدانی نے روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ کھانے کا برتن صاف کرنے کی حدیث ان سے مروی ہے جو یہ اپنی دادی ام عاصم سے بواسطہ ہذیل ایک شخص نیشۃ الخیر سے روایت کرتے ہیں۔ حدیث مع سند کے یہ ہے:

قال ابن سعد' اخبرنا عفان بن مسلم' قال حدثنی المعلی ابن راشد الهذلی قال حدثنی جدتی ام عاصم عن رجل من هذيل يقال له نيشة الخير قالت دخل علينا نيشة ونحن ناكل فی قصعة فقال لنا حدثنا النبی صلی الله عليه وسلم' انه من اكل فی قصعة ثم لحسها استغفرت له۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور نسائی نے ان کے بارے میں لیس به بأس کہا ہے۔

۵۰ھ میں جب زیاد نے سنان بن سلمہ بن محبق کو سرحداتِ ہند کے مفتوحہ علاقوں کا والی مقرر کر کے بھیجا تو یہ اس جماعت میں شامل تھے جو اس وقت سنان بن سلمہ کے ساتھ تھی۔ انھوں نے سنان بن سلمہ کے زیر کمان جنگِ قلات میں شرکت کی۔ اس سلسلے میں خود ابوالیمان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

قال غزونا مع سنان القيقان' فجاء نا قوم كثير من العدد' فقال سنان ابشروا فانتم بين خصلتين الجنة و الغنيمة' ثم اخذ سبعة احجار' وواقف القوم' قال اذارأ يتمونی قد حملت فاحملوا' فلما صارت الشمس فی كبد السماء رمی بحجر فی وجوه القوم و كبر' ثم رمٰی بها حجرا حجرا حتی بقی السابع' فلما زالت الشمس عن كبد السماء رمی بالسابع' ثم قال حم لا ينصرون' كبرو حمل و حملنا

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے العقد الثمین ص ۱۵۵'۱۵۶

معه' فمنحونا اكتافهم' فقتلنا هم اربعة فراسخ' فاتينا قوما متحصنين في قلعة فقالوا والله ما انتم قتلتمونا' ولا قتلنا الا رجال مانرهم معكم الان' على خيل بلق' عليهم عمائم بيض' فقلنا' ذلك نصر الله' فرجعنا۔ والله۔ ما اصيب منا الا رجل واحد' فقلنا لسنان' واقفت القوم حتى اذا زالت الشمس واقعتهم؟ قال' كذلك كان يصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم ❶۔

یعنی ابوالیمان کہتے ہیں، ہم سنان کے زیر کمان قلات کے محاذِ جنگ پر آئے تو ہمارے سامنے دشمن کی بہت بڑی فوج کھڑی تھی۔ سنان نے ہم سے کہا تم خوش رہو۔ تمھیں دو چیزوں میں سے ایک ملنے والی ہے۔ جنت یا غنیمت۔ پھر انھوں نے سات پتھر اٹھائے اور قوم کو روک لیا۔ کہا' جب تم دیکھو کہ میں نے حملہ کر دیا ہے تو تم بھی حملہ کر دو۔ پھر جب آفتاب آسمان کی اوٹ میں آیا تو انھوں نے دشمن کی طرف ایک پتھر پھینکا اور اللہ اکبر کہا۔ پھر ایک ایک پتھر پھینکتے گئے۔ یہاں تک کہ ساتواں پتھر باقی رہ گیا۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو ساتواں پتھر بھی پھینک دیا اور کہا حم لا ینصرون اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی حملہ کر دیا' ہم نے بھی حملہ کر دیا۔ دشمن کی فوج نے اپنے کندھے ہم کو دے دیے۔ یعنی ہمارے آگے بھاگ کھڑی ہوئی اور ہم چار فرسخ تک اس کو قتل کرتے گئے۔ اس طرح دشمن کے پیچھے چلتے چلتے ہم ایک قلعہ بند فوج کے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے ہم سے کہا۔ خدا کی قسم' تم نے ہم کو قتل نہیں کیا' جن لوگوں نے ہم کو قتل کیا ہے ان میں سے تو اب ایک بھی تم میں ہم کو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ وہ تو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا یہ اللہ کی نصرت ہے۔ ہم نے واپس آ کر سنان سے پوچھا، آپ نے قوم کو روک لیا اور آفتاب ڈھلا تو اس پر حملہ آور ہوئے' اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

۳۲۔ موسیٰ سیلانی

موسیٰ سیلانی تابعی تھے اور سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مقدمہ ابن الصلاح کے ''بیان معرفۃ الصحابہ'' میں بتایا گیا ہے کہ ہم نے شعبہ سے روایت کی اور شعبہ نے موسیٰ سیلانی سے کی اور ان کی تعریف فرمائی۔ وہ روایت یہ ہے کہ موسیٰ سیلانی نے حضرت انس سے ملاقات کی۔ الفاظ یہ ہیں:

❶ العقد الثمین ص ۱۳۵' ۱۳۶

لقيت انس بن مالك فقلت هل بقى من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم احد غيرك؟ فقال بقى ناس من الاعراب قدرأوه امامن صحبه فلا۔

(موسیٰ سیلانی کہتے ہیں) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے پوچھا کیا آپ کے سوا اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کوئی اور باقی ہے؟ فرمایا چند ایسے اعراب باقی ہیں، جنھوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو ہے مگر انھیں آپ ﷺ سے شرف صحبت حاصل نہیں ہے۔

اسناده جيد، حدث به مسلم بحضرة ابى زرعة، و ذكره ابن ابى حاتم الرازى، وابن الاثير الجزرى ووثقه يحى بن معين ❶۔

۳۳۔موسیٰ بن یعقوب ثقفی

موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی، مشہور عربی نژاد فقیہ تھے جو محمد بن قاسم کے زمانے میں سندھ میں سکونت گزین ہو گئے تھے۔ عرب کے اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جس سے فاتح سندھ محمد بن قاسم کا تعلق تھا۔ حدیث وفقہ میں ماہر تھے۔ اسی بنا پر محمد بن قاسم نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں ان کو شہر ارور کی مسند قضا و خطابت پر فائز کر دیا تھا۔ یہ پورے سندھ کے قاضی القضاۃ بھی رہے۔ محمد بن قاسم نے ان کو ارور کے قاضی اور احنف بن قیس کے نواسے رواح بن اسد کو وہاں کے والی مقرر کیا اور رعیت سے حسن سلوک اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی۔ اس ضمن میں چچ نامہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

چوں محمد بن قاسم اہل دارالملک ارور را تحت اقتدار و مطاوعت خود آوردہ و ہمگناں مطیع و مامور گشتند، رواح بن اسد از نواسگان احنف بن قیس را بہ ایالت ارور نصب کرد، و امور شرعی و مہم دار قضا و خطابہ بصدر الامام الاجل العالم برہان الملۃ والدین، سیف السنۃ و نجم الشریعۃ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بازگزاشت و فرمود بارعایا را استمالت واجب بیند و فرمان، یامرون بالمعروف وينهون عن المنكر، مہمل نماند و ہر دو را برعایت خلق و رعیت وصیت کرد و مثال مطلق داد ❷۔

یعنی جب محمد بن قاسم نے دارالسلطنت ارور کو اپنے تحت اقتدار اور زیر نگین کر لیا اور سب لوگ اس کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے تو رواح بن اسد کو جو احنف بن قیس کے نواسوں

❶ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴۶۔ العقد الثمین ص ۲۸۶

❷ چچ نامہ ص ۲۲۵

میں سے تھے‘ اس کا گورنر مقرر کیا۔ اور امور شرعیہ‘ معاملات دار القضا اور منصب خطابت کو صدر الامام الاجل العالم‘ برہان الملۃ والدین‘ سیف السنۃ ونجم الشریعۃ‘ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ رعایا کی دل جوئی کو اپنے اوپر لازم قرار دیں اور ساتھ ہی کہا کہ فرمانِ خداوندی کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ پھر دونوں کو عوام اور رعایا سے رعایت کرنے کی تاکید کر کے سندِ خود مختاری عطا کی۔

موسیٰ بن یعقوب ثقفی کا خاندان علمی وفقہی اعتبار سے‘ دیارِ ہند کا مشہور خاندان تھا اور ان کے اخلاف کو ہر دور میں عزت و احترام کے مستحق گردانا جاتا تھا۔ یہ خاندان سلطان شمس الدین ایلتتمش متوفی ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) کے عہد تک موجود تھا۔

کمال الدین اسماعیل بن علی بن محمد ثقفی ایک بہت بڑے عالم تھے‘ جو اسی خاندان کے فرد تھے اور ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں شہر ارور کے عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ چچ نامہ عربی زبان میں ان ہی کے بزرگوں میں سے کسی اہل علم کی تصنیف تھی‘ جس کو بعد میں ابن علی کوفی نے فارسی زبان میں منتقل کیا❶۔

اس خاندان کے ہر بزرگ کو صدر الامام الاجل‘ بدر الملۃ والدین‘ صدر السنہ ونجم الشریعہ کے پر اعزاز القاب سے ملقب کیا گیا❷۔

۳۴۔ مولائے اسلام دیبلی

محمد بن قاسم ۹۳ھ میں ساحل سندھ پر اترے اور ان سے ملتے ہی سندھ کے جو لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے‘ ان میں ایک شخص مولائے اسلام تھا جن کو تاریخ میں ”مولائے اسلامی“ ”مولائے دیبلی“ اور ”مولائے اسلام دیبلی“❸ کے مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ نہایت فہیم وفریس تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ پہلے سے پڑھے لکھے تھے اور راجا داہر کے سرکاری حلقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلامی تعلیم بھی انھوں نے جلد حاصل کر لی تھی‘ جس کی وجہ سے محمد بن قاسم کے نزدیک قابل اعتماد سمجھے جانے لگے۔ عربی زبان پر بھی تھوڑے عرصے میں عبور حاصل کر لیا تھا۔ چچ نامہ کی روایت کے مطابق جب محمد بن قاسم نے وادیٔ سندھ میں قدم رکھا اور حالات کا جائزہ لیا تو اپنے ایک شامی مشیر کو قاصد کی حیثیت سے داہر کے پاس بھیجا اور بطور ترجمان مولائے اسلامی کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ داہر کے دربار میں پہنچے تو

❶ تاریخ سندھ۔ از سید ابو ظفر ندوی ص ۳۵۶

❷ نزہۃ الخواطر ج اول ص ۴۳

❸ دیبل‘ اسی جگہ آباد تھا جہاں آج کل ٹھٹھہ ہے۔ (تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) ج ۲ ص ۴۹۸۔

مروجہ درباری آداب بجالائے اور راجا کو سر جھکا کر سلام کیے بغیر بیٹھ گئے۔

داہر مولائے اسلامی کو جانتا تھا' لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اس نے سلام و کورنش کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا:

چرا بر قرار قانون خدمت را اقامت نمودی' مگر ترا منع وزجر کردہ اند؟

تم نے درباری آداب وقواعد کی شرط پوری کیوں نہیں کی؟ شاید تمھیں اس سے روک دیا گیا ہے؟

مولائی جواب گفت: من آں وقت در کیش شما بودم' واجب بودی بر من تا شرط عبودیت بجا آوردم۔ واکنوں بعز اسلام شرف گشتہ ام وتعلق ما بہ پادشاہِ اسلام شد' شرط نباشد کہ پیش کافر سر فرود آرم۔

مولائے اسلامی نے جواب دیا: جب میں آپ کے مذہب میں داخل تھا' اس وقت درباری نوعیت کی بندگی و نیاز مندی کے قواعد پر عمل کرنا میرے لیے ضروری تھا' لیکن اب کہ میں شرف اسلام سے مشرف ہو گیا ہوں اور میرا تعلق بادشاہِ اسلام سے قائم ہو چکا ہے' مجھ پر کافر کے آگے سر جھکانا واجب نہیں رہا۔

داہر' ان سے اس اندازِ گفتگو کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ اس نے نہایت خفگی کے عالم میں مولائے اسلامی سے کہا۔

اگر تو رسول نہ بودی ترا سیاست فرمودم تا ترا بعقوبت بکشندی۔

اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے اس قدر سزا دیتا کہ تو موت کے گھاٹ اتر جاتا۔

مولائے اسلامی نے جواب دیا۔

اگر اتفاق تو بر کشتن ماست' عرب را زیانی نباشد بجہت باز طلب خون ما انصاف ستانان ہستند بمطالبت تو کفاف باشند ❶۔

اگر تو مجھے قتل بھی کرا دے تو اس سے عربوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میرے خون کا انتقام لینے والے موجود ہیں جن کا ہاتھ تیرے دامن تک ہر حال میں پہنچ کر رہے گا۔

ی

۳۵۔ یزید بن ابو کبشہ سکسکی

یزید بن ابو کبشہ بن یسار۔ یزید کے والد ابو کبشہ کا نام جبریل تھا۔ یہ تابعی تھے۔ ان کو ولید بن عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد بصرہ کے والی مقرر کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنے باپ ابو کبشہ اور

❶ چچ نامہ۔ ص ۱۳۶' ۱۳۷۔

مروان بن حکم سے بھی روایت کی اور حضرت شرحبیل بن اوس' ابوالدرداء اور بعض دیگر صحابہ سے بھی شرف روایت حاصل کیا۔ خود ان سے ابوبشر' حکم بن عتبہ' علی بن اقمر' معاویہ بن قرہ اور ابراہیم بن عبدالرحمن سکسکی روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کان عریف السکاسك کہ یہ سکسکیوں کے امیر اور سرکردہ آدمی تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ سفر میں روزہ رکھنے کے قائل تھے۔ فکان یزید بن ابی کبشہ یصوم فی السفر۔ حجاج کے زمانے میں امیر جنگ کے عہدے پر فائز رہے۔ ان کی روایت سے احادیث بھی مروی ہیں' جن میں ایک مستدرک حاکم میں بطریق ابی بشر روایت کی گئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

سمعت یزید بن ابی کبشه یخطب بالشام' یقول' سمعت رجلا من اصحاب رسولﷺ' یحدث عبدالملك بن مروان' ان رسول الله صلی الله علیه وسلم' قال اذا شرب الخمر فاجلدوه۔

یعنی ابوالبشر کہتے ہیں' میں نے شام میں یزید بن ابوکبشہ سے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ سنے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ایک صحابی سے سنا ہے ❶۔ وہ عبدالملک بن مروان کو بتا رہے تھے کہ کوئی شراب نوشی کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔

ایک روایت یزید بن ابی کبشہ عن ابی الدرداء امام محمد بن حسن کی کتاب الآثار میں بھی درج ہے۔ انھوں نے سندھ میں آنے کے اٹھارہ دن بعد ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں وفات پائی ❷۔

۳۶۔ یزید بن مفرغ حمیری

ابوعثمان یزید بن زیاد بن ربیعہ بن مفرغ حمیری تابعی تھے اور شاعر تھے۔ انھوں نے عبیداللہ بن زیاد اور ان کے بیٹوں کی ہجو کی تھی' جس کے نتیجے میں ان کو علاقہ بدر کر دیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ قید میں بھی رہے۔ صابر و قانع تھے۔ جس زمانے میں عباد بن زیاد نے ارض ہند اور قندھار میں جنگ لڑی' یہ ایک فوجی کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھے ❸۔

❶ امام حاکم ابوعلی نیشاپوری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ صحابی شرحبیل بن اوس ہیں۔

❷ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ العقد الثمین۔ ص ۲۲۸ تا ۲۳۰۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۴۳۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۵۵۔ تاریخ ابن خلدون ج ۳۔ ص ۷۱۔ کتاب المعارف۔ ص ۱۵۷' ۱۵۸۔

❸ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۴۴۔ فتوح البلدان ص ۴۲۲۔ العقد الثمین ص ۱۳۷' ۱۳۸۔

دوسری صدی ہجری

الف

۱۔ ابوعیینہ بن مہلب ازدی

ابوعیینہ بن مہلب ازدی تبع تابعی تھے۔ اعمش سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے محمد بن عیینہ نے روایت کی جو شاعر بھی تھے۔ علاوہ ازیں عباس عنبری بھی ان سے راوی ہیں۔ یہ سندھ میں اقامت گزیں تھے۔ یہ تیرہ آدمی تھے جو قندابیل سے قید کر کے یزید بن عبدالملک کے سامنے پیش کیے گئے اور اس کے حکم سے ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ یہ تمام لوگ مہلب کی اولاد میں سے تھے ❶۔

۲۔ اسرائیل بن موسیٰ بصری

اسرائیل بن موسیٰ بصری کو ان کی کنیت سے بھی پکارا جاتا ہے جو ابوموسیٰ ہے۔ یہ تبع تابعین کی خوش بخت جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ دراصل بصرہ کے باشندے تھے، مگر ہند میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت حسن بصری، ابوحازم اشجعی، محمد بن سیرین اور وہب بن منبہ ایسے اکابر تابعین سے روایت حدیث کی جنھوں نے براہ راست صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ خود اسرائیل بن موسیٰ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں بعض عظیم القدر حضرات شامل ہیں، جن میں مشہور محدث سفیان ثوری، ابن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان اور حسین بن علی جعفی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دیارِ ہند میں بضمنِ سفر تجارت آمد ورفت رکھتے تھے۔ کان یسافر الی الھند۔

صحیح بخاری میں ان کے سلسلہ روایت سے ایک حدیث مروی ہے جو چار مقامات پر درج ہے۔ ولہ

---

❶ العقد الثمین ص ۲۴۶۔ لسان المیزان ج ۵ ص ۷۷، ۳۲۷۔ وفیات الاعیان ج ۳ ص ۴۲۱۔ الاکمال ج ۶ ص ۱۲۵۔ فتوح البلدان ص ۴۵۴

فی صحیح البخاری فرد حدیث مکرر فی اربعة مواضع۔

ابو حاتم اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین ان کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسرائیل صاحب الحسن ثقة۔

یعنی امام حسن بصری کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ ثقہ راوی ہیں۔

ابو حاتم نے ان سے متعلق لا بأس به کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اسی طرح امام نسائی کا فرمان ہے۔ لیس به باس۔

لیکن امام ازدی کا نقطہ نظر ان کے بارے میں ان محدثین سے مختلف ہے۔ وہ ان کو "لین" یعنی روایت میں کمزور قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ وہ اسرائیل بن موسیٰ نہیں ہیں جنھوں نے وہب بن منبہ سے روایت کی اور جو امام سفیان ثوری کے استاد ہیں بلکہ وہ ایک یمانی شیخ تھے۔

سمعانی الانساب میں ان کے انتساب الی الہند سے متعلق رقم طراز ہیں:

ابو موسی اسرائیل بن موسٰی الهندی بصری کان ینزل الهند فنسب الیها۔

یعنی ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ ہندی دراصل بصرہ کے باشندے تھے چونکہ سفر تجارت کے سلسلے میں ان کا ہندوستان آنا جانا تھا لہٰذا ہندی کہلائے۔ یہ محدثین کے طبقہ سادسہ سے تعلق رکھتے تھے ❶۔

بہرحال صورت واقعہ خواہ کچھ بھی ہو' حقیقتاً یہ بصری ہوں یا ہندی' خطۂ ہند سے ان کا گہرا تعلق تھا اور سکونت کے اعتبار سے "ہندی" مشہور تھے اور پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ اتنے بڑے محدث وفقیہ اس قطعہ ارض سے کسی نہ کسی صورت میں منسلک تھے۔

۳۔ اسماعیل بن ابراہیم قیقانی

اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم قیقانی بصری۔ یہ درحقیقت قلات کے رہنے والے تھے۔ کوفہ کے قبیلہ اسد خزیمہ کے ایک شخص عبدالرحمٰن بن قطبہ اسدی کے مولیٰ تھے۔ قلات کا علاقہ پہلی مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حارث بن مرہ عبدی کے زیر کمان فتح ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اسماعیل بن ابراہیم وہاں کے قیدیوں کے ساتھ عراق پہنچے اور پھر وہیں رہائش اختیار کر لی۔ ان کی کنیت ابو بشر تھی۔ علم حدیث میں ثقہ' ثبت اور حجت

❶ الانساب سمعانی ورق ۵۹۳ زیر لفظ الہندی۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۔

تھے۔ اپنی قابلیت اور علمی فوقیت کی بنا پر بصرہ کے محکمہ صدقات کے مہتمم مقرر ہوئے۔ ہارون الرشید کے عہد آخر میں بغداد منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں انھوں نے اور ان کے بیٹے ابراہیم نے رہائش کے لیے ایک مکان بھی خریدا۔ سہ شنبہ کے روز ۱۲۔ ذی العقدہ ۱۹۳ھ (۲۷ اگست ۸۰۹ء) کو بغداد میں فوت ہوئے اور دوسرے روز چہار شنبہ کو عبداللہ بن مبارک کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے دن مشہور محدث وکیع بن جراح بھی بغداد میں موجود تھے۔ نماز جنازہ ان کے بیٹے ابراہیم بن اسماعیل نے پڑھائی ❶۔

ج

۴۔ جنید بن عمرو عدوانی مکی

جنید بن عمرو عدوانی مکی مقری، آل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تبع تابعین میں سے تھے اور ان کو اہلِ مکہ کے قاری ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ انھوں نے مجاہد سے پڑھا۔ مکہ مکرمہ میں ان سے اور عبداللہ بن کثیر سے بڑھ کر کوئی قاری نہ تھا۔ فتح سندھ کے زمانے میں محمد بن قاسم ساوندری کے مقام پر پہنچے تو ہراور میں قیام کیا۔ وہاں سے فوج کے ایک دستے کو جنید بن عمرو کی سرکردگی میں بھرگ (یا بہرائچ) روانہ کیا ❷۔

ح

۵۔ حکم بن عوانہ بن عیاض کلبی

حکم بن عوانہ بن عیاض بن وزر بن عبدالحارث، تابعی تھے اور بنو کلب بن وبرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دو مرتبہ سرزمین ہند میں علم جہاد بلند کیا۔ ایک مرتبہ محمد بن قاسم کی معیت میں شریک جہاد ہوئے اور کئی شہروں کو فتح کر کے ان پر اسلامی پرچم لہرایا۔ دوسری مرتبہ تمیم بن زید قیسی کے بعد ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں والی سندھ بن کر آئے۔ اس مرتبہ بھی کفار ہند کے ساتھ معرکہ آرا ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔ ورودِ سندھ سے قبل یہ ہشام کی طرف سے خراسان کے والی بھی مقرر رہے تھے۔ سندھ ہی میں ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) کو قتل کیے گئے ❸۔

---

❶ العقد الثمین ص ۲۹۵

❷ العقد الثمین ص ۲۱۳

❸ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: العقد الثمین ص ۱۹۹ تا ۲۰۱۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۴۵۹۔ تاریخ ابن خلدون ... ص ۸۶۔ فتوح البلدان ص ۴۳۰۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۳۶۸۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۲۴۔

٦۔ ربیع بن صبیح سعدی بصری

ان کی کنیت ابوبکر اور ایک روایت کے مطابق ابوحفص تھی۔ باشندگان بصرہ میں سے تھے' اس لیے بصری مشہور ہوئے اور بنوسعد بن زید مناۃ بن تمیم کے مولیٰ تھے' اس لیے سعدی کہلائے۔ جلیل القدر تابعی تھے۔ حضرت حسن بصری' حمید الطّویل یزید رقاشی' ابوالزبیر ثابت بنانی اور مجاہد بن جبیر وغیرہ عظیم المرتبت حضرات کے شاگرد تھے۔ خود ان کے شاگردوں میں سفیان ثوری' عبداللہ بن مبارک' وکیع' عاصم بن علی اور ابن مہدی ایسے اعاظم رجال کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے محدثانہ نقطۂ نظر سے ان کے بارے میں مختلف محدثین کی آرا تفصیل سے بیان کی ہیں' جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔ بصرہ کے بہت بڑے عالم' عابد وزاہد اور قائم اللیل تھے۔ یہ وہ تابعی ہیں جنھوں نے باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا اور مجاہدین عرب کے ساتھ سرزمین ہند میں داخل ہوئے۔ محمد بن المثنیٰ وغیرہ کے بقول ١٦٠ھ (٧٧٧ء) میں علاقہ سندھ میں وفات پائی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق جہاد کی غرض سے بحری راستے سے عازم سندھ ہوئے۔ سمندر ہی میں وفات پائی اور جزائر ہند کے ایک جزیرے میں دفن کیے گئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بصرہ میں کوئی کتاب تصنیف کی۔ اول من صنف بالبصرۃ ❶۔

ان کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ١٥٩ھ (٧٧٦ء) میں عرب تاجروں کو اہل گجرات سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ ان کے ازالے کے لیے عباسی خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کے زیر کمان ایک بحری بیڑا روانہ کیا' جو ١٦٠ھ (٧٧٧ء) میں بھاڑ بھوت پہنچا' جو بھڑوچ سے سات میل کے فاصلے پر بجانب مغرب ایک کچی بندرگاہ تھی اور جہاں جہاز سمندر کے مدوجزر کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ زمین پر قدم رکھتے ہی اسلامی فوج نے حملہ کر دیا۔ ان فوجیوں میں بہت سے رضا کار بھی تھے' جن کے سالار ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری تھے' جن کی ایک کنیت ابوحفص تھی۔ ان کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ انھوں نے اسلامی فوج کے سامنے جہاد کے موضوع پر زبردست تقریر کی اور اسے جہاد کے لیے جوش دلایا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب مسلمانوں نے حملہ کر دیا اور مخالفین اسلام اسلامی فوج کے پرجوش حملوں کو روک نہ سکے۔

حملے کی تاب نہ لا کر باشندگانِ گجرات شہر میں چلے گئے اور پھاٹک بند کر لیا۔ اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول پکڑا تو لوگ تنگ آ گئے۔ آخر ایک دن عرب فوج شہر میں داخل ہو گئی اور شہر فتح کر لیا گیا۔ لوگ بھاگ کر بدھوں کے ایک عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ عربوں کو اس عبادت خانے پر قلعے کا شبہ گزرا اور انھوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا اور جلد فتح کرنے کے لیے آتش گیر مادہ پھینکا' جس سے عبادت خانے میں آگ بھڑک اٹھی۔ کچھ لوگ جل کر مر گئے' باقی گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلے جو تہ تیغ کر

❶ تہذیب التہذیب ج ٣ ص ٢٤٨

دیے گئے۔ اس جنگ میں انتیس عرب مسلمان بھی شہید ہو گئے۔ اتفاق سے یہ وہ دن تھے جب وہاں ایک میلہ لگتا تھا، جس میں قرب و جوار سے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے، چونکہ میلے میں شامل ہونے والوں کا بہت بڑا ازدحام تھا اور ساتھ ہی آتش گیر مادے کا اثر فضا میں پھیلا ہوا تھا، اس لیے شہر میں وبا پھوٹ پڑی، جس سے ایک ہزار مسلمان سپاہی بھی شہید ہو گئے۔ ان ہی میں ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری بھی تھے [1] جو عظیم تابعی، محدث اور فقیہ تھے اور جن کا تعلق سرزمین سندھ یا ہند سے تھا۔

ع

۷۔ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی

حافظ الحدیث ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد دمشقی تبع تابعی تھے۔ ۸۸ھ (۷۰۷ء) میں پیدا ہوئے اور عطاء بن ابی رباح، قاسم بن مخیمرہ، شداد بن ابی عمار، ربیعہ بن زید، زہری، محمد بن ابراہیم تیمی، یحییٰ بن ابی کثیر اور بہت سے محدثین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ امام محمد بن سیرین کی خدمت میں گئے تو وہ بستر مرض پر دراز تھے۔ ایک قول کے مطابق ان سے سماع حدیث کیا۔ خود امام اوزاعی سے ائمہ حدیث میں سے عبداللہ بن مبارک، شعبہ، ولید بن مسلم، ہقل بن زیاد، یحییٰ بن حمزہ، یحییٰ قطان، ابوعاصم، ابوالمغیرہ، محمد بن یوسف فریابی اور خلق کثیر نے روایت و سماعت کی۔ آخر عمر میں بیروت چلے گئے تھے، پھر وہیں فوت ہوئے۔ ان کو "امام الہند والشام" کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ اسیران سندھ میں سے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی کی وضاحت کے مطابق کان من سبی السند۔

ان کے حالات و واقعات تاریخ و رجال کی تمام کتابوں میں تفصیل سے مرقوم ہیں۔ ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ انھوں نے آمدنی کا ذریعہ کتابت و ترسل ٹھہرا لیا تھا اور اس میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ بعلبک میں پیدا ہوئے۔ والد وفات پا گئے تھے۔ ماں کی گود میں یتیمی کے عالم میں پرورش پائی، لیکن اس درجہ بلند مرتبے پر پہنچے کہ ملوک و سلاطین، علم و ادب کے لیے اپنے بچوں کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ ضرورت سے زائد بات زبان سے نہ نکالتے۔ بہت بڑے مجتہد، عالم حدیث اور فقیہ تھے۔ ان کے ہم عصر بعض ائمہ نے ان کو اپنے دور کے "عالم الامت" قرار دیا ہے۔ حکم کہتے ہیں، اوزاعی اپنے عصر کے عموماً اور اہل شام کے خصوصاً امام تھے۔ ابواسحاق خزاری کہتے ہیں کہ امام اوزاعی فرمایا کرتے تھے، صحابہ و تابعین پانچ چیزوں کے پابند تھے اور وہ یہ ہیں۔ التزام جماعت، اتباع سنت، آبادئ مساجد، تلاوت قرآن مجید اور جہاد فی سبیل اللہ۔ ان کے حالات نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں، جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اس عظیم محدث و فقیہ کا تعلق برصغیر پاک و ہند کے علاقہ سندھ سے بھی تھا [2]۔ انھوں نے بہتر سال کی عمر پا کر ۲ صفر ۱۵۷ھ (۲۱ دسمبر ۷۷۳ء) کو وفات پائی۔

---

[1] تاریخ الکامل، ابن اثیر۔ ج ۵، ص ۵۵۔ مطبوعہ المنیریہ، مصر (۱۳۵۷ھ)

[2] تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۷۲

۸۔ عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیبلی

عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیبلی سندھی بصری، تبع تابعین میں سے تھے۔ یعنی انھوں نے ان ائمہ حدیث سے فیض علم حاصل کیا، جن کو براہ راست رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے ان کے آباواجداد میں سے کوئی بزرگ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے جو قبیلہ بنو ثقیف ہی کے فرد تھے۔ پھر وہ سندھ کے شہر دیبل میں رہائش پذیر ہو گئے۔ عبدالرحیم کی ولادت وہیں ہوئی۔ ان کے علم وفضل کی وسعتوں سے جب سندھ کی سرزمین تنگ دکھائی دینے لگی تو یہ بصرہ چلے گئے اور پھر وہیں رہائش اختیار کر لی۔ انھوں نے اعمش اور عمرو بن عبید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اہلِ عراق نے احادیث سنیں۔ محدثانہ نقطۂ نظر سے ان کے بارے میں مختلف ائمۂ حدیث نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ بیہقی نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عقیلی کا قول ہے کہ یہ اعمش سے مناکیر روایت کرتے ہیں۔ بہرحال برصغیر پاک وہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ سندھ کے ائمۂ حدیث میں سے تھے اور تبع تابعی تھے ❶۔

۹۔ عبداللہ بن محمد علوی

عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ یہ ہاشمی قرشی تھے اور عبداللہ اشتر کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والدِ ماجد کو محمد نفس زکیہ اور جدِ امجد کو عبداللہ المحض کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت سے یہ پہلے شخص ہیں جن کے قدوم میمنت لزوم سے ارض ہند سعادت اندوز ہوئی۔ یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ حدیث وفقہ کی تعلیم اپنے عظیم القدر باپ محمد نفسِ زکیہ سے حاصل کی۔ عباسی خلیفہ منصور کے ایامِ خلافت میں واردِ ہند ہوئے۔ اس زمانے میں منصور کی طرف سے عمر بن حفص عتکی علاقۂ سندھ کے منصبِ ولایت پر متمکن تھا۔

عبداللہ کے ورودِ سندھ کی وجہ یہ ہوئی کہ والیٔ سندھ عمر بن حفص عتکی، حکومتِ منصور کے ان سرکردہ ارکان میں سے تھا، جو ان کے والد محمد بن عبداللہ سے باقاعدہ بیعت تھے اور ان سے ہمدردانہ تعلق رکھتے تھے۔ محمد بن عبداللہ نے خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا تو اپنے اس بیٹے کو بصرہ بھیجا۔ وہ اور ان کے ساتھی بصرہ سے بذریعہ بحری راستہ عمر بن حفص کے پاس سندھ پہنچے۔ عبداللہ بن محمد تو کہیں چھپ گئے لیکن ان کے ساتھی عمر بن حفص سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پاس گھوڑے تھے جو انھوں نے بصرہ سے خریدے تھے۔ عمر کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو گھوڑے لانے کا حکم دیا۔ انھوں نے کہا ہم تمھارے پاس ایک ایسی چیز لے کر آئے ہیں جو ان گھوڑوں

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے: لسان المیزان ج ۴، ص ۴۱۰۔۔۔ تاریخ بغداد ج ۸، ص ۸۱۵، اور العقد الثمین ص ۲۹۲، ۲۹۳۔

سے زیادہ بہتر ہے اور جس میں تیرے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ ہم تم سے امان کے طالب ہیں یا تو وہ چیز قبول کر لو یا اسے چھپا لو اور ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر تم کہو گے تو ہم تمھارے اس ملک سے چلے جائیں گے۔

عمر بن حفص نے ان کو امان دے دی تو انھوں نے اپنی آمد کا پس منظر بیان کیا اور عبداللہ بن محمد کے متعلق ساری بات سنائی اور کہا کہ ان کے والد محمد نے ان کو تمھارے پاس بھیجا ہے۔ عمر نے اس پر مسرت کا اظہار کیا' ان سب کو خوش آمدید کہا اور عبداللہ کو خفیہ طریقے سے کسی جگہ رکھا۔ خود اس کی بیعت کی اور شہر کے سرکردہ لوگوں اور اپنے اہلِ خانہ کو بیعت کے لیے کہا۔ سب لوگ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے تو عمر بن حفص کی بیوی نے اپنے شوہر کو اطلاع دی کہ عبداللہ کے والد محمد نفس زکیہ کو منصور کے خلاف خروج کے نتیجے میں قتل کر دیا گیا ہے۔ عمر بن حفص کو اس کا بہت افسوس ہوا۔ وہ عبداللہ کے پاس گیا' ان کو والد کے قتل کی خبر پہنچائی اور اظہارِ تعزیت کیا۔

والد کے قتل کی خبر سن کر عبداللہ بہت مغموم ہوئے اور عمر بن حفص سے کہا میرا معاملہ لوگوں پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اب میرا خون تیری گردن پر ہوگا۔

یہ سارا قصہ خاصا طویل ہے۔ مختصر یہ کہ عمر بن حفص نے عبداللہ کو علاقہ سندھ کے ایک ایسے حکمران کے پاس بھیج دیا جو بہتر کردار کا حامل اور دبدبہ و رعب کا مالک تھا۔ وہ عبداللہ سے تکریم کے ساتھ پیش آیا اور ان سے عزت و احترام کا برتاؤ کیا۔ عبداللہ کے حالات کا علم منصور کو ہوا تو اس نے عمر بن حفص کو خط لکھا اور معاملے کی وضاحت طلب کی۔ عمر نے کچھ اس انداز سے جواب دیا کہ اس سے منصور کو تسلی نہ ہوئی اور اس نے ہشام بن عمرو تغلبی کو سندھ کا والی مقرر کر دیا۔ منصور کا مقصد ہشام کی وساطت سے عبداللہ بن محمد کو گرفتار کرنا تھا' مگر ہشام نے ان کو گرفتار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ منصور کے حکم کے مطابق سندھ کے اس سردار سے سلسلہ مکاتبت شروع کر دیا جس نے عمر بن حفص کے کہنے پر عبداللہ کو پناہ دی تھی۔ منصور کو تمام خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک روز ہشام کو سندھ کے ایک علاقے سے حکومت کے خلاف شورش کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ ایک گروہ حکومت کی مخالفت کے لیے میدان میں نکل آیا ہے۔ ہشام نے اس پر قابو پانے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں (جس کا نام بعض مورخین نے سفیح بن عمرو تغلبی اور بعض نے سفنج بن عمرو تغلبی لکھا ہے) فوج کا ایک دستہ روانہ کیا۔ راستے میں دریائے سندھ کے کنارے پر ان لوگوں کا عبداللہ بن محمد اور ان کے ساتھیوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ معاملہ لڑائی تک پہنچا اور عبداللہ اور ان کے ساتھی قتل کر دیے گئے۔ کہتے ہیں عبداللہ کا سر' دھڑ سے جدا کر دیا گیا تھا۔ دھڑ تو دریائے سندھ میں پھینک دیا گیا' مگر سر مقتولین کی لاشوں کے درمیان پڑا رہا' جس سے ان کے قتل کا پتا چلا۔

عبداللہ کے ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔ عبداللہ کو چونکہ عبداللہ اشتر کہا جاتا تھا اس لیے ان کے بیٹے محمد کو

ابن اشتر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہشام نے منصور کو اس سارے واقعہ کی اطلاع دی اور عبداللہ کے بیٹے محمد یعنی ابن اشتر کو منصور کے پاس بغداد بھیج دیا۔ منصور نے ہشام کا شکریہ ادا کیا اور بیٹے کو مدینہ طیبہ کے عامل کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اس کو عبداللہ کے ورثا اور اہلِ خاندان کو دکھا دے اور اس کی صحت نسل کے بارے میں دریافت کرے۔ یہ واقعہ ۱۵۱ (۷۶۱ء) کا ہے ❶۔

یہاں اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل بیت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے عبداللہ بن محمد علوی بہت بڑے فقیہ اور عالم حدیث تھے۔ اس مقدس خاندان کے یہ پہلے بزرگ ہیں جو دیارِ ہند یا سرزمین سندھ میں تشریف لائے اور جن کی وفات بھی اسی خطۂ ارض میں ہوئی۔ اس خاندان کے ایک فرد یعنی محمد کی ولادت بھی اسی ملک میں ہوئی اور یہ خانوادہ اہلِ بیت کے پہلے بچے ہیں جو یہاں پیدا ہوئے۔

۱۰۔ عطیہ بن سعد عوفی

ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کا نام عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی ہے۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد ان کو کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ اس بچے کا نام تجویز فرمایئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ھذا عطیہ اللہ۔ چنانچہ یہ عطیہ کے نام سے موسوم ہوئے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ، ابوسعید اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ یہ بھی محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے اور فتح ملتان کے وقت موجود تھے۔ پھر واپس کوفہ چلے گئے تھے۔ وہیں رہے اور ۱۱۱ھ (۷۲۹ء) میں کوفہ میں ہی وفات پائی ❷۔

۱۱۔ عمرو بن مسلم باہلی

عمرو بن مسلم باہلی عالی مرتبت عالم اور باخبر شخص تھے۔ ۱۰۰ھ (۷۱۹ء) میں خلیفۂ صالح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان کو ہند اور سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ اس بلند فطرت شخص نے نہ کسی پر سختی کی نہ کسی کو پریشان کیا اور نہ حتی الامکان کسی معاملے میں دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دارالخلافہ دمشق سے ہند اور سندھ کے غیر مسلم حکمرانوں، سرداروں اور سرکردہ لوگوں کو خطوط لکھے، جن میں ان کو دعوتِ اسلام دی اور لکھا کہ اگر وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیں تو ان کے مفتوحہ علاقے ان کو واپس کر دیے جائیں گے۔ ان کے وہی حقوق ہوں گے جو عام مسلمانوں کے ہیں

❶ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۵ ص ۳۰، ۳۱ (طبع منیریہ مصر ۱۳۵۷ھ۔ ۱۹۳۸ء)

❷ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۰۴۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۲۳۷۔ العقد الثمین ص ۱۹۲، ۱۹۳۔

اوران سے اسی قسم کا برتاؤ کیا جائے گا جو دوسرے مسلمانوں سے کیا جاتا ہے۔ ہند اور سندھ کے یہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیرت و کردار سے باخبر تھے اور انھیں معلوم تھا کہ وہ تقویٰ و صالحیت کے اعتبار سے بہت اونچے درجے پر فائز ہیں۔ پھر انھیں عمرو بن مسلم باہلی کے حسن اخلاق کا بھی علم تھا اور وہ ان سے متاثر تھے۔ لہٰذا راجا داہر کا فرزند جے سنگھ اور دیگر بہت سے ملوک و سرداران سندھ اس دعوت اسلام سے اثر پذیر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور یزید بن عبدالملک کے دورِ خلافت تک بدستور مسلمان رہے لیکن ان کے بعد ہشام بن عبدالملک کا زمانۂ خلافت آیا تو اسلام ترک کر کے اپنے پہلے مذہب میں آ گئے ❶۔

ف

۱۲۔ فتح بن عبداللہ سندھی

فتح بن عبداللہ کی کنیت ابونصر ہے۔ یہ سندھی تھے اور فقیہ و متکلم تھے۔ آل حسن بن الحکم کے مولیٰ تھے۔ پھر آزاد کر دیے گئے۔ فقہ اور کلام کی تعلیم ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے حاصل کی اور حسن بن سفیان وغیرہ سے روایت حدیث کی۔ سمعانی نے ان کے بارے میں ابوالعلا احمد بن محمد بن فضل کے سلسلۂ روایت کے ذریعے عبداللہ بن حسین سے ایک عجیب و غریب روایت بیان کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابونصر فتح بن عبداللہ کس درجہ حق گو، صاف بیان اور عالم و فاضل تھے۔ وہ روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن حسین کہتے ہیں ایک روز ہم ابونصر سندھی کے ساتھ دھول اور کیچڑ سے اٹی ہوئی زمین پر جا رہے تھے اور ان کے بہت سے مداحین و متاثرین بھی ساتھ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شہزادہ مدہوشی کی حالت میں زمین پر خاک اور کیچڑ میں لت پت پڑا ہے۔ اس نے ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ابونصر نے منہ قریب کر کے اس کو سونگھا۔ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ شہزادے نے ابونصر سے کہا۔ او غلام! میں جس حالت میں پڑا ہوں تم دیکھ رہے ہو، لیکن تم ہو کہ اطمینان سے چلے جا رہے ہو اور اتنے لوگ تمھارے پیچھے جا رہے ہیں۔ ابونصر نے بے باکی سے جواب دیا ''شہزادے! تمھیں معلوم ہے اس فرق مراتب کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ میں نے تمھارے آباواجداد کی پیروی شروع کر دی ہے اور تم میرے آباواجداد کے نقش قدم پر چل پڑے ہو۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

> حدثنی عبداللّٰه ین الحسین قال کنا یوماً مع ابی نصر السندی و فینا کثرة حوالیه و نحن نمشی فی الطین، فاستقبلنا شریف سکران، قد وقع فی الطین، فلما نظر الینا، شمه ابو نصر، وقال نافق یا عبد، انا کماتری، وانت تمشی و خلفك هٰؤلاء۔ فقال له ابو نصر، ایها

❶ ... طرح ۱، ص ۳۹

الشریف! تدری لم هذا؟ لانی متبع اثار جدك و انت متبع اثار جدی ❶۔

ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی دوسری صدی ہجری کے دیارِ سندھ و ہند کے ان خوش بخت حضرات میں سے تھے جنھوں نے تابعین کرام کا زمانہ پایا' ان سے روایت حدیث وفقہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے اور تبع تابعین کی جماعت میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا۔

—— م ——

۱۳۔ محمد بن زید عبدی

محمد بن زید عبدی' تبع تابعین میں سے تھے۔ یہ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ بلادِ سندھ کی فتح کے سلسلے میں ان کی جنگی خدمات بڑی نمایاں تھیں۔ بعض حضرات کے نزدیک ان کا نام محمد بن زید عبدی نہیں بلکہ محمد بن زیاد عبدی ہے ❷۔

۱۴۔ معاویہ بن قرہ مزنی بصری

ابوایاس معاویہ بن قرہ بن ایاس۔ یہ تابعی تھے اور ان کے والد قرہ بن ایاس' رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ معاویہ بن قرہ راوی حدیث تھے۔ انھوں نے اپنے باپ قرہ بن ایاس' معقل بن یسار مزنی' حضرت ابو ایوب انصاری' عبداللہ بن مغفل وغیرہم سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے ایاس' امام زہری' ابراہیم بن محمد' اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ اور حسن بن زید بن حسن بن علی نے روایت کی۔ عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت درج کی ہے۔ امام نسائی نے ''مثلہ'' سے نہی کے متعلق ان سے روایت بیان کی ہے جو یہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی بصرہ مقرر کیا تھا۔ نہایت صادق اور ثقہ تھے۔ عبدالملک بن مروان نے ان کو علاقہ سندھ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیا تھا۔ ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) میں فوت ہوئے ❸۔

---

❶ الانساب سمعانی۔ ورق ۳۱۳۔ معجم البلدان ج ۳' ص ۲۶۷۔

❷ العقد الثمین ص ۲۱۴۔ لسان المیزان ج ۶ ص ۶۹

❸ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۰۳۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۲ و ۲۲۱۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۱۳۹۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۳۔ کتاب المعارف ص ۲۰۵۔ العقد الثمین ص ۱۶۶ تا ۱۶۸

۱۵۔ مکحول بن عبداللہ سندھی شامی

ابوعبداللہ مکحول بن عبداللہ شامی حدیث وفقہ میں امام السند والشام تھے۔ تابعی تھے اور اسیرانِ کابل میں سے تھے۔ قبیلہ قیس کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک روایت کے مطابق سعید بن عاص کے اور ایک کے مطابق بنولیث کے مولیٰ تھے۔ ان کو امام سندھ کہا جاتا ہے۔ دمشق بھی رہے۔ امام اوزاعی کے معلم تھے اور دمشق میں بڑی عزت کے مالک تھے۔ ان کی زبان صاف نہ تھی۔ عربی صحیح نہ بول پاتے تھے' اس میں عجمیت نمایاں تھی۔ ذہبی ان کو ''عالم اہل الشام'' قرار دیتے ہیں اور ان کو فقیہ اور حافظ حدیث بتاتے ہیں۔ اصلاً کابل کے باشندے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اولادِ کسریٰ میں سے تھے۔ ابی بن کعب' عبادہ بن صامت' حضرت عائشہ اور بعض کبار صحابہ سے تدلیس کرتے ہیں۔ ابو امامہ باہلی' واثلہ بن اسقع' انس بن مالک' محمود بن ربیع' عبدالرحمٰن بن غنم' ابوادریس خولانی' ابوسلام ممطور اور خلق کثیر سے روایت کی۔ اور ان سے ایوب بن موسیٰ' علاء بن حارث' زید بن داقد' ثور بن یزید' حجاج بن ارطاۃ' فقیہ شام امام اوزاعی' سعید بن عبدالعزیز اور بہت سے ائمہ حدیث نے اخذِ علم کیا۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے طلب علم کے لیے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ مصر گیا تو وہاں کے تمام علم پر حاوی ہوگیا۔ عازم شام ہوا تو وہاں کے علما و محدثین سے کسب فیض کیا۔ پھر عراق کے لیے رخت سفر باندھا۔ بعد ازاں مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں کے علم سے بہرہ ور ہوا۔ فرماتے ہیں میں نے علم کی جو چیز جہاں دیکھی سینے میں ڈال لی۔ اسی وجہ سے سعید ان کو امام زہری سے زیادہ فقیہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی زبان میں لکنت تھی اور لہجہ اس قسم کا تھا کہ قاف کو کاف بولتے تھے۔

ابومسہر اور جماعہ کا کہنا ہے کہ مکحول ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) میں فوت ہوئے اور ابونعیم اور دحیم کی تحقیق یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۱۲ھ (۷۳۰ء) میں ہوئی۔[1]

—— ن ——

۱۶۔ نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی

نجیح بن عبدالرحمٰن کی کنیت ابومعشر ہے۔ یہ سندھ کے فقیہ اور عالم تھے۔ تبع تابعی تھے۔ انھوں نے بہت سے تابعین سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ ان کا ذکر ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ۔ ۱۱۶۷ء) نے سندھی علما و اکابر کے حالات کے ضمن میں اپنی مشہور تصنیف الانساب میں' امام ذہبی یعنی امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ۔ ۱۳۴۷ء) نے تذکرۃ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر یعنی شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ۔ ۱۴۴۸ء) نے تہذیب التہذیب میں کیا

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: العقد الثمین ص ۲۸۴ و ۲۸۵

ہے۔ حافظ ابن حجر نے تو ان کے بارے میں خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ اصلاً قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پوتے داؤد بن محمد ابو معشر سے یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ داؤد کہتے ہیں ان کے والد محمد نے انھیں بتایا کہ ان کے والد ابو معشر دراصل یمن کے باشندے تھے اور اس وقت قید کیے گئے تھے جب یزید بن مہلب یمامہ اور بحرین پر حملہ آور ہوا تھا۔

ابو معشر مغازی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کے مولی تھے۔ انھوں نے ابو امامہ بن سہل بن حنیف کو دیکھا اور سعید بن مسیب' محمد بن کعب قرظی' ہشام بن موسیٰ بن یسار' ابو بردہ بن ابو موسیٰ' سعید بن ابو سعید المقری' نافع' محمد بن المنکدر' محمد بن قیس اور محدثین کی بہت بڑی جماعت سے روایت حدیث کی۔ خود ان سے ان کے بیٹے محمد بن ابو معشر' سفیان ثوری اور عراق کے اصحاب الحدیث کی ایک بڑی جماعت نے روایت کی۔ ابو زرعہ انھیں ''صدوق'' قرار دیتے ہیں اور امام نسائی "لیس بالقوی" کہتے ہیں۔ ابو نعیم انھیں سندھی بتاتے ہیں۔ بقول سمعانی یہ ام سلمہ کے مولی تھے جو اہل مدینہ سے تعلق رکھتی تھیں' اسی بنا پر مدنی کہلائے۔ امام نسائی نے سنن نسائی میں ان سے روایات درج کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل انھیں مغازی کے ماہر قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کان بصیرا بالمغازی۔ آخر عمر میں حافظہ مختل ہو گیا تھا' تاہم حدیث و فقہ کی یادداشت بڑی تیز تھی اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ کان من اوعیة العلم علی نقص فی حفظه۔ زبان میں ہکلاہٹ تھی اور ''کعب'' کو ''قعب'' کہتے تھے۔

ان کا رنگ سرخ' آنکھیں نیل گوں اور جسم بھاری بھرکم تھا۔ عباسی خلیفہ مہدی ۱۶۰ھ (۷۷۷ء) میں انھیں اپنے ساتھ عراق لے گیا اور ایک ہزار دینار عطا کیے۔ وہ ان سے بہت تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس نے ان سے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینے کی درخواست کی۔ رمضان ۱۷۰ھ (مارچ ۷۸۷ء) میں فوت ہوئے۔ اسی سال خلیفہ ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ ان کی علمی اہمیت اور خلفا کے نزدیک ان کی عزت و احترام کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی موت پر حزن و ملال کا اظہار کیا۔ بغداد کے مقبرۃ الکبیرہ میں دفن کیے گئے [1]۔

ی

۱۷۔ یزید بن عبداللہ قرشی بیسری سندھی

یزید بن عبداللہ قرشی بیسری' [2] تبع تابعین میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابو خالد ہے لہٰذا انھیں ابو خالد

[1] الانساب۔ سمعانی ورق ۳۱۳ بذیل لفظ سندی۔ تذکرۃ الحفاظ' امام ذہبی ج ۱ ص ۲۳۴۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۱۰ ص ۴۱۹ تا ۴۲۲۔ معجم البلدان ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی ج ۳' ص ۲۶۷

[2] بیسر کی جمع بیاسر ہے۔ ابتدائی دور میں جو مسلمان سرزمین ہند میں مقیم ہوئے' انھیں بیاسرہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ (مروج الذہب' مسعودی۔ ج ۳' ص ۳۱۴)

بیسری بھی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے سفیان ثوری' ابن جریج اور عمر بن محمد عمری سے احادیث روایت کیں۔ ان سے علی بن ابی ہاشم طبراخ' محمد بن ابوبکر مقدمی' ابوداؤد طیالسی اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت حدیث کی۔ ایک حدیث کی سند میں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے ہیں' یزید بن عبداللہ بیسری راوی ہیں:

عن علی قال' قال لی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبرز فخذك ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ران ظاہر نہ کرو اور نہ کسی زندہ اور مردہ شخص کی ران کی طرف دیکھو۔

پھر اس حدیث کی سند میں بھی یہ راوی ہیں جو حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ صحابی سے مروی ہے:

عن ابی جحیفة رضی اللہ عنہ قال' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جالسوا العلماء وسائلوا الکبراء وخالطوا الحکماء۔

یعنی حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علما کی مجلس میں بیٹھا کرو' بڑوں سے سوال پوچھا کرو اور دانش مندوں سے ملا جلا کرو۔

ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اصلاً سندھی تھے۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات فقال اصلہ من السند۔

ان کے ایک راوی محمد بن ابوبکر مقدمی ہیں' جو "مستقیم الحدیث" ہیں[1]۔

---

[1] لسان المیزان۔ ج ۶' ۲۹۰۔ کتاب الجرح والتعدیل۔ ج ۴۔ ق ۲۔ ص ۲۷۱۔ العقد الثمین۔ ص ۲۹۶' ۲۹۷۔

تیسری صدی ہجری

الف

۱۔ ابوعلی سندھی

شیخ الکبیر ابوعلی سندھی تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سندھ کے اہل حقیقت اور اصحاب وجد حضرات میں سے تھے' اور تصوف و معرفت میں اس درجہ بلند پایہ تھے کہ مشہور بزرگ اور اہل اللہ حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی فرماتے ہیں' میں ان کے وظائف سے فرصت کے اوقات میں ان کو بعض چیزوں کی تلقین کرتا تھا اور وہ مجھے توحید و حقیقت کی تعلیم دیتے تھے۔

ان کے بارے میں حضرت بسطامی ایک عجیب و غریب حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں' ایک مرتبہ میرے پاس ابوعلی سندھی تشریف لائے' ان کے پاس ایک تھیلا تھا جو انھوں نے میرے آگے انڈیل دیا۔ میں نے دیکھا کہ مختلف اقسام والوان کے جواہر میرے سامنے پڑے ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا' یہ آپ کو کہاں سے دست یاب ہوئے؟ فرمایا میں ایک وادی میں سے گزر رہا تھا کہ یہ شمع کی طرح چمک رہے تھے۔ میں نے ان میں سے اتنے بھرا اٹھا لیے۔

میں نے سوال کیا: وادی میں سے گزرتے وقت آپ پر کیا کیفیت طاری تھی اور آپ کس حالت میں تھے؟

کہا: پہلی کیفیت سے فرصت میں تھا' یعنی وظائف و اوراد سے فارغ ہو چکا تھا۔

اس میں معنی یہ پنہاں ہے کہ اوقاتِ فرصت و فترت میں کچھ مخفی عناصر اور غیبی طاقتوں نے ان کو جواہر میں مشغول کر دیا تھا۔

ابو یزید بسطامی کہتے ہیں مجھے ابوعلی سندھی نے کہا میں ایسے حال میں تھا کہ جو مجھ سے وابستہ کر دیا گیا تھا' پھر اس حال میں آ گیا جو اس سے مختلف تھا۔ یعنی انسان اپنے اعمال کو سامنے لاتا ہے اور اپنی طرف سے ان میں اضافہ کرتا ہے۔ پھر جب اس کے قلب پر انوارِ معرفت کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے تو وہ یہ دیکھتا اور محسوس کرتا

ہے کہ تمام اشیائے کائنات اللہ کی طرف سے ہیں' اللہ کے حکم سے قائم ہیں' اللہ کے لیے معلوم ہیں' اللہ کی طرف لوٹائی جا رہی ہیں ❶۔

ابوعلی سندھی نہ صرف خطۂ سندھ کے بلکہ دنیا کے اکابر صوفیا اور عظیم المرتبت علمائے کرام میں سے تھے۔

اس دور کی یہ خصوصیت تھی کہ کوئی کم پڑھا لکھا آدمی تصوف و طریقت اور وجد و حقیقت کی وادی میں گام فرسا ہونے کی جرات نہیں کرتا تھا' کیونکہ تصوف کا تعلق علم سے ہے۔ جس شخص میں علم کی فراوانی نہیں ہوگی' اس پر تصوف کی حقیقی راہیں کھل نہیں سکتیں اور وہ غلط راستوں پر چل پڑتا ہے۔

خ

۲۔ خلف بن سالم

ابومحمد خلف بن سالم مشہور حافظ حدیث تھے۔ سندھ کے رہنے والے تھے۔ غلاموں کے سلسلے میں آل مہلب ان کو سندھ سے عراق لائے اور یہ کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ وہیں تعلیم حدیث پائی اور اس میں درجہ کمال کو پہنچے۔ پھر کوفہ سے بغداد تشریف لے گئے اور وہاں کے محلّہ مخرم میں مستقل طور سے رہائش اختیار کر لی۔ ان کے اساتذۂ حدیث میں یحییٰ بن سعید قطان' ابوبکر بن عیاش' ہیثم بن بشیر' عبدالرحمٰن بن مہدی' اسماعیل بن علیہ' حسن بن عیسیٰ اور ابونعیم کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور تلامذہ کی فہرست میں ابوالقاسم بغوی' حاتم بن لیث' یعقوب بن شیبہ اور احمد بن ابی خیثمہ جیسے اصحاب کمال نظر آتے ہیں۔

ان کی عظمت فی الحدیث کا اندازہ اس سے لگایئے کہ امام نسائی نے ان کی روایت اپنی کتاب سنن نسائی میں درج کی ہے۔ اس عظیم محدث نے ۲۲ رمضان المبارک ۲۳۱ھ (۲۲ مئی ۸۴۶ء) کو ۶۹ سال کی عمر پا کر بغداد میں وفات پائی ❷۔

س

۳۔ سندھ کا ایک گم نام عالم و مفسر

قبیلۂ قریش کی ایک شاخ بنو اسد کے نام سے معروف تھی۔ اس شاخ کے ایک شخص کا نام ہبار بن اسود تھا جو ۸ھ میں مسلمان ہوا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس خاندان کا ایک شخص جس کا نام منذر بن زبیر تھا والی

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج ۱ ص ۵۰۔ بحوالہ کتاب اللمع۔ ابونصر عبداللہ بن علی السراج طوسی۔

❷ تاریخ بغداد۔ (خطیب بغدادی) ج ۸۔ ص ۳۲۸ تا ۳۳۰)

سندھ حکم بن عوانہ (متوفی ۱۲۱ھ۔۷۳۹ء) کے ساتھ سندھ پہنچا اور یہیں سکونت پذیر ہو گیا۔ بنو امیہ اور عباسیہ دونوں سلطنتوں کے زمانے میں اس خاندان کو سندھ کی حکومت میں کچھ نہ کچھ عمل دخل رہا۔ پھر ۲۴۰ھ (۸۵۴ء) میں سندھ کی حکومت اسی خاندان میں منتقل ہو گئی اور اس کا والی اول منذر بن زبیر کا پوتا عمر بن عبدالعزیز مقرر ہوا۔ یہ خاندان عباسی خاندان کے ماتحت رہا۔ اس خاندان کے تمام والیانِ سندھ متقی، ہمدرد خلائق اور حدیث و فقہ کے عالم تھے۔ ان کے زمانے کا ایک واقعہ عجائب الہند میں مذکور ہے جو لائق تذکرہ ہے۔

ابو محمد حسن بن عمرو بن حمویہ بن حرام بن حمویہ نجیدی کہتے ہیں کہ میں ۲۸۸ھ (۹۰۱ء) میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ میں مقیم تھا کہ وہاں کے بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ ۲۷۰ھ (۸۸۴ء) میں سندھ کا والی عبداللہ بن عمر ہباری مقرر ہوا۔ اس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ ۲۷۰ھ (۸۸۴ء) ہی میں سندھ کے ایک شہر ارور کے ہندو راجا نے جس کا نام عربوں کے نزدیک مہروک بن رائک تھا، منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ہباری سے درخواست کی کہ اس کو سندھی (اور بعض کے نزدیک ہندی) زبان میں مذہب اسلام کی بنیادی تعلیم سے متعلق معلومات قلم بند کر کے بھیجی جائیں۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے ایک شخص کو بلایا جو اصلاً عراق کا باشندہ تھا، مگر اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت منصورہ میں ہوئی تھی۔ وہ نہایت ذہین اور سمجھ دار آدمی تھا اور اس ملک کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ عبداللہ نے اس کے سامنے راجا کی خواہش بیان کی، چنانچہ اس عالم نے ایک قصیدہ تیار کیا اور راجا مذکور کی خواہش کے مطابق اس میں تمام اسلامی تعلیمات بیان کیں۔ عبداللہ نے یہ قصیدہ راجا مہروک بن رائک کے پاس بھیج دیا۔ راجا نے یہ قصیدہ سنا تو بہت خوش ہوا اور عبداللہ سے اس شاعر اور عالم کو اپنے دربار میں بھیجنے کی درخواست کی۔ عبداللہ نے اس کو بھیج دیا۔ وہ تین سال وہاں مقیم رہا اور اس اثنا میں راجا اس سے بہت خوش رہا۔

۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں وہ عالم والی سندھ عبداللہ سے ملا۔ عبداللہ نے اس سے راجا کے متعلق کچھ سوال کیے تو اس نے بتایا کہ جس وقت میں وہاں سے چلا ہوں اس وقت وہ صدق دل سے اسلام قبول کر چکا تھا، لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس عالم نے راجا سے متعلق بہت سے واقعات بیان کیے، جن میں ایک واقعہ یہ بیان کیا کہ راجا نے اس سے سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی۔ وہ روزانہ چند آیات کی تفسیر کر کے اس کو سناتا جاتا تھا۔ جب وہ سورۂ یٰسٓ کی اس آیت پر پہنچا، مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ❶۔ اور اس کا ترجمہ سنایا اور تفسیر بیان کی تو راجا اس وقت جواہرات سے مرصع سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: ایک دفعہ پھر اس کی تفسیر بیان کرو۔ چنانچہ دوبارہ تفسیر بیان کی گئی تو وہ فوراً تخت سے نیچے اترا اور چند قدم چلا، پھر پیشانی زمین پر رکھ دی حالانکہ زمین پر پانی چھڑکا ہوا تھا اور وہ بہت تر ہو چکی تھی۔ راجا اس قدر رویا کہ اس کے رخساروں پر مٹی جم گئی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا ”بے شک یہی رب ہے جو ازلی اور

❶ یہ سورۂ یٰسٓ کی آیت نمبر ۷۸ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔ (وہ یعنی منکر اسلام کہتا ہے کہ) گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

ابدی ہے۔'' اس کے بعد اس نے ایک مکان تیار کرایا جہاں وہ تنہائی میں روزانہ خدا کی عبادت کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا تھا' مگر لوگوں پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ تنہائی میں سلطنت کے اہم معاملات پر غور کیا کرتا ہے ❶۔

سندھ کا یہ ایک گم نام عالم اور مفسر تھا' اور جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے غیر عربی زبانوں میں سندھی وہ پہلی زبان ہے جسے قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر کرنے اور اسلامی تعلیمات کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا فخر حاصل ہوا ہے۔

ش

۴۔ شعیب بن محمد دیبلی

ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب بن بزیع بن سوار دیبلی۔ یہ ابن ابی قطعان دیبلی کے نام سے معروف تھے۔ طلب علم کی غرض سے دیبل سے مصر گئے اور وہاں تعلیم حدیث سے بہرہ ور ہوئے۔ شیخ ابوسعید بن یونس نے ان سے احادیث قلم بند کیں ❷۔

ع

۵۔ عبداللہ بن جعفر منصوری

ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ منصوری مقری' سیاہ رنگ تھے۔ حسن بن مکرم اور ان کے اقران سے سماع حدیث کی اور خود ان سے امام حاکم اور ہاشمیوں کی ایک جماعت نے روایت حدیث کی۔ سندھ کے شہر منصورہ میں قیام پذیر تھے ❸۔

معلوم ہوتا ہے یہ سندھ کے تیسری صدی ہجری کے اصحاب الحدیث میں سے تھے۔

م

۶۔ محمد بن ابوالشوارب

امام محمد بن ابوالشوارب منصورہ کے قاضی تھے اور ان اصحاب حدیث و اربابِ فقہ میں سے تھے جو

---

❶ عجائب الہند۔ بزرگ بن شہریار (مع فرانسیسی ترجمہ) ص ۲ تا ۴ طبع ۱۸۸۶ء

❷ الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۳۶۔

❸ الانساب' سمعانی' ورق ۵۴۴۔

عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے ۲۸۳ھ (۸۹۶ء) میں عراق سے سندھ آ کر اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جلیل القدر عالم دین تھے۔ صرف چھ مہینے منصورہ کے منصب قضا پر فائز رہے اور ۲۸۳ھ (۸۹۶ء) میں وفات پا گئے ❶۔

عراق میں بالعموم اور بغداد میں بالخصوص ان کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان کے قیام بغداد کے زمانے میں خود خلیفۂ بغداد اور عباسی شہزادے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کرتے تھے۔ کہتے ہیں' قاضی محمد بن ابو الشوارب کے بعد ان کے بیٹے علی کو منصورہ کے منصب قضا پر متعین کر دیا گیا تھا۔ ان کا خاندان چوتھی صدی ہجری کے ابتدا تک منصورہ میں موجود تھا ❷۔

۷۔ محمد بن ابو معشر

ابو عبد الملک محمد بن معشر سندھ کے مشہور محدث و فقیہ' نجیح بن عبد الرحمٰن ابو معشر سندھی کے فرزند تھے۔ علم حدیث کے عالم تھے۔ بغداد ہی میں مقیم رہے۔ ابو یعلیٰ موصلی نے ان سے شرف روایت حاصل کیا۔ اپنے والد ابو معشر سندھی کی مشہور تصنیف کتاب المغازی کے یہی راوی ہیں۔

ان سے ان کے دو بیٹوں داؤد اور حسین نے روایت حدیث کی۔ ان کے علاوہ ابو حاتم محمد بن ادریس رازی' محمد بن لیث جوہری اور ابو یعلیٰ موصلی نے ان سے شرف روایت و سماعت حاصل کیا۔ عباسی خلیفہ مہدی ان کے والد ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندھی کی طرح' ان کا بھی بہت احترام کرتا تھا۔ انھوں نے ننانوے برس عمر پا کر ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا ❸۔

---

❶ تاریخ الکامل۔ ابن اثیر۔ ج ۶۔ ص ۸۴۔ مطبوعہ المنیریہ مصر (۱۳۵۳ھ۔ ۱۹۳۴ء)

❷ مروج الذہب' از مسعودی۔ ج اول۔ ص ۳۷۷

❸ الانساب' سمعانی۔ ورق ۳۱۴۔

چوتھی صدی ہجری

الف

۱۔ ابراہیم بن محمد دیبلی

شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی سندھی، چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم ومحدث تھے۔ سندھ کے شہر دیبل میں فروکش تھے۔ انھوں نے موسیٰ بن ہارون اور محمد بن الصائغ الکبیر وغیرہ سے روایت حدیث کی۔

ان کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے جلیل القدر سندھی علما و محدثین میں سے تھے۔ افسوس ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں پتا چل سکا۔

ان کا ذکر سمعانی نے الانساب میں اور یاقوت حموی نے معجم البلدان میں کیا ہے [1]۔

۲۔ احمد بن عبداللہ دیبلی

ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی، قافلۂ اسلاف کے ان مسافران راہ علم اور زمرۂ عباد و زہاد سے تعلق رکھتے تھے، جو طلب علم کے لیے بے تاب رہتے تھے اور فقر و زہد، عبادت و خلوص، اطاعت الٰہی اور اتباع کتاب و سنت، جن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ حصولِ علم کی غرض سے انھوں نے دور دراز ملکوں کے متعدد سفر کیے اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے بے شمار تکلیفیں اٹھائیں۔ شوقِ علم ملاحظہ ہو کہ سندھ کے ریگستان دیبل سے چلے اور تمام اسلامی ملکوں میں گھومے پھرے۔ مکہ مکرمہ، بغداد، بصرہ، بیروت، دمشق، مصر، نیشاپور، تستر اور حران وغیرہ میں مختلف اساتذۂ حدیث و فقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔

مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں انہی کے ملک اور شہر کے عالم ومحدث ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی درس حدیث

[1] الانساب۔ سمعانی، ورق ۲۳۶۔ معجم البلدان۔ یاقوت حموی۔ ج ۲، ص ۴۹۵۔

دیتے تھے❶ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور وہیں مفضل بن محمد جندی سے استفادہ کیا۔ بغداد گئے تو جعفر بن محمد فریابی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے۔ عازمِ بصرہ ہوئے تو قاضی ابو خلیفہ ایسے یگانۂ روزگار استاذ کی شاگردی اختیار کی۔ مصر روانہ ہوئے تو وہاں علی بن عبدالرحمٰن اور محمد بن زیان سے تحصیل کی جو اس دور کے نامور علما میں سے تھے۔ دمشق گئے تو شیخ ابوالحسن احمد بن عمیر بن جوصا کے درس میں شرکت کی۔ بیروت میں ابو عبدالرحمٰن مکحول سے درس حدیث لینے کا فخر حاصل ہوا۔ حران میں ابوعروبہ حسین بن ابومعشر ❷ سے سند و اجازہ کا اعزاز حاصل ہوا۔ تستر میں احمد بن زبیر تستری کے فیوض علمیہ سے بہرہ مند ہوئے۔ عسکر مکرم میں حافظ عبدان بن احمد کے تلامذہ کی جماعت میں شرکت فرمائی۔ نیشاپور میں ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور ان کے اقران سے اخذ حدیث و فقہ کی سعادت سے مفتخر ہوئے۔ پھر خود ان کا اپنا حلقۂ تلامذہ بھی بہت وسیع تھا' جن میں امام حاکم ابوعبداللہ حافظ ایسے بلند پایہ محدث کا اسمِ گرامی شامل ہے۔

یہ تو شیخ احمد بن عبداللہ دیبلی کے شوق حصول علم کی فراوانیوں کی حالت تھی' لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کس درجہ عابد و زاہد اور تقویٰ شعار تھے' اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جس زمانے میں نیشاپور میں شیخ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کی بساطِ علم بچھی ہوئی تھی' یہ نیشاپور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ شیخ ابوبکر کا مدرسہ خانقاہ حسن بن یعقوب حدادی میں واقع تھا۔ شیخ احمد' خانقاہ میں رہائش رکھتے تھے' جو شہر سے کچھ فاصلے پر تھی۔ اسی دوران میں ان کی شادی ہو گئی اور صاحبِ اولاد بھی ہو گئے۔ شادی شہر کے اندرونی علاقے میں ہوئی تھی۔ یہ روزانہ تمام نمازیں جامع مسجد میں با جماعت ادا کر کے گھر جاتے تھے۔

طبیعت پر درویشی اس قدر غالب تھی کہ صوف پہنتے جو اس زمانے میں صالح لوگوں کا عاجزانہ و منکسرانہ لباس تھا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ جوتی میسر نہ آتی اور ننگے پاؤں چلتے۔

ان کی وفات نیشاپور میں' رجب ۳۴۳ھ (نومبر ۹۵۴ء) کو ہوئی اور قبرستان حیرہ میں دفن کیے گئے ❸۔

۴۔ احمد بن محمد منصوری

ابو العباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری سندھی' چوتھی صدی ہجری کے بہت بڑے محدث تھے اور منصورہ کے منصب قضا پر فائز تھے۔ منصورہ میں اکثریت اہل الحدیث کی تھی۔ ان کا شمار بھی اسی جماعت کے اکابر میں ہوتا تھا۔ مقدسی نے اپنی مشہور تصنیف احسن التقاسیم میں منصورہ کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں احمد بن محمد منصوری کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مقدسی نے ان کا نام ابو محمد منصوری لکھا ہے' حالانکہ دیگر کتب تاریخ و رجال میں

❶ یہ سندھی عالم و محدث تھے۔ دیکھیے الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۳۱۴۔
❷ معجم البلدان ج ۲ ص ۲۹۵۔
❸ الانساب۔ سمعانی' ورق ۲۳۶۔

ان کی کنیت ابوالعباس مرقوم ہے۔ ممکن ہے ان کی دو کنیتیں ہوں' ابوالعباس بھی اور ابومحمد بھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقدسی سے سہو ہوگیا ہو' اور ابوالعباس کو ابومحمد لکھ دیا گیا ہو۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہ فقہی اور علمی اعتبار سے امام داؤد ظاہری (متوفی ۲۷۰ھ۔۸۸۴ء) کے مسلک کے حامل تھے۔ مقدسی ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) کے لگ بھگ منصورہ گیا اور ان سے ملا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اکثرهم اصحاب حديث ورأيت القاضي ابا محمد المنصوری داؤد یا امامافی مذهبه وله تدریس و تصانیف وقد صنف کتباعدة حسنة❶۔

یعنی اہل منصورہ کی اکثریت اہل حدیث پر مشتمل ہے۔ میں نے وہاں قاضی ابومحمد منصوری (قاضی ابوالعباس منصوری) کو دیکھا۔ وہ مسلک داؤد ظاہری کے حامل ہیں اور اپنے مسلک کے امام ہیں۔ وہاں ان کا سلسلہ تدریس بھی جاری ہے اور سلسلہ تصنیف بھی۔ وہ متعدد بہترین کتابوں کے مصنف ہیں۔

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق بغدادی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الفہرست'' میں ان کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور ان کو مسلک امام داؤد ظاہری کے فاضل ترین اصحاب میں سے گردانا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

......علی مذهب داؤد' من افاضل الداؤديين وله كتب جليلة حسنة كبار' منها كتاب المصباح كبير كتاب الهادی' و کتاب النير❷۔

یعنی ابوالعباس احمد بن محمد منصوری' امام داؤد ظاہری کے مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے افاضل میں سے تھے۔ وہ بہترین اور عمدہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو بڑی ضخیم ہیں' جن میں سے کتاب المصباح کبیر' کتاب الہادی اور کتاب النیر لائق ذکر ہیں۔

سمعانی نے الانساب میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ منصورہ کے قاضی تھے اور عراق میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ مذہب امام داؤد ظاہری کے امام مانے جاتے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

احمد بن محمد القاضی المنصوری' سكن العراق و فارس' يكنّى بابی العباس' كان اماما على مذهب داؤد الاصبهانی' سمع الاثرم و طبقته روی عنه الحاكم ابو عبدالله الحافظ و ابوالعباس احمد بن محمد بن الصالح التميمی القاضی المنصوری من اهل المنصورة و كان اظرف من رأيت من العلماء سمع بفارس ابا العباس بن الاثرم و بالبصرة اباروق الهرانی❸۔

❶ احسن التقاسیم۔ص ۴۸۱۔طبع ثانی۔مطبوعہ لیدن۔مطبع بریل (۱۹۰۶ء)

❷ الفہرست ص ۳۲۰ طبع مصر

❸ الانساب۔سمعانی ورق ۵۴۳۔

یعنی قاضی احمد بن محمد منصوری‘ عراق اور فارس میں سکونت پذیر رہے۔ ان کی کنیت ابوالعباس تھی۔ مذہب امام داؤد ظاہری کے امام کی حیثیت رکھتے تھے۔ اثرم اور ان کے طبقہ کے اصحاب الحدیث سے سماعتِ حدیث کی۔ خود ان سے حافظ الحدیث امام ابوعبداللہ حاکم نے روایت کی۔ قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوری باشندگانِ منصورہ میں سے تھے۔ مجھے جن علما سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے‘ میں نے قاضی ابوالعباس کو ان سب سے شائستہ اور سلجھے ہوئے ذہن وفکر کے حامل پایا۔ انھوں نے فارس میں ابوالعباس بن اثرم اور بصرہ میں ابوروق ہرانی سے شرفِ سماعت حدیث حاصل کیا۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لفظ سندھ کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوالعباس جو امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے باشندگانِ سندھ کے فقیہ تھے ❶۔

ابواسحاق شیرازی نے طبقات الفقہا میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ قاضی ابوالعباس احمد مصنف کتاب النیر نے اپنے آزاد کردہ غلام سے اخذ علم کیا۔ بغداد گئے اور وہاں تعلیم حاصل کی اور منصورہ واپس چلے گئے ❷۔

ابوالعباس منصوری علمی اعتبار سے بلند مرتبے کے حامل تھے‘ اسی لیے ان کو منصورہ جیسے اہم اور مرکزی شہر کا عہدۂ قضا تفویض کیا گیا تھا۔ احسن التقاسیم کے حوالے سے مقدسی کا جو بیان ان کے بارے میں اوپر گزرا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) تک ان کا خاندان (بنوتمیم) منصورہ میں آباد تھا اور اپنے مسلک اور مرتبہ فی الحدیث کی وجہ سے وادئ سندھ میں اس خاندان کو تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

خ

۴۔ خلف بن محمد دَیبُلی

چوتھی صدی ہجری کے علمائے دیبل میں سے ایک بزرگ شیخ خلف بن محمد موازینی دیبلی تھے‘ جو بغداد تشریف لے گئے تھے۔ انھوں نے بغداد میں دیبل ہی کے ایک عالم حدیث علی بن موسیٰ دیبلی سے تحصیل حدیث کی اور خود ان سے ابوالحسن احمد بن محمد بن عمران بن جندی نے روایت کی ❸۔

❶ معجم البلدان۔

❷ طبقات الفقہا بحوالہ رجال السند والہند‘ قاضی اطہر مبارک پوری ص ۶۱۔

❸ الانساب سمعانی ورق ۲۳۶۔

ـــــ ع ـــــ

۵۔ علی بن موسیٰ دیبلی

شیخ علی بن موسیٰ دیبل کے چوتھی صدی ہجری کے اصحاب الحدیث میں سے تھے اور "العالم المحدث" مشہور تھے۔ ان سے شیخ خلف بن محمد موازینی دیبلی نے روایت حدیث کی ❶۔

ـــــ م ـــــ

۶۔ محمد بن ابراہیم دیبلی

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی۔ چوتھی صدی ہجری کے یہ دیبلی عالم مکہ مکرمہ میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ امام ابن عیینہ کی کتاب التفسیر' ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن سے اور ابن مبارک کی کتاب البر والصلۃ' ابوعبداللہ حسین بن حسن مروزی سے روایت کرتے ہیں۔ عبدالحمید بن صبیح سے بھی یہ روایت کرتے ہیں۔ خود ان سے ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی اور ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری نے روایت کی ❷۔

۷۔ محمد بن محمد دیبلی

ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ وراق دیبلی' عابد وزاہد اور صالح عالم دین تھے۔ انھوں نے ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی' جعفر بن محمد بن حسن فریابی' عبدان بن احمد بن موسیٰ عسکری' محمد بن عثمان بن ابوسوید بصری اور ان کے ہم عصر حضرات سے روایت حدیث کی۔ خود ان سے امام حاکم ابوعبداللہ الحافظ نے سماعت کی۔ رمضان المبارک ۳۵۴ھ (ستمبر ۹۶۵ء) میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ ابوعمرو بن نجید نے پڑھائی ❸۔

---

❶ الانساب سمعانی ورق ۲۳۶۔

❷ الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۳۶۔

❸ الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۳۶

پانچویں صدی ہجری

ح

۱۔ حسین زنجانی لاہوری

فخر الدین حسین زنجانی لاہوری' خراسان کے مردم خیز قصبے زنجان کے باشندے تھے' اس لیے زنجانی کہلائے' پھر مستقل طور پر لاہور میں رہائش اختیار کر لی' لہٰذا لاہوری مشہور ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کے عہد (۱۰۰۵ء۔۳۹۵ھ) میں یا اس سے کچھ مدت بعد لاہور تشریف لائے۔ بہت بڑے عالم اور عابد و زاہد تھے۔ علوم دینیہ اور طریقت و تصوف کے معروف مشائخ میں سے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے کسب علم کیا اور ایک عرصہ ان کی صحبت و رفاقت میں گزارا۔ تکمیل علم کے بعد وارد ہند ہوئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ مشہور ہے کہ ان کی وفات اس روز ہوئی تھی جس روز کہ شہرۂ آفاق بزرگ حضرت علی بن عثمان ہجویری نے لاہور میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

شیخ حسین زنجانی لاہوری نے سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کے دورِ حکومت کے آخری دنوں (۱۰۴۰ء۔۴۳۱ھ) میں لاہور میں وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خواجہ علی ہجویری رحمہ اللہ نے ان کے جنازے میں شرکت کی تھی ❶۔

ع

۲۔ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعثی لاہوری

شیخ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعثی لاہوری کا ذکر کرتے ہوئے سمعانی لکھتے ہیں:

❶ فوائد الفواد حضرت شیخ نظام الدین اولیا ۔۔۔ تحقیقاتِ چشتی از مولوی نور احمد چشتی ص ۲۱۵۔ نقوش لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء ص ۱۴۳

یہ شیخ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے شاگرد تھے اور سمرقند میں درسِ حدیث دیتے تھے۔ سمعانی نے سمرقند میں ان سے شیخ ابوالحسن کی روایات کا سماع کیا۔ شیخ ابوالفتوح نے ۴۲۹ھ (۱۰۳۸ء) کو لاہور میں وفات پائی❶۔

۳۔ شیخ علی ہجویری

حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے جو یہ ہے: علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید شہید بن حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

متقدمین میں سے شیخ فرید الدین عطار نے تذکرہ الاولیاء میں، شیخ نظام الدین اولیا نے اپنے ملفوظات فوائد الفواد اور درِ نظامی میں، مولانا محمد یعقوب بن عثمان غزنوی نے رسالہ ابدالیہ میں، مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں، شیخ احمد زنجانی نے تحفۃ الواصلین میں، ابوالفضل نے آئین اکبری میں، عبدالصمد بن افضل بن محمد نے اخبار الاصفیا میں، لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں، محمد غوثی نے گلزار ابرار میں، داراشکوہ نے سفینۃ الاولیا میں، بختاور خاں اور محمد بقا نے ریاض الاولیا میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں لالہ سجان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں ان کے سوانح بیان کیے ہیں۔ پھر لالہ گنیش داس وڈیرہ کی چار باغ پنجاب میں، مفتی محمد سرور کی خزینۃ الاصفیا اور حدیقۃ الاولیا میں اور نور احمد چشتی کی تحقیقاتِ چشتی میں ان کے حالات مذکور ہیں۔ خود حضرت علی ہجویری نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں اپنے متعلق بعض واقعات تحریر فرمائے ہیں، جو دلچسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی!

علاوہ ازیں متأخرین میں سے اور بھی متعدد تذکرہ نویسوں نے ان کے واقعات قلم بند کیے ہیں، جن میں سید عبدالحی حسنی لکھنوی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے نزہۃ الخواطر میں ان کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی ہیں۔

علی ہجویری رحمہ اللہ ان قدیم بزرگانِ دین، مبلغین اسلام اور صوفیائے عظام میں سے ہیں، جو اس دور میں واردِ لاہور ہوئے، جب اس کی فضاؤں پر کفر وعصیان کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اس پورے علاقے کو شرک کی دبیز چادر نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ان کی تبلیغ سے ہزاروں افراد نے ظلمت کفر سے نجات پائی اور اسلام کی نعمت سے متمتع ہوئے۔

انھیں علی بن عثمان بن علی جلابی ہجویری غزنوی کہا جاتا ہے۔ جُلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے۔ پہلے یہ محلّہ جُلاب میں رہائش پذیر تھے، پھر محلّہ ہجویر میں منتقل ہو گئے تھے، اسی لیے جُلابی ہجویری کہلائے۔ ان کے خاندان کے سب افراد زہد وتقویٰ میں مشہور تھے۔ ان کے والدین غزنی میں فوت ہوئے۔ ان کی قبریں اب بھی

❶ الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۴۹۷

وہاں موجود ہیں ❶۔

ان کی ولادت کب ہوئی؟ اس کی تصریح کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ اندازہ یہ ہے کہ ۴۰۰ھ (۱۰۱۰ء) کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ مختلف علما وصوفیا سے فیض حاصل کیا۔ غزنوی عہد کے آغاز میں لاہور تشریف لائے۔ غالباً یہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا۔ تمام تذکرہ نگاروں نے ان کو عابد و زاہد، متقی و پرہیز گار، صوفی اور مبلغِ اسلام لکھا ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، ان کے لیے ''فقیہ'' کا لفظ سوائے سید عبدالحی حسنی لکھنوی کے کسی نے نہیں لکھا: الشيخ الامام العالم الفقيه الزاهد ابو الحسن علي بن عثمان بن علي الجلابي......... ❷

یعنی شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن علی جلابی، امام، عالم، فقیہ اور زاہد تھے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ شیخ علی ہجویری نے شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر مہنوی، شیخ ابوعلی فضل بن محمد خارمدی اور دیگر بہت سے اصحاب علم سے اخذ فیض کیا اور عرصے تک ان سے وابستہ رہے۔ پھر وارد ہند ہوئے ❸۔

ان کی تصنیفات میں صرف کشف المحجوب کو شہرت حاصل ہوئی۔ حالانکہ انھوں نے اور بھی بعض کتابیں تصنیف کیں، مگر ان کا کہیں پتا نہیں چلتا۔ البتہ کشف المحجوب کے مختلف مقامات میں ان کتابوں کا ذکر موجود ہے۔

بعض صوفیائے کرام سماع کے قائل ہیں اور ان کی مجلسوں میں سماع وقوالی کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، لیکن علی ہجویری رحمہ اللہ اس کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ وہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔

میں ایک دفعہ کرمان میں شیخ ابواحمد مظفر کی خدمت میں حاضر تھا۔ سفر کے کپڑے تھے اور پریشان حال تھا۔ انھوں نے مجھے فرمایا:

اے ابوالحسن! تمھیں کس چیز کی خواہش ہے؟

میں نے کہا: مجھے اس وقت سماع کی طلب ہے۔

انھوں نے ایک قوال کو بلایا اور درویشوں کی ایک جماعت بھی جوش وخروش کے ساتھ آئی۔ مجھے سماع کے الفاظ نے مضطرب کر دیا۔ جب وقت گزرا اور میرا جوش کم ہوا تو شیخ ابواحمد نے پوچھا: سماع کا کیا اثر ہوا؟

میں نے کہا: یا شیخ! بڑی مسرت ہوئی۔

فرمایا: ایک وقت آئے گا کہ سماع اور کوے کی آواز میں تیرے لیے کوئی فرق نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی

❶ اردو ترجمہ۔ کشف المحجوب۔ (پیش لفظ) ص ۱۰ (شائع کردہ المعارف لاہور (۱۳۹۳ھ)

❷ نزہۃ الخواطر ج ا ص ۸۶

❸ نزہۃ الخواطر ج ا ص ۸۶

ہوا اور میں نے سماع سے توبہ کر لی۔

اس سے آگے لکھتے ہیں:

''میں عثمان جلابی کا بیٹا علی اس بات کو صحیح سمجھتا ہوں کہ کوئی سماع میں نہ پڑے اور طبیعت کو پریشان نہ کرے، کیوں کہ اس میں بڑے خطرے ہیں۔ بڑی آفت یہ ہے کہ عورتیں کسی اونچے مقام سے سماع کی حالت میں درویشوں کو دیکھتی ہیں اور نوجوان اور نوخاستہ ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آفت سے مجھ پر جو کچھ گزرا ہے، گزرا ہے، آئندہ کے لیے استغفار پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ میرے ظاہر اور باطن کو آفتوں سے محفوظ رکھے۔ (آب کوثر صفحہ ۹۷: بحوالہ کشف المحجوب)

وہ سخت قسم کے موحد تھے۔ انھوں نے حسین فارسی (منصور حلاج) اور ابوسلمان کے حلولی فرقوں کو ملحد اور لعنتی کہا ہے۔ فرماتے ہیں:

میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابوسلمان کون۔ اور انھوں نے کیا کیا اور کیا کہا۔ لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین ہی مضبوط نہ ہو جو اصل ہے، تو تصوف جو اس کی شاخ ہے، کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ نے ۴۷۰ھ (۱۰۷۸ء) کے قریب لاہور میں وفات پائی۔

—— م ——

۴۔ سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود غزنوی کا والد امیر سبکتگین عقل مند، باتدبیر، متدین اور رحم دل حکمران تھا۔ وہ ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں غزنی کی مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجا جے پال کے زیر نگین تھا، سبکتگین نے اپنی تخت نشینی کے تین سال بعد ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں پر نظر ڈالی اور بعض علاقوں کو فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا، لیکن اس کی یہ پیش قدمی راجا جے پال کو ناگوار گزری لغمان اور غزنی کے درمیان دونوں کی فوجیں ایک دوسرے سے متصادم ہوئیں اور زبردست رن پڑا جس میں جے پال کو شکست ہوئی۔

جے پال نے سبکتگین سے کچھ وعدے کیے، لیکن ان پر پورا نہیں اترا اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے راجاؤں کی مدد سے بہت بڑی فوج جمع کر کے پھر مقابلے میں آ گیا، لیکن اب بھی اسے بری طرح ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ان جنگوں میں سبکتگین کا بیٹا محمود غزنوی باپ کے ہمراہ تھا۔

محمود غزنوی عاشورہ کی رات ۳۵۷ھ (۹۶۸ء) کو پیدا ہوا۔ سبکتگین نے ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں

وفات پائی اور اس کے بعد اس کے نامور بیٹے محمود غزنوی نے سلطنتِ غزنی کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ محمود غزنوی نے یکے بعد دیگرے ہندوستان پر کئی حملے کیے اور بالآخر وہ اس ملک پر قابض ہو گیا۔ اسی کے زمانے میں لاہور فتح ہوا۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے لاہور پر حملہ کیا اور اس پر اسلامی پرچم لہرایا۔

غزنوی حکمرانوں کا دور علم و ادب کی ترقی کا دور تھا۔ یہ حکمران جہاں جاتے علما و فقہا اور شعرا کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہوتی۔ اس زمانے میں لاہور کو ایک عظیم علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور اس شہر میں عراق و بخارا اور دیگر ممالک سے بے شمار علما و فضلا آ کر مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں تاریخ سلاطین آلِ غزنی کا مصنف رقم طراز ہے:

وجوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلاد ہند و ولایت ہائے کاشغر و ماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذلک۔ ازاں خیرات منتفع می شدند چندانکہ یک آبادانی نو در حدود لاہور پدید آمد ❶۔

یعنی دورِ غزنویہ میں بلادِ ہند‘ کاشغر‘ ماوراء النہر‘ عراق‘ بخارا‘ سمرقند‘ خراسان اور غزنی وغیرہ ممالک سے لوگ گروہ در گروہ لاہور آتے اور یہاں کے علم و فضل سے نفع اندوز ہوتے۔

ہمارا موضوع اس ضمن میں تاریخ کی تفصیلات میں جانا نہیں‘ بلکہ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ لاہور اور پنجاب کے بعض دیگر علاقوں میں سب سے پہلا مسلمان حکمران محمود غزنوی آیا اور یہ حکمران جہاں بڑا شجاع‘ جرأت مند‘ صاحب بصیرت‘ با تدبیر‘ عقل مند‘ مجاہد اور کشور کشا تھا‘ وہاں جلیل القدر عالم‘ فقیہ‘ نیک اور عادل بھی تھا۔ علاوہ ازیں علما اور بزرگان دین سے بہ درجۂ غایت محبت اور تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کے واقعات دلچسپ بھی ہیں اور تحیر انگیز بھی۔ ہندوستان پر اس نے بار بار حملے کیے۔ باوجودیکہ راجگانِ ہند نے پوری یک جہتی اور طاقت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا‘ لیکن یہ ہر حملے میں کامیاب رہا اور ان سے اپنی فوجی قوت‘ جنگی صلاحیت اور ذاتی بصیرت کا لوہا منوایا۔

محمود غزنوی کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور متقدمین میں سے متعدد مصنفین نے اپنی تصنیفات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً ابو النصر محمد بن عبدالجبار عتبی نے اپنی کتاب تاریخ الیمینی میں‘ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں‘ امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی نے مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق میں‘ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں‘ ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں‘ اور ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں اس کے حالات بیان کیے ہیں۔

طبقات الشافعیہ‘ مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق اور وفیات الاعیان کے مصنفین نے تو اس کی تبدیلیٔ مسلک کا واقعہ بھی درج کیا ہے اور وہ سارا قصہ نقل کیا ہے جو اس کے مسلک حنفی ترک کر کے مسلک شافعی اختیار

❶ بحوالہ آبِ کوثر: از شیخ محمد اکرام (طبع سوم ۱۹۵۲ء) ص ۲۰۶

کرنے کا باعث بنا۔ بتایا جاتا ہے کہ سلطان کے دربار میں علمائے حنفیہ اور علمائے شافعیہ کی کثیر تعداد کے سامنے قفال مروزی نے پہلے شافعی مسلک اور پھر حنفی مسلک کے مطابق نماز پڑھی ❶۔ مگر اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

محمود غزنوی بہت سی خصوصیات کا مالک تھا۔ شاہانِ ہند میں اس کی جو خوبی اس کو سب سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا علم و فضل اور فقاہت دین ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں مسائل فقہ سے متعلق اس کی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے جس کا نام التفرید فی الفروع ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

> التفريد في الفروع۔ للسلطان محمود بن سبكتگين الغزنوي الحنفي ثم الشافعي المتوفىٰ سنة اثنتين و عشرين و اربع مائة۔ قال الامام مسعود بن شيبة كان السلطان المذكور من اعيان الفقهاء و كتابه هذا مشهور في بلاد غزنة وهو في غاية الجودة وكثرة المسائل ولعله نحو ستين الف مسئلة و في التاتارخانية نقول منه' ولما رأى ان المذهب الشافعي اوفق لظواهر الحديث تشفع بعد ان جمع علماء المذهبين كما ذكره ابن خلكان❷۔

> یعنی التفرید فی الفروع' سلطان محمود بن امیر سبکتگین غزنوی' حنفی ثم شافعی کی تصنیف ہے جو ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) میں فوت ہوا۔ امام مسعود بن شیبہ کا کہنا ہے کہ سلطان محمود اعیان فقہا میں سے تھا اور اس کی یہ کتاب بلادِ غزنہ میں بڑی مشہور ہے۔ عمدگی اور کثرت مسائل میں اس کتاب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب تقریباً ساٹھ ہزار مسائل پر محتوی ہے۔ فتاوی تاتارخانیہ میں اس سے مسائل درج کیے گئے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی نے جیسا کہ ابن خلکان نے ذکر کیا ہے شافعی اور حنفی دونوں مکاتب فقہ کے مجمع علما میں جب یہ سمجھا کہ مذہب شافعی' ظواہر حدیث سے زیادہ موافق ہے تو شافعی مذہب اختیار کرلیا۔

کشف الظنون کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان محمود غزنوی فقہ میں بلند مرتبہ رکھتا تھا اور اس باب میں وہ ایک کتاب کا بھی مصنف ہے۔ اس اقتباس سے اور اس کے حالات و واقعات پر مشتمل دیگر کتابوں کے اندراجات سے یہ بھی منتج ہوتا ہے کہ وہ پہلے مسلک حنفی کا حامل تھا بعد میں حلقہ بگوش شافعیت ہو

❶ اس واقعہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ملاحظہ ہو: مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق۔ از ابوالمعالی عبدالملک جوینی (متوفی ۴۷۸ھ۔۱۰۸۵ء) ص ۵۷ تا ۵۹۔ وفیات الاعیان' ابن خلکان ج ۴ ص ۲۶۳ تا ۲۶۹۔ قفال مروزی کی نماز کے لیے ص ۲۶۷ (طبع اول۔ مطبوعہ مصر۔ ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء) ملاحظہ کیجیے۔

❷ کشف الظنون ج ۱ کالم ۴۲۶ (مطبعۃ البہیہ۔ ۱۹۴۱ء۔ ۱۳۶۰ھ)

گیا۔ طبقات الشافعیہ میں اس کا تذکرہ اکابر شوافع کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

افغانستان اور سرحد کے علمائے کرام اور اصحاب تاریخ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی مسلک اہل حدیث سے منسلک ہو گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کو علمائے اہل حدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ وہ ان پر اعتماد کرتا تھا اور بعض مواقع پر اس نے ان کو سفارت کی ذمہ داریاں بھی تفویض کیں۔ چنانچہ جب ایلک خاں نے ماوراء النہر کا علاقہ آلِ سامان سے آزاد کرایا اور مملکتِ خراسان پر قابض ہوا تو اس کی اطلاع اس نے محمود غزنوی کو دی۔ محمود غزنوی بہت خوش ہوا اور اس نے شیخ ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو اس کے پاس بطور سفیر بھیجا اور اس کے ہاتھ مختلف قسم کے قیمتی تحائف ارسال کیے۔ اس ضمن میں فرشتہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> و ایلک خاں ماوراء النہر' یک بار از آلِ سامان' متخلص گردانیدہ' فتح نامہ بسلطان محمود فرستادہ۔ اورا باستیلائے مملکت خراسان تہنیت گفت' بنا بریں میان ہر دو پادشاہ بنائے دوستی و یگانگی استحکام پذیرفت و سلطان محمود نیز ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلوکی را کہ از ائمہ اہل حدیث بود برسم رسالت پیش ایلک خاں فرستادہ...... ❶

> یعنی ایلک خاں نے جب خاندانِ سامان کے قبضے سے ماوراء النہر کو آزاد کرایا اور خراسان پر فتح حاصل کی تو فتح نامہ تہنیت سلطان محمود کی خدمت میں ارسال کیا' جس کے نتیجے میں دونوں بادشاہوں کے درمیان اتحاد و دوستی کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ اس کے جواب میں سلطان محمود نے ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو' جو ائمہ اہل حدیث میں سے تھے' اپنا سفیر اور پیغام بر بنا کر ایلک خاں کے پاس بھیجا........

سلطان محمود غزنوی کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ وہ بزرگانِ دین اور علمائے کرام سے بہت اُنس و مودت رکھتا تھا۔ ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا اور ان سے درخواست دعا کرتا۔ اس سلسلے کے متعدد واقعات میں سے ایک واقعہ لائق تذکرہ ہے جو تاریخ بنائے گیتی کے حوالے سے تاریخ فرشتہ میں مندرج ہے:

سلطان خراسان گیا تو اس کے دل میں وہاں کے مشہور بزرگ شیخ ابوالحسن خرقانی سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا لیکن اس شوق ملاقات کے ساتھ ساتھ اس کے نہاں خانۂ خیال میں اس حقیقت نے بھی کروٹ لی کہ خراسان میں وہ اس بزرگ سے ملاقات کی غرض سے نہیں آیا ہے بلکہ مہمات ملکی کے سلسلے میں آیا ہے۔ لہٰذا اس طرح ان کی زیارت کو جانا مناسب نہیں۔ یہ سوئے ادب ہے اور دوستانِ خدا کے وقار کے منافی ہے۔ اس لیے اس نے ان سے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب وہ خراسان سے ہندوستان آیا اور معرکہ آرائیوں میں مصروف ہو گیا۔ پھر غزنی گیا اور غزنی سے صرف شیخ کی زیارت کی غرض سے عازمِ خرقان ہوا۔ وہاں پہنچا تو ایک شخص کو یہ پیغام دے کر شیخ کی خدمت میں بھیجا کہ بادشاہ ملاقات کے لیے غزنی سے آیا ہے اور تقاضائے اخلاق یہ ہے کہ

❶ تاریخ فرشتہ جلد اول (فارسی) صفحہ ۴۰ (مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۷ھ۔۱۸۳۲ء)

آپ خانقاہ سے باہر تشریف لائیں اور بادشاہ کو زیارت کا موقع دیں۔ اس کے بعد قاصد سے کہا' اگر شیخ باہر آنے سے انکار کریں تو انھیں یہ فرمان خداوندی سنا دینا کہ:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُم ❶۔

قاصد نے شیخ کی خدمت میں سلطان کا پیغام پہنچایا مگر شیخ نے خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا اور بادشاہ کے ساتھ ملاقات کرنے سے معذرت چاہی۔ اس پر قاصد نے سلطان کی ہدایت کے مطابق مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔ جواب میں شیخ نے فرمایا:

شیخ گفت معذور دار' و بہ محمود بگو کہ در اَطِیْعُوا اللّٰہَ چناں مستغرقم کہ از اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ خجالت می برم و بہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ نپر دازم ❷۔

مجھے معذور گردانو اور محمود سے کہو کہ اب تک میں اللہ کی اطاعت میں اس درجہ مستغرق ہوں کہ رسول اللہ کی اطاعت کا حق ادا نہیں کر سکا' جس کی وجہ سے سخت ندامت محسوس کر رہا ہوں۔ بھلا ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیوں کر عنانِ توجہ مبذول کر سکتا ہوں۔

اس کے آگے فرشتہ لکھتا ہے:

رسول بسلطان محمود باز نمود و سلطان رقت نمودہ و گفت برخیزید کہ ایں نہ آں مرد است کہ با گماں بردہ ایم ❸۔

قاصد واپس آ گیا اور اس نے شیخ کا جواب سلطان کو سنایا تو سلطان یہ جواب سن کر بہت رویا اور کہا کہ یہ ایسا شخص نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اسے سمجھ رکھا تھا۔

بعد ازاں سلطان اس انداز سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا کہ خود اپنے غلام ایاز کا لباس زیب تن کیا اور اپنا لباس ایاز کو پہنایا اور دس کنیزوں کو غلاموں کے لباس میں ملبوس کر کے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شیخ کی خدمت میں پہنچے اور ان کو سلام کیا تو شیخ نے سلام کا جواب تو دیا مگر تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور سلطان (جس نے ایاز کا لباس پہن رکھا تھا) کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی بلکہ ایاز کی طرف ملتفت ہوئے جو کہ سلطان کے لباس میں ملبوس تھا۔ اس پر ایاز نے جو درحقیقت سلطان تھا' شیخ سے کہا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ اس کی طرف التفات کیا۔ کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کر دیا جائے؟ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں جال تو یہی ہے لیکن تیرا مشار

❶ یہ سورۂ نسا کی ۵۹ ویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی) جو تم میں سے اہلِ حکومت ہیں۔

❷ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۳ (مطبوعہ بمبئی ۱۸۳۲ء۔ ۱۲۴۷ھ)

❸ ایضاً

الیہ اس جال میں گرفتار نہیں ہے۔تو سامنے آ کہ اس جال کا سب سے بڑا شکار تو خود ہے۔سلطان نے جب دیکھا کہ اصل حقیقت منکشف ہو چکی ہے تو مؤدب ہو کر شیخ کے سامنے بیٹھ گیا اور کچھ فرمانے کی درخواست کی۔ شیخ نے غلاموں کے لباس میں بیٹھی ہوئی کنیزوں کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا کہ ان نامحرموں کو اس مجلس سے نکال دو۔سلطان نے ان کو نکال دیا اور عرض کیا کہ حضرت بایزید بسطامی کا کوئی واقعہ سنایئے۔ شیخ نے کہا۔ بایزید کا فرمان ہے: ''جس نے مجھے دیکھ لیا' وہ ظلم وستم کی برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔''

سلطان نے سوال کیا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔کیا بایزید کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ ہے۔حضور ﷺ کو دیکھنے والوں میں بھی سبھی لوگ اچھے نہ تھے۔ابوجہل اور ابولہب نے بھی تو آپ کو دیکھا تھا' وہ کافر کے کافر ہی رہے۔ پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر ظالم کیوں کر اچھا انسان بن سکتا ہے؟ شیخ نے سلطان کی یہ بات سن کر کہا۔

محمود! اپنی بساط سے بڑھ کر بات نہ کرو۔ ادب ملحوظ رکھو۔ دنیائے ولایت میں بے ادبی سے قدم نہ رکھو۔اس حقیقت کو خوب جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کو چار یاروں اور دیگر صحابۂ کرام کے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی۔

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ❶۔

دیکھنے سے مراد اطاعت رسول ﷺ ہے۔

سلطان کو شیخ کی یہ بات بہت پسند آئی اور عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔فرمایا۔تمھیں چار چیزیں اختیار کرنی چاہئیں' جو یہ ہیں۔

(۱) پرہیز گاری

(۲) نماز باجماعت

(۳) سخاوت

(۴) شفقت

اس کے بعد سلطان نے دعا کی درخواست کی۔فرمایا: میں پانچوں وقت نماز کے بعد یہ دعا کرتا ہوں۔

اللّٰهم اغفر للمومنين والمومنات❷۔

سلطان نے کہا یہ دعا تو عام ہے' میرے لیے کوئی خاص دعا کیجیے۔فرمایا۔''محمود جاؤ تمھاری عاقبت محمود ہو۔''

❶ یہ آیت سورۂ اعراف کی ۱۹۸ ویں آیت ہے۔اس کا ترجمہ یہ ہے: اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

❷ یعنی اے اللہ' مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مغفرت فرما۔

بعد ازاں سلطان نے اشرفیوں کا ایک توڑا شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے جو کی روٹی اس کے سامنے رکھی اور اسے کھانے کے لیے کہا۔ سلطان نے لقمہ توڑ کر منہ میں ڈالا تو محسوس کیا کہ روٹی بہت سخت ہے۔ ہر چند اسے چبایا لیکن روٹی کا ٹکڑا نہ تو دانتوں سے کٹتا تھا اور نہ حلق سے نیچے اترتا تھا۔ شیخ نے پوچھا۔ کیا یہ روٹی تمھارے حلق میں اٹکتی ہے؟ سلطان نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا جس طرح ہماری یہ جو کی سوکھی روٹی تمھارے حلق سے نیچے نہیں اترتی' اسی طرح تمھارا یہ اشرفیوں سے بھرا ہوا توڑا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا لو۔ ہم اس کو ترک کر چکے ہیں۔

سلطان نے' بطور یادگار شیخ سے کوئی چیز مانگی تو انھوں نے اپنا خرقہ عنایت فرمایا۔

سلطان جب شیخ کی مجلس سے رخصت ہونے کے لیے اٹھا تو شیخ بھی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے سوال کیا' اس کی کیا وجہ ہے' جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے میری کوئی پروانہ کی اور جانے لگا ہوں تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں؟

فرمایا! جب تم میرے پاس آئے تھے تو خدم وحشم تمھارے ساتھ تھے۔ تم غرور بادشاہت میں سرمست تھے اور میرے امتحان کی غرض سے آئے تھے' لیکن اب تم عاجزی اور انکسار کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہو [1]۔

غزنی کے اس کشور کشائے اعظم اور فاتح ہند کے بے شمار واقعات کتب تاریخ میں منقول ہیں' لیکن ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف اس کی علمی اور دینی حیثیت کا تذکرہ مقصود ہے۔

سلطان محمود غزنوی میانہ قد اور خوش اندام تھا۔ اس کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ ایک مرتبہ سلطان نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو کسی ندیم کے سامنے اپنے خوب رو نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ندیم نے کہا' گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کی صورت لاکھوں میں سے ایک نے دیکھی اور سیرت و کردار سب کے علم میں ہے۔

یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے اپنے لیے ''سلطان'' کا لفظ استعمال کیا۔ اس کی فتوحات کی تیزی اور وسعت نے بڑے بڑے بادشاہوں اور جنگ جوؤں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا۔

سلطان محمود غزنوی جمعرات ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ (۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء) کو اور بعض کے نزدیک ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) کو تریسٹھ برس کی عمر پا کر غزنی میں فوت ہوا۔ پینتیس سال حکومت کی۔ شب کو بارش ہو رہی تھی کہ جنازہ اٹھا اور قصر فیروز غزنی میں دفن کیا گیا۔

[1] یہ واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ تاریخ فرشتہ ج ۱' ص ۶۳' ۶۴ مطبوعہ بمبئی۔

چھٹی صدی ہجری

الف

ا۔ قاضی اسماعیل بن علی سندھی

اسماعیل بن علی بن محمود بن موسیٰ بن یعقوب ثقفی سندھی، علم و فضل میں بے نظیر، فصاحت میں عدیم المثال اور بلاغت میں فقید العصر تھے۔ سندھ کے شہر ارور کے منصب قضا اور خطابت پر فائز تھے۔ اور یہ منصب عرصے سے ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا اور آباؤ اجداد کی طرف سے انھیں ورثے میں ملا تھا۔ فلسفہ، ادب اور باقی علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ نیکی کا یہ عالم تھا کہ انوار تقدیس ان کی پیشانی پر عیاں تھے۔ چچ نامہ کے مصنف علی بن حامد بن ابوبکر کوفی (متوفی ۶۱۳ھ۔ ۱۲۱۶ء) نے اپنی کتاب (چچ نامہ) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں ان سے شہر ارور میں ملا۔ ان کے پاس تاریخ سندھ کے اوراق تھے۔ اس نواح میں مسلمانوں کے غزوات اور ان کی فتوحات کے بارے میں کچھ منتشر واقعات دیکھے جو عربی زبان میں ان کے پاس مرقوم تھے۔ میں نے ان سے یہ منتشر اجزا لیے اور عربی سے فارسی زبان میں منتقل کر دیے۔ چچ نامہ کے مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

> مولانا قاضی الامام الاجل، العالم البارع، کمال الملت والدین، سید الحکام، اسماعیل بن علی بن محمد بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب بن عثمان ثقفی ادام اللہ فضلہ و رحم و آباءہ و اسلافہ بحق محمد و آلہ اجمعین کہ در فصاحت کان فضل است، و در ملاحت جانِ عقل است، و در فنون علم و زہد بے نظیر، و در صنوفِ بلاغت بے ظہیر دیدہ شد، استخبار کردہ آمد۔ و گفت تاریخ ایں فتح، بخط آباؤ اجدادِ مابلغت حجازی در کتاب مسطور است، و از یک دیگر میراث شدہ، بورثہ می رسد، فاما چوں در پردۂ تازی و حجاب حجازی بود، درمیان اہلِ عجم منتشر نشد" ❶۔

❶ چچ نامہ۔ ص ۹۔ ۱۰۔

ـــــ ب ـــــ

۲۔ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ صوفی ہندی

چھٹی صدی ہجری کے ہندوستان میں بہت سے مشہور محدث موجود تھے۔ رجال وانساب سے متعلق ایک معروف تصنیف 'الانساب' ہے جس کے حوالے گزشتہ صفحات میں مختلف مواقع پر دیے گئے ہیں۔ اس کے مصنف ابوسعید عبدالکریم سمعانی (۵۶۲ھ) میں فوت ہوئے۔ ان کی یہ کتاب اپنے موضوع میں جامع، مفصل اور مستند کتاب ہے۔ اس میں وہ ''الہندی'' کے تحت لکھتے ہیں:

فهو منسوب الى بلاد الهند و فيهم كثرة و شهرة۔

یعنی (چھٹی صدی ہجری کے) ہندوستان میں محدثین وفقہا کی کثیر اور مشہور جماعت موجود ہے۔

اس جماعت میں سے دو بزرگ غلام تھے جو غلام کی حیثیت سے ابھرے اور دنیائے علم کے سامنے حدیث وفقہ کے امام بن کر نمودار ہوئے۔ یہ دونوں امام سمعانی کے شیخ اور استاد تھے۔ ان کے نام ایک ہیں اور کنیتیں دو ہیں۔

ان میں سے ایک شیخ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ ہندی ہیں۔ یہ صوفی اور محدث تھے اور قاضی محمد بن اسماعیل یعقوبی کے (جو بوشنگ کے رہنے والے تھے) آزاد کردہ غلام تھے۔ بلند سیرت عالم تھے۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق، حجاز، اہواز، بغداد، بصرہ، اصفہان، کوہستان اور خوزستان کا سفر کیا۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ جہاں گئے وہاں کے شیوخ ومحدثین سے روایات سننے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے مثلاً بغداد میں ابو نصر محمد، ابوالفوارس طراد بن محمد بن علی زینبی اور ابومحمد رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی سے، بصرہ میں ابوعلی علی بن احمد بن علی تستری، حافظ حدیث ابوالقاسم عبدالملک بن علی بن خلف بن شعبہ اور ابویعلیٰ احمد بن محمد بن حسن عبدی سے، اصفہان میں طبقۂ محدثین کی بہت بڑی جماعت سے، اسی طرح بلادِ کوہستان کے اہل الحدیث سے احادیث و روایات کی سماعت کی۔ سمعانی نے بوشنگ اور ہرات میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ان کی وفات ۵۴۳ھ (۱۱۴۸ء) میں ہوئی❶۔

۳۔ بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد

یہ ابومحمد بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد ہیں۔ ان کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں کہ یہ میرے والد ابوبکر محمد سمعانی کے آزاد کردہ ہندی غلام تھے۔ ان کے ساتھ انھوں نے عراق اور حجاز کا سفر کیا اور ان سے بہت

● [illegible] ب سمعانی ورق ۵۹۲۔ معجم البلدان ج ۱ ص ۵۰۸۔

سی احادیث کا سماع کیا۔ الفاظ یہ ہیں:

انـه عتق الامام والدی رحمه الله سافر معه الی العراق و الحجاز و سمعه الحدیث الکثیر و کان عبدًا صالحًا۔

یہ صالح اور پرہیز گار آدمی تھے۔ انھوں نے حصولِ علم کے لیے عراق' ہمدان اور اصفہان وغیرہ ملکوں اور علاقوں کی خاک چھانی اور وہاں کے اساتذہ فن سے اخذ فیض کیا۔ بغداد میں ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج سے' ابو الفضل محمد بن عبدالسلام بن احمد انصاری سے اور ابو الحسین مبارک بن عبدالجبار طیوری سے' ہمدان میں ابو محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن حسن دونی سے اور اصفہان میں ابو الفتح محمد بن احمد حداد اور ان کے طبقے سے سماعِ حدیث کی۔ خود سمعانی نے ان سے روایات سننے کا شرف حاصل کیا۔ ان کا انتقال ماہ صفر ۵۴۱ھ (جولائی ۱۱۴۶ء) میں مرو میں ہوا❶۔

ع

۴۔ ابو الحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری

لاہور برصغیر پاک و ہند کا قدیم اور مشہور شہر ہے۔ اس میں بے شمار علما و فقہا' مفسرین و محدثین اور عباد و زہاد باہر سے بھی آئے اور خود اس شہر میں بھی پیدا ہوئے' سمعانی یعنی ابو سعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ۔۱۱۶۷ء) نے اسے ''لوہور'' بھی لکھا ہے اور ''لاہور'' بھی۔ اور اسے بلاد ہند کا ''کثیرۃ الخیر'' شہر قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں سمعانی کے الفاظ یہ ہیں۔

وهی مدینة من بلاد الهند' کثیرة الخیر' ویقال لها لوهور ولاهور' خرج منها جماعة من العلماء❷۔

یعنی یہ بلادِ ہند کا ایک کثیر الخیر شہر ہے۔ اسے لوہور بھی کہا جاتا ہے اور لاہور بھی۔ اس میں علمائے کرام کی ایک جماعت نمودار ہوئی۔

سمعانی نے لاہور کے تین علمائے عظام کا ذکر کیا ہے اور وہ ہیں' ابو الحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری' ابو الفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعثی لاہوری' اور ابو القاسم محمود بن خلف لاہوری۔۔۔ الشیخ ابو الحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں:

یہ ادیب و شاعر بھی تھے اور محدث بھی۔ سخن طراز بھی تھے اور شگفتہ مزاج بھی۔ بہت سی

❶ الانساب سمعانی ورق ۵۹۲۔

❷ الانساب' سمعانی' ورق ۴۹۷۔

احادیث انھیں زبانی یاد تھیں۔ حافظ ابوعلی مظفر بن الیاس بن سعید سعیدی کے شاگرد تھے۔
سمعانی ان کے متعلق مزید لکھتے ہیں: میں خود ان سے نہیں ملا' لیکن حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطے سے مجھے ان کی شاگردی کا فخر حاصل ہے ان کا فیضِ علم لاہور سے بغداد تک جاری تھا۔
سمعانی کے الفاظ یہ ہیں:

ابو الحسن علی بن عمر بن الحکم اللوھوری کان شیخاً' ادیباً' شاعراً کثیر المحفوظ' ملیح المحاورة' سمع ابا علی المظفر بن الیاس بن سعید السعیدی الحافظ' لم الحقه و روی لنا عنه ابو الفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ البغدادی❶۔

۵۔ عمرو بن سعید لاہوری

شیخ عمرو بن سعید لاہوری' چھٹی صدی ہجری کے لاہور کی عظیم علمی شخصیت تھے۔ یہ بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ تذکروں میں ان کے مفصل حالات نہیں ملتے' لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے تلامذہ کا حلقہ وسیع تھا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ان کا ذکر کیا ہے۔ محمد بن ابوبکر اصفہانی (متوفی ۵۸۱ھ۔۱۱۸۵ء) ان کے شاگرد تھے۔ افسوس ہے شیخ عمرو بن سعید کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ نہ ان کی ولادت و وفات کے سنین کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کے اساتذہ و تلامذہ کے بارے میں تفصیلات مہیا ہو سکی ہیں❷۔

—— م ——

۶۔ شیخ محمد بن عبدالملک جرجانی

لاہور کے مشہور اور جلیل القدر علما میں شیخ محمد بن عبدالملک خطیر الدین کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور زہد و تقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ اس سلسلے میں اپنے زمانے میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار میں سے چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

گردشِ روزگار پُر عبراست — نیک داند کسے کہ معتبراست
چرخ پُر شعبدہ است و پُر نیرنگ — ہمہ نیز نگہاش کار گراست
بدو نیک زمانہ مختلط است — غم و شادیش ہر دو منتظر است

❶ الانساب ورق ۴۹۷۔
❷ معجم البلدان ج ۵' ص ۲۷۔

ہست حمال آب دریا ابر خاک راحقہ ہای پُر درد است
باز شمشیر برق تیغ کشید چوں پلان کوہسار باکراست
اندرین روزگار نا سامان ہر کہ باعاشقیست باہنراست
ہم چوروباہ ہست کشتہ دم؟ ہم چوطاؤس مبتلای پراست
اختر و آخشیج بے مہر اند اگر ایں مادر است و آں پدر است
از چنیں مادر و پدرچہ عجب کہ موالید ماندہ دربدر است ❶

افسوس ہے' ان کے حالات کا اس سے زیادہ علم نہ ہوسکا۔

۷۔ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری

شیخ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری فقیہ اور مناظر تھے۔ سمعانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

و ابو القاسم محمود بن خلف اللوهوری فقيه و مناظر' تفقه علی جدی الامام ابی المظفر السمعانی و سمع منه وغيره' سمعت منه شيئا يسيرا' باسفرائن و كان قد سكنها و توفی فی حدود سنة اربعين و خمس مائة❷۔

یعنی ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری' فقیہ اور مناظر تھے۔ میرے دادا امام ابوالمظفر سمعانی سے علم فقہ حاصل کیا۔ ان کے علاوہ دیگر علما و محدثین سے بھی سماعتِ علم کی۔ میں نے اسفرائین میں ان سے کچھ روایات سننے کا شرف حاصل کیا۔ انھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۵۴۰ھ (۱۱۴۶ء) کے لگ بھگ فوت ہوئے۔

۸۔ مخلص بن عبداللہ ہندی

شیخ ابوالحسن بن عبداللہ ہندی مہذبی۔ یہ چونکہ مہذب الدولہ ابوجعفر دامغانی کے آزاد کردہ غلام تھے' اس لیے مہذبی کہلائے۔ یہ نسبت مہذب کی طرف ہے جو ان کے آزاد کرنے والے کا لقب تھا۔

مخلص بن عبداللہ درحقیقت ہندی تھے' لیکن بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بغداد میں انھوں نے شیخ ابوالغنائم محمد بن علی نرسی' ابولقاسم بزاز اور ابوالفضل حنبلی وغیرہم سے احادیث سنیں۔ سمعانی کہتے ہیں' میں نے بغداد میں مخلص بن عبداللہ سے کچھ احادیث سنی تھیں ❸۔

❶ لباب الالباب۔ از نورالدین محمد عوفی' ج ۱' ص ۲۳۲ (مطبوعہ لیدن)

❷ الانساب' ورق ۴۹۷۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۱۱۱' ۱۱۲۔ بحوالہ الانساب۔

ی

۹۔ یوسف بن ابوبکر گردیزی

ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: سید یوسف بن ابوبکر بن علی بن محمد بن حسین بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن محمد الدیباج بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین۔۔۔ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں مضافاتِ غزنی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، جس کا نام گردیز تھا۔ بچپن ہی میں تحصیل علم میں مصروف ہو گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اپنے باپ سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے شہرہ آفاق بزرگ حضرت شیخ ابویزید بسطامی رحمہ اللہ سے اخذ فیض کیا یعنی (باپ اور دادا کے) دو واسطوں سے یہ شیخ ابو یزید بسطامی کے شاگرد ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق اپنے دادا سے کسب علم کیا۔ یعنی صرف ایک واسطے سے ان کو حضرت ابو یزید بسطامی کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔

بہت بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ حصولِ علم کے بعد گردیز سے ملتان منتقل ہو گئے اور دعوت وارشاد کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیا۔ ان سے خلقِ کثیر نے فیض حاصل کیا اور بے شمار لوگ ان کے حلقہ شاگردی میں داخل ہوئے۔ بدرجہ غایت عبادت گزار اور ہر آن خشیتِ الٰہی میں رہنے والے تھے۔ ان کی طرف بہت سے کشوف و کرامات منسوب ہیں، جن کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ۸۱ سال کی عمر پا کر ۱۲ ربیع الاول ۵۳۱ھ (۸ دسمبر ۱۱۳۶ء) کو ملتان میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے [1]۔

---

[1] نزہۃ الخواطر۔ ج ۱، ص ۱۱۹۔ بحوالہ جمال یوسف۔

ساتویں صدی ہجری

الف

۱۔ شیخ احمد بن محمد ہانسوی

شیخ احمد بن محمد بن مظفر بن ابراہیم خطیب۔ انھیں شیخ جمال الدین نعمانی ہانسوی بھی کہا جاتا ہے۔ شہر ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ جہاں تقویٰ و صالحیت کے اوصاف سے متصف تھے' وہاں نامور عالم دین اور فقیہ بھی تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا ہے۔ تصوف و طریقت کے لیے شیخ فرید الدین مسعود (پاک پٹن) کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے اور ان کے اعاظم خلفا میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ سلسلۂ سلوک میں اس درجہ اونچے مقام پر پہنچے کہ ان کی وجہ سے شیخ فرید الدین پورے بارہ سال شہر ہانسی میں قیام فرما رہے۔ شیخ فرید الدین کے نزدیک ان کا مرتبہ سلوک اتنا بلند تھا کہ جب وہ کسی بزرگ کو کسی علاقے کا خلیفہ مقرر فرماتے اور تصوف و سلوک کے سلسلے کو آگے بڑھانے کی غرض سے ان کو سند و اجازہ تحریر کر کے دیتے تو اس کو پہلے انہی شیخ احمد جمال الدین ہانسوی کی خدمت میں بھیجتے۔ اگر شیخ احمد جمال الدین اسے لائق خلافت گردانتے اور سند و اجازہ پر اپنی مہر ثبت کر دیتے تو شیخ فرید الدین اس کی خلافت باقی رہنے دیتے اور اگر وہ مہر نہ لگاتے اور اسے رد کر دیتے تو شیخ فرید الدین بھی اسے قبول نہ فرماتے اور کہتے' جس کو جمال نے گرا دیا وہ ترقی کی منزلیں طے نہ کر پائے گا۔ نیز فرماتے ''جمال' جمال است۔''

شیخ جمال الدین ہانسوی کا عربی میں ایک رسالہ بھی ہے' جو ملھمات کے نام سے موسوم ہے۔ ان کا ایک فارسی دیوان ہے۔

ان کا انتقال ۶۵۹ھ (۱۲۶۱ء) میں ہوا❶۔

۲۔ شیخ اسحاق بن علی بخاری

شیخ اسحاق بن علی بن اسحاق بخاری۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی بن حسین سے ملتا ہے۔ انھیں بدر

❶ اخبار الاخیار۔ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۶۷۔ نزہتہ الخواطر۔ ج ۱' ص ۱۲۲۔

الدین اسحاق بھی کہا جاتا ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ دہلی میں اپنے باپ شیخ علی بن اسحاق بخاری سے، جنھیں منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، تحصیل علم کی۔ طلبا میں خوش طبعی اور تیزیٔ ذہن میں ممتاز تھے۔ مروّجہ علوم میں ماہر تھے۔ عظیم فقیہ اور زاہد تھے۔ تحصیل علم کے بعد طویل عرصے تک دہلی کے مدرسہ معزیہ میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ایک مرتبہ بخارا جانے کا ارادہ کیا اور دہلی سے چلے تو اثنائے سفر میں اجودھن (پاک پٹن) پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ شیخ فریدالدین رحمہ اللہ ایک نہایت صالح اور متقی بزرگ ہیں جو اس آبادی میں تشریف فرما ہیں۔ ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ شیخ فریدالدین نے ان کے چہرے اور کردار و سیرت میں فضیلت کے آثار دیکھے تو اپنے پاس ہی رہنے کا حکم دیا۔ اپنی بیٹی ان کے عقد میں دی اور صوفیا کے طریقے کے مطابق خرقہ ان کے زیب تن کیا۔ پھر تمام عمر وہ حضرت شیخ فریدالدین کی خدمت میں رہے۔

زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ایک مقام رکھتے تھے۔ خشیت الٰہی کا جذبہ ہر آن قائم رہتا۔ جب دیکھو اللہ کے ڈر سے آنکھیں اشک بار ہیں۔

شیخ فریدالدین رحمہ اللہ نے اپنے بعض خلفا اور اصحاب ارادت کو عوام کی رشد و ہدایت کے لیے مختلف علاقوں اور شہروں میں متعین کر رکھا تھا۔ مثلاً کسی کے سپرد کلیر کا علاقہ تھا اور کسی کے دہلی کا۔ شیخ اسحاق کو بھی اس ضمن میں کسی علاقے میں بھیجنا چاہا مگر انھوں نے باہر جانے سے معذرت کر دی اور مرشد کی خدمت میں پاک پٹن ہی میں مقیم رہنے پر اصرار کیا حتیٰ کہ وہیں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

ان کی تصنیفات بھی ہیں، جن میں ایک کتاب کا نام اسرار الاولیا ہے۔ اس میں اپنے شیخ فریدالدین رحمہ اللہ کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں۔ ایک کتاب عربی نظم میں علم صرف سے متعلق ہے۔

۶/جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ (۱۸/اپریل ۱۲۹۱ء) کو پاک پٹن میں فوت ہوئے [1]۔

ـــ ب ـــ

۳۔ شیخ بدرالدین دلموی

شیخ بدرالدین علوی حسینی دلموی، بہت بڑے متقی بھی تھے اور جلیل القدر فقیہ بھی۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ شیخ کبیر عثمان ہارونی کی صحبت میں رہنے کی سعادت حاصل کی اور انہی سے طریقہ چشتیہ کی تعلیم پائی۔ پھر ہندوستان آئے اور رائے بریلی سے دس میل کے فاصلے پر ایک مقام دلمو میں رہائش اختیار کی۔ ۶۴۶ھ (۱۲۴۸ء) میں دلمو میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ بعض حضرات نے ''بدرتم'' سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ ان کی لوح قبر پر بھی ''بدرتم'' مرقوم ہے [2]۔

[1] اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ص ۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ا۔ ص ۱۲۴۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۳۱۔

[2] نزہۃ الخواطر۔ ج ا۔ ص ۱۲۶ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

۴۔ شیخ بدر الدین سمرقندی

شیخ بدر الدین فردوسی سمرقندی، جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے۔ سرزمین ہند کے ان مشہور مشائخ میں سے تھے جنھوں نے شیخ سیف الدین باخرزی سے علم طریقت حاصل کیا اور کافی عرصہ ان سے وابستہ رہے۔ بعض حضرات کے نزدیک شیخ باخرزی کی وساطت کے بغیر شیخ نجم الدین کبریٰ سے اخذ طریقت کیا۔ کہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ انھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو دیکھا تو ہے لیکن ان سے طریقت نہیں سیکھی۔ طریقت کے لیے شیخ باخرزی کے سامنے ہی دوزانو ہو کر بیٹھے۔ البتہ شیخ باخرزی نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے اخذ طریقت کیا ہے۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے زمانے میں وارد دہلی ہوئے۔ صورت وسیرت میں بلند پایہ بزرگ تھے۔ مشائخ طریقہ فردوسیہ کے یہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان آئے اور پھر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

ان سے شیخ رکن الدین دہلوی اور بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔ شیخ نظام الدین کے زمانے میں دہلی میں وفات پائی ❶۔ خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) میں فوت ہوئے، لیکن یہ صحیح نہیں ❷۔

۵۔ شیخ بدر الدین غزنوی

شیخ بدر الدین غزنوی صالحیت اور فقاہت میں ممتاز درجہ کے مالک تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا ہے۔ کم عمری ہی میں غزنی سے لاہور آ گئے تھے اور یہاں آ کر اپنی تمام کوششیں تحصیل علم کے لیے وقف کر دی تھیں۔ انھوں نے اپنے زمانے کے جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر لاہور سے دہلی منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں اسلامی ممالک تاتاریوں کے دست تظلم کا شکار بنے ہوئے تھے۔ ہر طرف تباہی پھیلی ہوئی تھی اور اسلامی ملکوں سے، بے شمار علمائے دین، شہزادے اور امرا و وزرا ہندوستان آ گئے تھے اس لیے کہ ہندوستان میں امن تھا اور اس کے حکمران علما و صلحا کی قدر کرتے تھے۔ شیخ بدر الدین غزنوی دہلی پہنچے تو ان لوگوں سے انھیں اسلامی ممالک کا حال معلوم ہوا اور پتا چلا کہ یہ فتنہ ان کے آبائی شہروں میں بھی پہنچ گیا ہے اور ان کے ماں باپ اس ہنگامے میں قتل کر دیے گئے ہیں۔ یہ الم ناک خبر سن کر شیخ بدر الدین نہایت پریشان ہوئے اور دہلی ہی کو اپنا مستقل وطن قرار دے لیا۔ دہلی میں ان دنوں صالحیت وتصوف میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی کا بہت شہرہ تھا۔ یہ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ تمام عمر ان سے وابستہ رہے اور ان کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔ ان کے دور خلافت میں شیخ امام الدین نے

---

❶ اخبار الاخیار۔

❷ نزہۃ الخواطر۔ ج ۱ ص ۱۲۷۔

ان سے علم طریقت حاصل کیا۔

۶۵۷ھ (۱۲۵۹ء) میں دارالحکومت دہلی میں وفات پائی❶۔

۶۔ مولانا برہان الدین بزاز

علامہ برہان الدین بزاز دہلوی ہندوستان کے مشہور حکمران سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے کبار فقہا میں سے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ غیاث الدین بلبن ان کی بے حد تکریم کرتا تھا❷۔

اس سے زیادہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

۷۔ شیخ برہان الدین بلخی

شیخ برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی، عہد سلطان غیاث الدین بلبن کے اکابر علما و فضلا میں سے تھے۔ فقیہ و محدث، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، ماہر فنون رسمیہ و عرفیہ، صاحب شریعت و طریقت اور شاعر تھے۔ شعر عارفانہ کہتے تھے۔ انھوں نے مشارق الانوار (تصنیف حسن بن محمد صغانی) براہ راست اس کے مصنف علام سے باسناد سنی تھی۔

سلطان غیاث الدین بلبن ہر جمعے کو نماز جمعہ کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دیر تک ان کے پاس بیٹھتا۔

فرماتے ہیں میں چھ سات سال کی عمر کا بچہ تھا اور اپنے والد کے ساتھ جا رہا تھا کہ سامنے سے صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کی سواری آئی۔ میں ہجوم میں باپ سے الگ ہو گیا۔ اتنے میں شیخ کی سواری قریب آ گئی تو میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ انھوں نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ ''درمن تیز بدید'' اور فرمایا اللہ مجھے یہ کہلواتا ہے کہ یہ چھوٹا سا بچہ اپنے زمانے میں علامہ ہوگا۔ الفاظ یہ ہیں:

خدا مرا چنیں می گویاند کہ ایں کودک در روزگار خویش علامہ عہد شود۔

میں نے یہ بات اپنے کانوں سے سنی اور شیخ کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔

پھر فرمایا: خدا مجھے یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اس مرتبے کا حامل ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر حاضری دیں گے۔

خدا مرا چنیں می گویاند کہ ایں کودک چناں شود کہ بادشاہ بر در اِو بیانند۔

اس کے بعد شیخ برہان الدین بلخی نے اپنے بارے میں فرمایا کہ اللہ مجھ سے ایک گناہ کبیرہ کے بارے

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج ۱، ص ۱۲۶ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔ نیز دیکھیے تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۱۱۲۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۲۸۔

میں ضرور باز پرس کرے گا۔

لوگوں نے سوال کیا: وہ کون سا گناہ کبیرہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ سے باز پرس کی جائے گی؟

جواب دیا: سماع چنگ است کہ چنگ را بسیار شنیدہ ام۔
یعنی وہ گناہ کبیرہ سماع چنگ ہے (ایک قسم کا باجہ) جو میں بہت دفعہ سن چکا ہوں۔

ان کی وفات ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء) میں ہوئی۔ قبر دہلی میں حوض شمسی کے مشرقی جانب ہے جسے تختہ نور کہتے ہیں۔ "محدث فہیم" تاریخ وفات ہے ❶۔ وہاں کے اکثر لوگ ان کی قبر کی مٹی بچوں کو کھلاتے تھے تاکہ ان کے ذہن میں تیزی پیدا ہو اور وہ زیادہ علم حاصل کریں ❷۔

۸۔ مولانا برہان الدین نسفی

شیخ برہان الدین نسفی، عظیم المرتبت عالم تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ میں عبور رکھتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں ان کی مسند درس بچھی ہوئی تھی، جس سے لوگ کثیر تعداد میں فیض یاب ہوئے اور بے شمار مشائخ نے ان سے استفادہ کیا۔

ان کی خدمت میں حصول علم کے لیے کوئی طالب علم حاضر ہوتا تو تین شرطیں اس کے سامنے رکھتے جن پر عمل کرنا ضروری قرار دیتے۔

اول یہ کہ جو کھانا اس کا جی چاہے کھائے لیکن دن اور رات میں ایک ہی وقت کھائے تاکہ پیٹ کھانے ہی سے نہ بھر جائے بلکہ اس میں علم کے لیے بھی جگہ باقی رہے۔

دوم یہ کہ درس میں روزانہ حاضر ہوگا، کسی دن بھی غیر حاضری نہیں کرے گا۔ اگر ایک مرتبہ بھی غیر حاضر رہا تو وہ اسے کبھی نہیں پڑھائیں گے۔

سوم یہ کہ جب کبھی وہ انھیں راستے میں ملے گا تو صرف سلام مسنون کہنے پر اکتفا کرے گا، اس سے آگے نہیں بڑھے گا اور ہاتھ پیر چومنے کی قطعاً کوشش نہیں کرے گا ❸۔

---

❶ تذکرہ علمائے ہند میں ۸۸۷ھ (۱۴۸۲ء) لکھا گیا ہے، جو غلط ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ بسال ہشت صدد ہشتاد وہفت ہجری وفات یافتہ (ص ۳۲)۔ یہ اس لیے بھی غلط ہے کہ غیاث الدین بلبن کی وفات ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) میں ہوئی اور یہ اس کے عہد کے عالم وفقیہ ہیں۔ اردو ترجمہ میں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (دیکھیے تذکرہ علمائے ہند۔ اردو ترجمہ۔ ص ۱۳۰)

❷ اخبار الاخیار۔ ص ۴۶، ۴۷۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۳۲) اردو ترجمہ ص ۱۳۰۔ حدائق الحنفیہ (مولوی فقیر محمد جہلمی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) ص ۶۳، ۶۴۔ انڈین کنٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر (ڈاکٹر محمد اسحاق) ص ۵۲۔

❸ فوائد الفواد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء۔ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۴۶، ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۳۲

ج

۹۔ قاضی جلال الدین کاشانی

قاضی جلال الدین کاشانی ساتویں صدی ہجری کے جید عالم اور ممتاز فقیہ تھے۔ دارالملک دہلی میں منصب قضا پر فائز تھے' لیکن معز الدین بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ (۱۲۴۲ء) میں اس شبہے کی بنا پر ان کو معزول کر دیا تھا کہ وہ اس کو بادشاہت سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ بعد ازاں وہ اودھ چلے گئے' جہاں عہدۂ قضا پر متعین رہے۔

بہرام شاہ کے بعد علاء الدین مسعود شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے اتوار کے روز ۱۱ ربیع الاول ۶۴۱ھ (۲۹/اگست ۱۲۴۳ء) کو انھیں اودھ سے بلا کر بسلسلہ سفارت لکھنوتی بھیج دیا اور وہاں بھیجنے سے پہلے ان کو خلعت اور چتر عنایت کر کے ان کی قدر و منزلت کی۔

''واز حضرت قاضی جلال الدین کاشانی کہ قاضی اودھ بود دریں عہد با تشریف و چتر لعل' نامزد لکھنوتی شد۔''

بعد ازاں بروز دوشنبہ ۱۰ جمادی الاخری ۶۴۷ھ (۲۰ ستمبر ۱۲۴۹ء) کو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں انھیں دوبارہ منصب قضا عطا کیا گیا۔ ان کی وفات جمعے کے روز ۲۷ ذی قعدہ ۶۴۸ھ (۲۰/فروری ۱۲۵۱ء) کو ہوئی [1]۔

ح

۱۰۔ شیخ حسام الدین ملتانی

شیخ حسام الدین ملتانی بدرجہ غایت متقی تھے اور ان حضرات عالی مقام میں سے تھے جو علم و معرفت کے اعتبار سے امتیاز و انفرادیت کے حامل ہیں۔ صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب طریقت بھی تھے اور اس سلسلے میں ان کو شیخ صدر الدین محمد بن زکریا ملتانی رحمہ اللہ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل تھا۔ ملتان سے بدایوں تشریف لے گئے تھے' وہیں سکونت اختیار کر لی تھی اور وفات بھی وہیں ہوئی۔

منقول ہے کہ انھیں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دیکھتے ہیں کہ شہر سے باہر حوض میں وضو کر رہے ہیں۔ اسی وقت آنکھ کھل گئی۔ جلدی سے اس مقام کی طرف دوڑے جو خواب میں نظر

[1] ۔ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۱۔ طبقات ناصری ج ۱ ص ۴۶۴' ۴۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۳۴۔ بزم مملوکیہ ص ۱۷۴۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۳

آیا تھا۔ دیکھا کہ اس میں تازہ پانی کا اثر ہے۔ وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد انھیں اسی مقام پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء) میں ہوئی❶۔

۱۱۔ خواجہ حسن معین الدین اجمیری

حضرت خواجہ معین الدین کا اسم گرامی حسن اور لقب معین الدین تھا۔ سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ عالم و فاضل، محدث و فقیہ عابد و زاہد اور مشہور ولی اللہ تھے۔

۵۳۷ھ (۱۱۴۳ء) میں بلدۂ بجستان میں پیدا ہوئے۔ بارہ یا پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد نے ان کے لیے ایک باغ ورثے میں چھوڑا تھا۔ عرصے تک اس کی آمدنی سے گزر اوقات کا سلسلہ جاری رہا۔ باغ کی نگہداشت خود ہی کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول باغ میں بیٹھے تھے کہ ایک مجذوب قلندر جن کا نام ابراہیم تھا باغ میں آئے۔ حضرت خواجہ نے آگے بڑھ کر ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے، لیکن مجذوب نے انگور نہ کھایا اور کھلی کا ایک ٹکڑا دانتوں سے چبا کر خواجہ کے منہ میں ڈالا۔ ادھر کھلی کا یہ ٹکڑا حلق سے نیچے اترا اور ادھر قلب نور الٰہی سے روشن ہوگیا۔ اسی وقت معاملات دینوی کو چھوڑ کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند جا پہنچے۔ وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری حاصل کیے۔ سمرقند سے عراق کا رخ کیا اور چلتے چلتے قصبہ ہارون تشریف لے گئے جو علاقہ نیشاپور میں واقع تھا۔ وہاں حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے تو مرشد نے وضو کرایا۔ دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر قبلہ رو ہو کر سورہ بقرہ کی تلاوت کرائی۔ بعد ازاں اکیس مرتبہ درود شریف پڑھایا۔ پھر مرید کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اپنا چہرہ اٹھایا اور فرمایا:

''ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم''

کچھ عرصہ بعد شیخ عثمان ہارونی کی معیت میں سیوستان کا سفر کیا اور ان کے ساتھ مدینہ منورہ گئے اور حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظّمہ پہنچے۔ سیر الاقطاب اور مونس الارواح کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ ہی میں خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہندوستان جانے کا اشارہ ہوا۔

ہندوستان آئے تو پہلے لاہور کو اپنا مسکن بنایا۔ کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنے کے بعد ملتان گئے اور وہاں پانچ سال مقیم رہے۔ ملتان میں ہندوؤں کی زبان، (سنسکرت) سیکھی۔ ملتان سے دہلی کا قصد کیا اور دہلی سے روانہ ہوئے تو ۱۰ محرم الحرام ۵۶۱ھ (۱۶ نومبر ۱۱۶۵ء) کو اجمیر پہنچے۔ اس دور میں چوہان خاندان کا راجپوت راجا جس کا نام پتھورا تھا، اجمیر اور دہلی کا حکمران تھا۔ راجا اور اس کے حکام نہیں چاہتے تھے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیر میں قیام پذیر ہوں، مگر وہ ان کو اجمیر سے نکل جانے پر مجبور نہ کر سکے۔ بالآخر ہندو جوگیوں کی

❶ نزہۃ الخواطر ج ا ص ۱۴۴۔ بحوالہ فوائد الفواد و خزینۃ الاصفیا۔

خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ اپنے جادو اور منتروں کے زور سے ان پر غلبہ پائیں اور انھیں اجمیر کی حدود سے باہر نکال دیں۔ اس سلسلے میں ایک ہندو جوگی جے پال نے پوری کوشش کی مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور آخر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کے علاوہ شیخ کی تعلیم سے راجا پتھورا کے متعدد حکام اور ملازمین بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اجمیر اور اس کے نواح میں تبلیغ اسلام کی یہ پہلی کوشش تھی جو ایک عابد و زاہد فقیہ کی طرف سے شروع کی گئی تھی۔ بے شمار ہندو اسلام قبول کرنے لگے تو راجا پتھورا نے حضرت شیخ کو اجمیر سے جبراً نکال دینے کی دھمکی دی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا:

''پتھورا را زندہ گرفتیم و بہ مسلمانان دادیم''۔

ہم پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ (۱۱۹۱۔۱۱۹۲ء) میں یکے بعد دیگرے پتھورا پر دو حملے کیے اور وہ آخری حملے میں گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد اجمیر اور اس کا گرد و نواح اسلام کی شمع فروزاں سے روشن ہو گیا۔

سیر الاولیا میں ہے:

بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت۔

کہ اس سرزمین پر اس آفتاب اہل یقین کے قدم پڑتے ہی جو واقعتہً معین الدین تھا' ان دیار کی ظلمت' نور اسلام سے روشن و منور ہو گئی۔

جدھر نکل جاتے' غیر مسلم اس درجہ متاثر ہوتے کہ انھیں دیکھتے ہی مسلمان ہو جاتے۔ اس ضمن میں خزینۃ الاصفیا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ہزار در ہزار از اصفیا و کبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ' مشرف بشرف اسلام و ارادت آنحضرت شدند بحدیکہ چراغ اسلام در ہند بطفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت۔

یعنی ہزاروں بڑے چھوٹے اس محبوب خدا کے حضور حاضر ہو کر مذہب اسلام اور ان کی عقیدت سے بہرہ ور ہوتے۔ یہاں تک کہ اس خاندان عالی مرتبت کی بدولت ہندوستان نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔

فقاہت میں ان کا درجہ کتنا بلند تھا؟ اس کا اندازہ ان کے اقوال و تشریحات سے کیجیے جو نماز' روزہ' حج' تلاوت قرآن پاک اور دیگر عبادات کے سلسلے میں ان سے منقول ہیں۔

انھی اوصاف کے حامل بزرگان اسلام اور علمائے کرام کی تبلیغی مساعی سے ظلمت کدۂ ہند نور اسلام سے منور ہوا۔

پیر کے روز ۶ رجب ۶۲۷ھ (۲۱ مئی ۱۲۳۰ء) کو فوت ہوئے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے سال وفات ۶۳۱ھ (۱۲۳۴ء)، بعض نے ۶۳۲ھ (۱۲۳۵ء) اور بعض نے ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) بھی لکھا ہے ❶۔

یہ برصغیر زمانۂ قدیم میں بہت بڑے رقبے پر محیط تھا۔ برما، سری لنکا، کابل وغیرہ کے علاقے بھی اس میں شامل تھے۔ دور دراز تک پھیلے ہوئے ان علاقوں میں مختلف بزرگانِ دین کی کوششوں سے اسلام کی روشنی پہنچی۔ ان بزرگوں کو آپ مبلغین سے تعبیر کیجیے، واعظین، مدرسین، معلمین، مرشد، پیر، صوفیا جو لفظ چاہیے ان کے لیے زبان پر لایئے یہ اسلام کے بہرحال سچے داعی تھے۔

''صوفی'' کے لفظ سے بعض حضرات بہت بدکتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بھنگ نوشوں اور چمٹا برداروں کو ''صوفی'' نہیں کہا جاتا۔ برصغیر میں نیک اور پرہیزگار لوگوں کے لیے صوفی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو حضرات نماز روزے کے پابند اور اعمال خیر پر کاربند ہیں ان پر ہمارے ہاں ''صوفی'' کا اطلاق ہوتا ہے اور پرانے بزرگانِ دین کا یہی شیوہ تھا اور یہی ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ جن حالات میں انھوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی وہ نہایت اذیت ناک حالات تھے۔ ان حالات میں انھوں نے قریہ قریہ جا کر اسلام کی تبلیغ کی اور دین سے بالکل ناآشنا لوگوں کو اس کی تعلیم سے آشنا کیا۔

بعد میں آنے والے لوگوں نے ان کی تعلیم کو غلط انداز میں پیش کیا، وہ اقوال وملفوظات جو ان کی طرف منسوب ہیں، ان میں وہ رنگ بھرا جس کا ان کے عمل وفعل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ عرسوں کے قائل تھے، نہ گانے بجانے سے انھیں کوئی علاقہ تھا، نہ بھنگڑا ڈالنے اور قبروں پر چادریں چڑھانے کا انھوں نے حکم دیا تھا، نہ مزاروں پر ماتھا رگڑنے اور کسی زندہ یا مردہ شخص سے مرادیں مانگنے کے لیے انھوں نے کسی کو اشارہ کنایہ کیا تھا۔ یہ سب رسوم وبدعات جو بعض اوقات اعمال شرک تک پہنچ جاتی ہیں بعد کے لوگوں کی ایجاد ہیں۔ ان پاک باز حضرات کا ان سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اہل علم مولانا شمس الدین اکبر آبادی نے اپنی کتاب تذکرۃ الصالحین کی جلد سوم کے صفحہ ۲۴۹ پر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ تہجد کے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ احْشُرْنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَعَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ وَ زُمْرَتِھِمْ۔

اے اللہ! مجھے قیامت کے دن اہل حدیث اور ان کے گروہ کے ساتھ اٹھانا۔

یہ تھی ان بزرگانِ دین کی اصل سیرت اور تمنا، جس پر غلط کردار لوگوں نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

❶ تفصیلات کے لیے دیکھیے سیر العارفین، سیر الاقطاب، مونس الارواح، خزینۃ الاصفیا، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اخبار الاخیار، تاریخ فرشتہ، اکبر نامہ، تزکِ جہانگیری، نزہۃ الخواطر جلد اول، بزم صوفیہ۔

۱۲۔ شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری

ابو الفضائل حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی عدوی عمری صغانی لاہوری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ کنیت ابو الفضائل اور لقب رضی الدین ہے۔ اصل وطن صغان تھا' جسے فارسی میں چغان کہا جاتا ہے۔ یہ شہر علاقہ ماوراء النہر میں واقع ہے۔ ان کے آباو اجداد صغان سے لاہور آ گئے تھے۔ ان کی ولادت بعہد خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی ۱۵ صفر ۵۵۷ھ (۳ فروری ۱۱۶۲ء) کو (ایک روایت کے مطابق ۵۷۷ھ (۱۱۸۱ء) کو) لاہور میں ہوئی اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی۔ یوں تو تمام علوم میں ماہر تھے' مگر حدیث' فقہ اور لغت میں اپنے دور کے امام مانے جاتے تھے۔ نہایت عبادت گزار' کم گو' متین اور صادق القول تھے۔

عمر میں کچھ آگے بڑھے اور علمی شہرت پھیلی تو سلطان قطب الدین ایبک نے لاہور شہر کا منصب قضا پیش کیا' لیکن قبول نہ فرمایا اور غزنی چلے گئے۔ وہاں تدریس اور افادہ عام میں مشغول ہو گئے۔ غزنی سے عازم عراق ہوئے اور وہاں کے علمائے عظام سے اخذ علم کیا اور بہت سے علمائے عراق سے سند و اجازہ حاصل کیا۔ پھر مکہ مکرمہ گئے اور سعادت حج سے بہرہ مند ہوئے۔ وہاں خاصی مدت تک قیام رہا' اس اثنا میں مکہ مکرمہ کے اور عدن کے محدثین سے علم حدیث کی سماعت کی۔

عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ کے ایام خلافت یعنی (۶۱۵ھ۔۱۲۱۸ء) میں پھر عراق گئے۔ اس نے ان کو خاص طور سے اپنے ہاں دعوت دی' خلعت سے نوازا اور ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں شاہ ہند سلطان شمس الدین ایلتتمش کے نام ایک مکتوب دے کر اس کے پاس بطور سفیر بھیجا۔ اس سلسلے میں ایک عرصے تک دیار ہند میں سکونت پذیر رہے۔

پھر ۶۲۴ھ (۱۲۲۷ء) میں ہندوستان سے نکلے اور مکہ مکرمہ پہنچے' حج کیا اور وہاں سے یمن گئے۔ یمن سے وارد بغداد ہوئے۔ اس زمانے میں المستنصر باللہ بغداد کے تخت خلافت پر متمکن تھا اور سلطان شمس الدین ایلتتمش کی بیٹی سلطانہ رضیہ ہندوستان کی حکمران تھی۔ المستنصر باللہ نے ان کو سند سفارت دے کر رضیہ کے پاس بھیجا۔ اس مرتبہ تیرہ سال ہندوستان میں رہے اور ۶۳۷ھ (۱۲۴۰ء) میں مراجعت فرمائے بغداد ہوئے۔

ان کے تلامذہ کی فہرست بھی بڑی وسیع ہے جس میں شیخ شرف الدین دمیاطی' نظام الدین محمود بن عمر ہروی' محی الدین ابو البقا صالح بن عبداللہ بن جعفر علی بن صالح اسدی کوفی المعروف بہ ابن الصباغ' شیخ برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔

شیخ حسن بن محمد صغانی جہاں بہت بڑے محدث' فقیہ اور لغوی تھے' وہاں کثیر التصانیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ حدیث و فقہ اور لغت تینوں مضامین کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ ان میں سے درج ذیل

کتابیں خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ' مصباح الدجیٰ من صحاح احادیث المصطفیٰ' شمس المنیرہ من الصحاح الماثورہ' تبیین الموضاعات' عقلۃ العجلان' وفیات صحابہ' زبدۃ المناسک' کتاب الفرائض' درجات العلم والعلماء' کتاب الشوارد' کتاب الافتعال' کتاب العروض' کتاب العباب' شرح صحیح بخاری' شرح القلادۃ السمیطیہ فی توشیح الدریہ' کتاب التکملہ' مجمع البحرین' کتاب نوادر لغت' کتاب اسماء الفارۃ' کتاب اسماء الاسد' کتاب اسماء الذئب' کتاب شرح ابیات المفصل' کتاب بغیہ الصدیان۔

یہ ان کی مشہور تصانیف ہیں ورنہ ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جو ان کے علمی تبحر پر دلالت کناں ہیں۔ مشارق الانوار کو تو حلقہ اہل علم میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب عرصے تک درس میں شامل رہی اور طلبا و علما اسے باقاعدہ اساتذہ سے پڑھتے اور استفادہ کرتے رہے۔

ان کی وفات ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ء) میں بغداد میں ہوئی اور انھیں اپنے مکان حرم طاری (بغداد) میں بطور امانت دفن کیا گیا۔ پھر ان کی وصیت کے مطابق اسی سال ان کے بیٹے ان کی میت مکہ مکرمہ لے گئے اور وہاں دفن کیے گئے۔ بغداد سے مکہ مکرمہ میت لے جانے والوں کو ان کے بیٹوں نے پچاس دینار عطا کیے۔

''محدث زیب فصحا'' تاریخ وفات ہے ❶۔

شیخ حسن صغانی کے بارے میں تذکرہ علمائے ہند کے اردو مترجم جناب محمد ایوب قادری کی الفاظ بھی قابل ذکر ہیں:

''مولانا حسن صغانی لاہوری کا تعلق بدایوں سے بھی تھا۔ حضرت نظام الدین بدایونی نے لکھا ہے: ''اواز بداؤں است'' اور ان ہی کی روایت ہے کہ وہ کول کے نائب مشرف بھی رہے۔ اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے اور انھوں نے رضی الدین صغانی بدایونی اور رضی الدین صغانی لاہوری کو دو جداگانہ شخصیتیں قرار دیا ہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر اور انڈین کنٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر کے مولف کو بھی تسامح ہوا ہے ❷۔

---

❶ ابجد العلوم' نواب صدیق حسن خاں مرحوم' ص ۸۱۰' ۸۹۱۔ اتحاف النبلا نواب صدیق حسن خان مرحوم ص ۲۴۳' ۲۴۴۔ حدائق الحنفیہ مولوی فقیر محمد جہلمی' ص ۲۵۳ تا ۲۵۵۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۸' ۲۹۔ مآثر الکرام۔ ج ۱' ص ۱۸۰ تا ۱۸۲۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی) مولوی رحمان علی ص ۴۸۔ تذکرہ علمائے ہند۔ (اردو ترجمہ محمد ایوب قادری) ص ۱۶۱۔ نزہتہ الخواطر' سید عبدالحی حسنی لکھنوی جلد اول ص ۱۳۷ تا ۱۴۱۔

❷ تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ۔ از محمد ایوب قادری ص ۱۶۲۔

۱۳۔ شیخ حسین بن علی بخاری

سید حسین بن علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبداللہ بن علی بن جعفر بن علی بن محمد بن امام علی رضا۔ ان کا سلسلہ نسب دسویں پشت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ انھیں جلال الدین حسین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بخارا میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد شیخ علی بن جعفر سے تحصیل کی اور علم و معرفت میں اونچے درجے تک پہنچے۔

اپنے والد اور دادا کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ بھکر پہنچے تو وہاں کے ایک عالم بدر الدین بن صدر الدین حسینی بھکری کے ہاں قیام کیا۔ انھوں نے ان کے علم و فضل اور صالحیت و تقوی سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی زہرہ ان کے عقد میں دے دی۔ وہاں سے عازم ملتان ہوئے اور ۶۳۵ھ (۱۲۳۸ء) میں وہاں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ سے ملاقات کی، ان کی صحبت و ملازمت میں رہے، سلوک و تصوف کا علم حاصل کیا اور واپس بھکر تشریف لے گئے۔

شیخ بدر الدین بھکری کو ان سے اس درجہ قلبی تعلق تھا کہ ان کی اہلیہ محترمہ زہرہ وفات پا گئیں تو اپنی دوسری بیٹی فاطمہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ بھکر میں ایک مدت تک مقیم رہے۔ پھر خاندانی منازعت کی بنا پر وہاں سے اُوچ تشریف لے گئے۔

عالم دین، عارف باللہ، فقیہ، زاہد اور مرد صالح تھے۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو درس و افادۂ عام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ علما و مشائخ کی کثیر تعداد نے ان سے اخذ علم کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی صالح اولاد کے عمل و کردار میں بھی بڑی برکت پیدا کی اور انھوں نے اپنے علم و صالحیت سے آفاق ہند کو مالا مال کر دیا[1]۔

۱۴۔ شیخ حسین بدایونی

شیخ حسین بن ابوالحسن بدایونی فتال۔ عالم، متقی اور عارف باللہ تھے۔ ساتویں صدی ہجری کے فحول علما میں سے تھے۔ رسیاں بٹ کر گزر اوقات کرتے تھے، اس لیے "رسن تاب" کے نام سے مشہور تھے، جس کے معنی فتال یعنی رسیاں باٹنے والا ہے۔ قاضی حسام الدین ملتانی مدفون بہ بدایوں سے تحصیل علم کی اور قاضی حمید الدین محمد بن عطا ناگوری سے اخذ فیض کیا اور ایک عرصے تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی یہاں تک کہ مرتبہ کمال پر فائز ہو گئے۔

خود ان سے ان کے بڑے بھائی شیخ بدر الدین ابوبکر نے کسب فیض کیا۔ بدایوں میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے[2]۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۴۳، بحوالہ تذکرۃ السادۃ البخاریہ از علی اصغر گجراتی۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۴۱۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

د

۱۵۔ داؤد بن محمد اودھی

ساتویں صدی ہجری کے علمائے فقہ کی عظیم جماعت میں شیخ داؤد بن محمود چشتی اودھی بھی شامل ہیں۔ یہ فقاہت کے ساتھ ساتھ طریقت میں بھی کامل تھے۔ کہتے ہیں انھوں نے علم طریقت شیخ فرید الدین مسعود (پاک پٹن) رحمۃ اللہ سے حاصل کیا تھا۔ شیخ فرید الدین جب بلاد اودھ کے سفر پر نکلے تو دو مرتبہ ان کے گاؤں گئے۔

شیخ داؤد کا مرتبہ علمی اور درجہ تصوف اس قدر بلند تھا کہ شیخ نظام الدین اولیا احترام سے ان کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ ان کی قبر پاہی مئو نامی گاؤں میں ہے ❶۔

ر

۱۶۔ قاضی رفیع الدین گاذرونی

قاضی رفیع الدین گاذرونی، عہد غیاث الدین بلبن کے بہت بڑے عالم و فاضل شخص تھے۔ درس و تدریس ان کا مشغلہ تھا۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ دہلی کے عظیم القدر اساتذہ میں سے تھے ❷۔

۱۷۔ شیخ رکن الدین دہلوی

شیخ رکن الدین فردوسی دہلوی بے حد صالح اور اپنے دور کے مشہور فقیہ تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں علم فقہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ عہد طفولیت ہی میں شیخ بدرالدین سمرقندی دہلوی سے وابستہ ہو گئے تھے۔ عرصے تک ان سے منسلک رہے اور طریقہ فردوسیہ کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ بدر الدین نے شیخ سیف الدین باخرزی سے اور انھوں نے شیخ کبیر نجم الدین کبری (صاحب طریقہ کبرویہ) سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔

شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے قائم مقام مقرر ہوئے اور ان سے بے شمار لوگوں نے استفاضہ کیا۔

شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے زمانے میں وفات پائی۔

خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق ان کا سال وفات ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے ❸۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۴۶۔

❷ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۵۵۔

❸ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۵۶۔

۱۸۔ قاضی رکن الدین سامانوی

قاضی رکن الدین سامانوی عہد سلطان غیاث الدین بلبن کے کبار فقہا میں سے تھے۔ غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا۔ یہ عظیم فقیہ ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہے اور بے شمار حضرات نے ان سے علم حاصل کیا❶۔

ــــ ز ــــ

۱۹۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی

ان کا نام زکریا' والد کا نام محمد اور دادا کا نام علی تھا۔ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ کا لقب بہاء الدین' والد کا وجیہ الدین اور دادا کا کمال الدین تھا۔ شیخ بہاء الدین کی کنیت ابو محمد تھی۔

شیخ کمال الدین علی' قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے خوارزم اور خوارزم سے ملتان آ کر سکونت اختیار فرمائی۔ ملتان ہی میں ان کے بیٹے وجیہ الدین محمد پیدا ہوئے۔ وجیہ الدین بڑے ہوئے تو ان کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی بیٹی سے کر دی گئی جو تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ملتان کے نواح' قلعہ کوٹ کروڑ میں متوطن تھے۔ مولانا وجیہ الدین بھی شادی کے بعد اپنے خسر کے ساتھ کوٹ کروڑ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ پھر وہیں جمعہ کے دن ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ (۳ جون ۱۱۷۱ء) کو ایک روایت کے مطابق ۵۷۸ھ (۱۱۸۲ء) کو شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ہوئی۔

شیخ بہاء الدین بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار انتقال کر گئے۔ والد کی وفات کے بعد قرآت سبعہ کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر حصول علم کی غرض سے بخارا تشریف لے گئے جو اس زمانے میں مرکز علم اور مسکن علما و محدثین تھا۔ وہاں کے کبار علما سے استفادہ کیا۔ شروع ہی سے اس درجہ صالح اور متقی تھے کہ زمانہ طالب علمی میں باشندگان بخارا ان کو بہاء الدین فرشتہ کہا کرتے تھے۔ بخارا کے مختلف علما و فضلا سے متواتر آٹھ سال اخذ علم میں مصروف رہے۔

بخارا سے سوئے حجاز روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچے اور سعادت حج حاصل کی۔ پھر مدینہ منورہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہاں پانچ سال اقامت گزیں رہے اور اس عہد کے جلیل القدر محدث کمال الدین محمد یمانی سے علم حدیث پڑھا۔ شیخ کمال الدین محمد یمانی نے پورے ترپن (۵۳) سال حرم نبوی میں درس حدیث دیا اور بے شمار فقہا و محدثین ان سے مستفید ہوئے۔

❶ تاریخ فیروز شاہی' برنی ص ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۱۵۵۔

شیخ بہاء الدین زکریا رحمہ اللہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس گئے اور وہاں سے بغداد روانہ ہوئے۔ بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور خرقہ خلافت کے مستحق قرار دیے گئے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں ستر روز قیام فرمایا اور تمام نعمائے باطنی سے سرفراز کیے گئے۔

اس قدر مختصر مدت میں اس درجہ مرتبہ بلند پر فائز ہو جانا شیخ الشیوخ سہروردی کے بعض مریدوں کو ناگوار گزرا اور ان کے دل میں رشک بلکہ حسد کی تخلیق کا باعث بنا۔ انھوں نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم ایک عرصے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں مگر ہم کو ابھی تک اتنی بڑی نعمت میسر نہیں آئی لیکن ایک ہندوستانی آیا اور بہت قلیل مدت میں شیخ ہو گیا' یہ اس کے لیے ایک عظیم شے ہے۔

شیخ نے جواب دیا: تم لوگ گیلی لکڑیوں کی مانند ہو' جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے۔ بہاء الدین زکریا خشک لکڑی کی مثل تھے' جس میں آگ بہت جلد اثر کرتی ہے۔

خرقہ خلافت پانے کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے واپس ملتان جا کر قیام کرنے اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچانے کا حکم ملا جس پر انھوں نے پورا عمل کیا۔

شیخ بہاء الدین زکریا جہاں روحانی دولت سے مالا مال تھے وہاں مادی اعتبار سے بھی اللہ نے ان کو بہت کچھ عطا فرمایا تھا۔ نہایت فیاض' ہمدرد خلائق' مستغنی المزاج' حلیم الطبع اور بردبار تھے۔ فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ملتان میں سخت قحط پڑا' والی ملتان ناصر الدین قباچہ کو عوام میں تقسیم کرنے کے لیے غلے کی ضرورت محسوس ہوئی تو شیخ بہاء الدین نے بھاری مقدار میں اپنے ہاں سے غلہ بھجوایا۔ والی ملتان نے غلے کا جائزہ لیا' اس میں نقرئی ٹکے کے سات کوزے بھی تھے۔ والی نے شیخ کو اطلاع دی۔ شیخ نے فرمایا: غلے کے ساتھ اس رقم کو بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ان کا مطبخ ہر وقت پُر نعمت کھانوں سے بھرا رہتا تھا۔ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ خود بھی کھاتے۔ جو شخص زیادہ رغبت سے کھانا کھاتا' اس کو بہت محبوب گردانتے۔ ایک مرتبہ درویشوں اور عقیدت مندوں کی ایک بڑی جماعت دستر خوان پر جمع تھی۔ شیخ نے ہر شخص کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ شوربے میں روٹی بھگو کر کھا رہا ہے' اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا سبحان اللہ سب سے بہتر کھانے کا طریقہ یہی شخص جانتا ہے' کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ نان تر کو دیگر کھانوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھ کو تمام انبیائے کرام پر اور عائشہ کو تمام دنیا کی عورتوں پر حاصل ہے۔

طبیعت میں انکسار اور تواضع بہت زیادہ تھا۔ اپنی تعظیم و تکریم کا زیادہ خیال نہ فرماتے تھے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ایک مرتبہ خانقاہ میں حوض کے کنارے کچھ مرید وضو کر رہے تھے۔ شیخ بھی ادھر آ نکلے' ان کو دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا۔ مگر ایک مرید بدستور بیٹھا وضو کرتا رہا۔ وضو مکمل کر کے اٹھا اور آداب

تعظیم بجالایا۔ اس کو مخاطب کر کے فرمایا' تم سب درویشوں سے زیادہ عابد و زاہد ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مقدم گردانتے ہو۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ اور شیخ بہاء الدین کے درمیان گہری مودت تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے دونوں کو خالہ زاد بھائی لکھا ہے۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا نے ایک مرتبہ کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے' ان کو لکھا:

''میان ماو شما عشق بازی است''

حضرت شیخ فرید الدین نے جواب دیا:

''میان ماو شما عشق است' بازی نیست''

شیخ بہاء الدین زکریا خاصی مدت تک سلطان شمس الدین ایلتتمش کی استدعا پر ہندوستان میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے اور یہ منصب ایک عرصے تک ان کی خاندان میں باقی رہا۔

ان سے متعدد سبق آموز واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں۔

یہاں ان سب کا استقصا مطلوب نہیں۔ عرض کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ بہت بڑے عالم' محدث' فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔

سال وفات میں اختلاف ہے۔ راحت القلوب میں ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء)' اخبار الاخیار میں ۶۶۱ھ (۱۲۶۳ء) تاریخ فرشتہ اور سفینۃ الاولیا میں ۶۶۶ھ (۱۲۶۸ء) اور مراۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ (۱۲۶۷ء) منقول ہے۔ بعض تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ ۷ صفر ۶۶۶ھ (۱۲۸ اکتوبر ۱۲۶۷ء) کو سو سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ قبر ملتان میں ہے۔

حضرت بابا فرید الدین رحمہ اللہ کے ملفوظات' راحت القلوب میں مذکور ہے کہ جس وقت شیخ بہاء الدین زکریا کا انتقال ہوا' اس وقت اجودھن (پاک پٹن) میں حضرت بابا فرید الدین بے ہوش ہو گئے۔ پھر بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا:

برادرم بہاء الدین زکریا از بیابان فنا بہ شہرستان بقا بردند۔

یعنی برادرم بہاء الدین زکریا کو لوگ بیابان فنا سے شہرستان بقا میں لے گئے ہیں۔

پھر اٹھے اور مریدوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی [1]۔

ان کے حالات بہت سی کتابوں میں مرقوم ہیں [2]۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا فقہی مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے اور بدعات و محدثات کے شدید مخالف تھے۔ ان کے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی بھی شافعی المسلک تھے۔ لوگوں نے ان کی تعلیمات بگاڑ دی ہیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر غائبانہ نماز جنازہ کے قائل تھے۔

[2] تفصلات کے لیے ملاحظہ ہو: فوائد الفواد' سیر العارفین' راحت القلوب' اخبار الاخیار' سفینۃ الاولیا' تاریخ فرشتہ' فوائد السالکین' مراۃ الاسرار' نزہۃ الخواطر اور بزم صوفیہ۔

۲۰۔ شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری

لاہور کے ساتویں صدی ہجری کے علمائے کرام میں شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری کا نام نامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ عابد وزاہد اور فقیہ تھے۔

مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں ''شیخ الاسلام وقدوۃ العلما الکرام زکی الدین'' کے پرتکریم الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔

ان کی تاریخ وفات اور سن وفات وغیرہ کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ یہ لاہور میں درس دیتے اور افادہ عام میں مصروف رہتے تھے۔ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین کی غرض سے لاہور سے نکلے تو ہرات بھی گئے۔ وہاں کے سرکردہ حضرات اور اہل علم نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور شعرا نے ان کے لیے مدحیہ اشعار کہے، جن میں امام فرید الدین محمود بن بشار ہروی بھی تھے۔ انھوں نے جن اشعار میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

زہے ز خاطر تو لشکر سخن منصور — خہے بہمت تو کشور ہنر معمور
سزد کہ خط غلامی مستاند از آفاق — چوہست مسکن تو خواجہ خطۂ لاہور
زروح پاک تو شاہ زمانہ جوید روح — چو آفتاب کہ از عرش دام خواہد نور
اگر نہ درس تو بودی حکم شدی مدروس — گرنہ عون تو بودی ادب شدی مقہور ❶

یعنی آپ کے افکار سے لشکر سخن فتح یاب ہے اور تیری کوششوں سے اقلیم ہنر معمور ہے۔

تیرا مسکن خطہ لاہور ہے، اس لیے پورے عالم کو اسی پر فخر کرنا چاہیے۔

تیری روح پاک سے شاہ زمانہ اسی طرح زندگی کی تلاش کر رہا ہے جیسا کہ آفتاب عرش سے روشنی کا متلاشی ہے۔

اگر تیرا ارشاد نہ ہو تو حکم شاہی ختم ہو جائے۔ اگر تیری اعانت نہ ہو تو ادب متروک ہو جائے۔

۲۱۔ مولانا زین الدین بدایونی

ساتویں صدی ہجری میں خطہ بدایوں میں جن علمائے عظام نے شہرت پائی ان میں مولانا زین الدین اویسی بدایونی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ اپنے عہد کے ممتاز عالم دین تھے اور بڑے اثر و رسوخ کے مالک

❶ لباب الالباب، ج اول۔ نور الدین محمد بن محمد عوفی بخاری، ص ۳۴، ۹۶، ۲۰۲، ۲۴۸، ۳۵۱، ۳۵۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ا ص ۱۵۹۔

تھے۔ شہر بدایوں میں بڑی جامع مسجد کے عقب میں مدرسہ معزیہ میں درس دیتے تھے۔ ان کے علم و فضل سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ شیخ نظام الدین اولیا فوائد الفواد میں بے حد احترام سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں ❶۔

ــــ س ــــ

۲۲۔ قاضی سدید الدین دہلوی

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں جو نامور علمائے کرام درس و تدریس اور اشاعت علم و فن میں مصروف تھے ان میں ایک شیخ قاضی سدید الدین دہلوی تھے۔ جو فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں دارالحکومت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے ❷۔

ــــ ش ــــ

۲۳۔ قاضی شرف الدین ولوالجی

شیخ قاضی شرف الدین ولوالجی دہلوی سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے کے کبار علما اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں درس و تدریس اور افادہ عام ان کا کام تھا۔ اپنے دور میں فقہ کے عدیم المثال عالم تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا ❸۔

۲۴۔ قاضی شرف الدین اصفہانی

قاضی شرف الدین اصفہانی اپنے زمانے کے ممتاز عالم دین تھے۔ فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ ناصر الدین قباچہ کے دور میں ملتان کے قاضی تھے۔ ناصر الدین کے بعض احکام کو ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تو اس نے ان کو قتل کر دیا تھا۔

واقعہ قتل کا پس منظر سمجھنے کے لیے ناصر الدین قباچہ کے بارے میں چند سطریں بیان کرنا ضروری ہے۔

ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین ایلتتمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے۔ سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد دونوں علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کے مالک ہوئے۔ ایلتتمش دہلی کے تخت حکومت پر

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۰۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۱۔

❸ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۴۶ و ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۳۔

جلوہ افراز ہوا اور قباچہ کا دار السلطنت اوچ قرار پایا۔ اس کی مملکت میں ملتان بھی شامل تھا۔ اس نے ۶۰۷ھ سے ۶۲۵ھ (۱۲۱۰ء سے ۱۲۲۸ء) تک اٹھارہ سال حکومت کی۔ مگر دونوں میں شدید قسم کی چپقلش پیدا ہوگئی تھی۔ دونوں طرف کی رعایا ایلتتمش کی حامی تھی کیونکہ قباچہ کی نسبت وہ زیادہ دین دار، تقوی شعار اور خوش طبیعت تھا۔ ملتان میں قباچہ کی طرف سے قاضی شرف الدین اصفہانی عہدۂ قضا پر متمکن تھے اور ادھر شیخ بہاء الدین زکریا ملتان کی مسند رشد و ہدایت پر فائز تھے۔ ان دونوں بزرگوں کا قلبی رجحان ایلتتمش کی طرف تھا۔

ناصر الدین قباچہ نے ایلتتمش کی بڑھتی ہوئی قوت و سطوت اور خواص و عوام میں اس کے اثر و رسوخ کی مضبوط گرفت کو دیکھا تو اس کے خلاف معاندانہ سازشوں کا سلسلہ وسیع کر دیا۔ یہ چیز ملتان کے قاضی شرف الدین اصفہانی اور شیخ بہاء الدین زکریا کے نزدیک قطعی ناپسندیدہ تھی۔ قاضی شرف الدین اصفہانی ایک متدین عالم تھے، انھوں نے دین کی فلاح اسی میں سمجھی کہ ایلتتمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیا جائے۔ شیخ بہاء الدین زکریا سے بات کی تو انھوں نے بھی تائید کر دی۔ دونوں نے سلطان شمس الدین ایلتتمش کو خطوط لکھے۔ مگر یہ خطوط قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے اور انھوں نے قباچہ کو پہنچا دیے۔ قباچہ یہ خطوط پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعے دونوں کو طلب کیا۔ جب دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لائے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی دہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور خط ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین نے خط پڑھا اور خاموش ہوگئے۔ قباچہ غصے میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے جلاد کو حکم دیا کہ ان کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ اشارہ پاتے ہی جلاد آگے بڑھا اور سر قلم کر دیا۔ اب وہ شیخ بہاء الدین زکریا کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کے ہاتھ میں خط دیا تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا۔ بے شک یہ میرا خط ہے۔ میں نے ہی لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ آپ جو چاہے کریں میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہوں۔ قباچہ نے یہ الفاظ سنے تو اس پر لرزہ طاری ہوگیا اور مزید استفسار کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد کھانا لانے کا حکم دیا۔ اس کو معلوم تھا کہ شیخ دوسرے کے یہاں کھانا تناول نہیں فرماتے۔ قباچہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر انھوں نے کھانے میں شریک ہونے سے انکار کیا تو اسی بہانے ان کو ایذا پہنچانے کا موقع مل جائے گا۔ مگر جب کھانا آیا تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا اور کھانے میں شریک ہوگئے۔ یہ دیکھ کر قباچہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور معذرت کر کے عزت و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا[1]۔

۲۵۔ مولانا شمس الدین خوارزمی

شیخ شمس الدین خوارزمی جلیل القدر عالم تھے اور علوم عربیہ میں عبور رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف سے دہلی میں منصب صدارت پر فائز تھے اور ساتھ ہی درس و تدریس کے ذریعے لوگوں کو علم کی

[1] فوائد الفوائد، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔ سیر الاولیا، ص ۵۷۹۔ بزم مملوکیہ ص ۳۷۔ سیر العارفین، ص ۲۸، ۲۹۔

روشنی سے منور کرتے تھے۔ ان کے تلامذہ کی فہرست میں جو عظیم المرتبت حضرات شامل ہیں' ان میں شیخ نظام الدین اولیا' شیخ قطب الدین ناقلہ اور شیخ برہان الدین عبدالباقی ایسے فاضل اور اعاظم رجال کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

سیر الاولیا میں مرقوم ہے کہ شیخ نظام الدین اولیا نے ان سے عربی ادب کی معروف کتاب ''مقامات حریری'' پڑھی اور اس کے چالیس مقالے حفظ کیے۔ وہ اپنی مجالس میں نہایت ادب سے ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔ اس ضمن میں سیر الاولیا کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت پیش شمس الملک (یعنی مولانا شمس الدین) مقامات حریری تلمذ کردہ بود و حقوق آں نگاہ داشت۔

مولانا شمس الدین خوارزمی کے علم و فضل کے علاوہ ان کے حسن اخلاق' لطافت طبع اور عذوبت لسان کی بھی بڑی شہرت تھی۔ سیر الاولیا میں ہے۔

عجب لطافتے و طبع لطیف داشت کہ در شہر مثل او نبود۔

یعنی بڑے خوش مزاج اور شائستہ طبع تھے۔ شہر میں کوئی شخص ان کی مثل نہ تھا۔

سیر الاولیا میں ان کا یہ لطیفہ بھی مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کسی دوست نے بہت ہی شکستہ حروف میں ان کو ایک رقعہ لکھا جو ان سے پڑھا نہ گیا' اس کی پشت پر عربی میں چند الفاظ لکھ کر ان کو بھیج دیے' جن کا مفہوم یہ تھا کہ تمھارا خط ایسا ٹیڑھا ہے جیسے دریا کے کنارے بطخ کی چال۔ اس انداز خط میں آئندہ لکھنے کی زحمت گوارا نہ فرمایے۔

سیر العارفین میں مرقوم ہے کہ دہلی میں بے شمار علما و فقرا جمع تھے۔ لیکن سر آمد علماے روزگار اور اجلاو فضلاے کبار اس وقت شیخ شمس الدین خوارزمی تھے۔ تمام علما کے گویا مرجع تھے اور اصول و فروع اور معقول و منقول کے جامع تھے۔

شیخ نظام الدین اولیا اپنے وطن بدایوں سے مزید تعلیم کے لیے دہلی آئے تو مولانا شمس الدین کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ مولانا نے ان کے اوصاف دیکھ کر ان کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ وہ اپنے عزیز شاگردوں کو حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ قطب الدین ناقلہ' شیخ برہان الدین عبدالباقی اور شیخ نظام الدین اولیا کو یہ شرف حاصل تھا۔

ان کا کوئی شاگرد درس سے غائب ہوتا تو اس کے آنے پر اس سے مذاقاً پوچھتے۔ میں نے تمھاری کیا خطا کی تھی کہ تم درس میں حاضر نہ ہوئے۔ بتا دو تاکہ پھر وہی غلطی کروں اور تم آئندہ بھی حاضر نہ ہوسکو۔ لیکن جب شیخ نظام الدین نہ آتے تو خود ان کے پاس جاتے اور انھیں دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

آخر کم از آن کہ گاہ گاہے
آئی و بما کنی نگاہے

سلطان غیاث الدین بلبن کے دل میں مولانا شمس الدین خوارزمی کی اس درجہ قدر و منزلت تھی کہ اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا اور اپنی حکومت کا مستوفی الملک (یعنی آڈیٹر جنرل) بنایا۔ جب ان کو یہ اعزاز ملا تو اس عہد کے مشہور شاعر تاج الدین ریزہ نے ان کی مدح میں یہ شاعر کہا۔

شمسا کنوں بکام دل دوستاں شدی   مستوفی ممالک ہندوستاں شدی ❶

۲۶۔ قاضی شمس الدین مراجی

قاضی شمس الدین مراجی، سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشہور عالم دین، معروف فقیہ اور اصولی تھے۔ ہمیشہ دارالسلطنت دہلی میں درس و افادہ میں مصروف رہے ❷۔

۲۷۔ قاضی شمس الدین مارہروی

قاضی شمس الدین مارہروی عہد سلطان معز الدین بہرام شاہ کے فاضل اور معروف عالم و فقیہ تھے۔ اس زمانے میں سلطان پر ایوب ترکمانی کا اثر غالب تھا اور اس کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ایک مرد زاہد اور گلیم پوش ترک درویش تھے۔ طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج ان کا ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں۔

درویشی ترکمان بود' ایوب نام' مردے زاہد و گلیم پوش' مدتے در قصر حوض سلطان باعتکاف نشستہ واز آں جا اورا بخدمت سلطان معز الدین تقرب افتاد سلطان رابد و ارادتے پیدا شدہ و آں درویش درکار (ہائے) ملک شروع کردن گرفت' وپیش ازیں در قصبہ مہر پورہ بود واز قاضی شمس الدین مہر کوفتہ شدہ۔ دریں وقت چوں سخن اونزدیک سلطان معتبر شد' قاضی شمس الدین مہر رادر پائے فیل انداختند ❸۔

یعنی ایک ترک درویش تھے' ایوب نام تھا' زاہد اور گلیم پوش تھے۔ مدت سے قصر حوض سلطان میں گوشہ گیر تھے۔ وہیں سے ان کو سلطان معز الدین کا تقرب حاصل ہوا اور سلطان کے دل میں ان کے لیے عقیدت و ارادت کے جذبات ابھرے۔ سلطان کی گرویدگی ان سے اور بڑھی تو وہ معاملات سلطنت میں دخیل ہونے لگے۔ وہ قاضی شمس الدین مارہروی سے برگشتہ خاطر تھے اور ان ہی کے اشارے سے سلطان نے قاضی شمس الدین مارہروی کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ حرکت شان درویشی کے بالکل منافی ہے۔ ایک عالم دین کو اس طرح موت کے گھاٹ اتروا دینا انتہا درجے کی قساوت قلبی کے ذیل میں آتا ہے ❹۔

❶ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۶۷۔۔ نزہتہ الخواطر' ج ا ص ۱۶۶۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی' ص ۱۱۱۔ نزہتہ الخواطر' ج ا' ص ۱۶۷۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۶۷۔

❸ طبقات ناصری' ج ا' ص ۴۶۶۔ طبقات ناصری میں قاضی شمس الدین مہر لکھا ہے۔

❹ نزہتہ الخواطر' ج ا' ص ۱۶۷۔

۲۸۔ قاضی شمس الدین بہرائچی

قاضی شمس الدین بہرائچی، عالم و فاضل اور باکمال انسان تھے۔ محمود بن سلطان شمس الدین ایلتتمش اپنے بھتیجے علاء الدین مسعود بن فیروز بن ایلتتمش کی طرف سے جب بہرائچ کا والی تھا تو اس نے شیخ شمس الدین کو وہاں کا قاضی مقرر کر دیا تھا، کیونکہ وہ ان کے علم و فضل سے بہت متاثر تھا، لیکن جب وہ بادشاہ ہند ہوا تو اس نے ۲۷ رجب ۶۵۱ھ (۲۱ دسمبر ۱۲۵۳ء) کو انھیں اپنے پاس دہلی بلایا۔ اور قاضی ممالک کا عہدہ تفویض کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کے تمام اہم ملکی امور میں معتمد و مشیر کی حیثیت اختیار کر گئے۔ مگر دوسرے امرا و حکام کو یہ بات ناگوار گزری اور وہ انھیں حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ انھوں نے سلطان کے پاس ان کی شکایات بھی کیں۔ سلطان نے اتوار کے دن ۲۳ ربیع الاول ۶۵۳ھ (۲ مئی ۱۲۵۵ء) کو انھیں منصب قضا سے الگ کر دیا۔ ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں بعض ارکان سلطنت نے سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو انھوں نے اس پر قاضی شمس الدین کو متہم کیا اور کہا کہ اس بغاوت پر انہی نے ان کو آمادہ کیا تھا۔ اس الزام کی بنا پر سلطان نے ۲ جمادی الاخری ۶۵۵ھ (۱۸ مئی ۱۲۵۷ء) کو انھیں دہلی سے شہر بدر کر کے بہرائچ بھیج دیا، جہاں وہ آخر عمر تک مقیم رہے ❶۔

۲۹۔ مولانا شہاب الدین اجودھنی

شیخ شہاب الدین رحمہ اللہ، مشہور بزرگ حضرت بابا فرید الدین مسعود عدوی عمری (پاک پٹن) کے فرزند گرامی قدر تھے۔ بڑے متدین اور عالم و فاضل تھے۔ پاک پٹن میں پیدا ہوئے، اپنے عہد کے معروف علما سے تحصیل کی اور افتا و تدریس کی مسند بلند پر فائز ہوئے۔ پھر اپنے والد مکرم بابا فرید الدین کے حکم سے تصوف و طریقت کے لیے بعض مشائخ چشتیہ کے حضور دوزانو ہو کر بیٹھے۔

سیر الاولیا کی روایت کے مطابق جلیل القدر عالم، صاحب وقار اور عفیف و پاک باز تھے۔ زیادہ وقت اپنے باپ کی خدمت میں گزارتے اور ان سے علم طریقت کے دقیق معانی اور گہرے مطالب سمجھنے کی سعی کرتے۔ پھر یہ باتیں نہایت فصاحت کے ساتھ دوسروں تک پہنچاتے۔ ان کے اور شیخ نظام الدین اولیا کے درمیان سچی محبت اور مضبوط دوستی تھی اور وہ ان کے بے حد مداح اور ان کی گوناگوں قابلیت کے معترف تھے ❷۔

---

❶ طبقات ناصری، ج ۱، ص ۴۸۷، ۴۹۲۔ نیز دیکھیے۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۷، ۱۶۸۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۸۔

ـــــ ص ـــــ

۳۰۔ مولانا صمصام الدین فرغانی

شیخ صمصام الدین فرغانی فقہ اور اصول فقہ کے نامور علما میں سے تھے، وارد ہند ہوتے ہی بنگال چلے گئے۔ وہاں سلطان محمد بن بختیار خلجی حکمران تھا۔ اس نے ان کی گوناگوں صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اپنے حلقہ خاص میں داخل کر لیا، ان کی بے حد پذیرائی کی، بڑے احترام سے پیش آیا اور ان کے لیے بہت مال و دولت خرچ کیا۔ پھر دونوں نے مل کر کفار ہند سے جنگیں لڑیں۔ ان کے ایک بھائی نظام الدین فرغانی تھے، انھوں نے ان کی معیت میں محمد بن بختیار خلجی کے پاس ارض بنگال ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۶۴۱ھ (۱۲۴۳ء) میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان بن محمد جوز جانی نے ان سے ملاقات کی اور ان سے محمد بن بختیار خلجی کے حالات معلوم کیے جو طبقات ناصری میں درج ہیں❶۔

ـــــ ظ ـــــ

۳۱۔ قاضی ظہیر الدین دہلوی

قاضی ظہیر الدین دہلوی فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ممتاز و منفرد علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دار الحکومت دہلی میں منصب تدریس پر فائز تھے اور تشنگان علوم کی علمی تشنگی دور کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اخذ علم کیا❷۔

ـــــ ع ـــــ

۳۲۔ قاضی عثمان بن محمد جوز جانی لاہوری

ساتویں صدی ہجری کے کبار علمائے لاہور میں شیخ قاضی ابو عمرو عثمان بن محمد بن عثمان بن ابراہیم بن عبدالخالق جوز جانی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ یہ تاریخ کی مشہور کتاب ''طبقات ناصری'' کے مصنف ہیں اور قاضی منہاج الدین کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کے والد گرامی قدر کا نام محمد بن عثمان جوز جانی ہے جو سراج الدین کے لقب سے متعارف تھے اور جن کے حالات صفحات گزشتہ میں چھٹی صدی ہجری

❶ طبقات ناصری، ج ۱، ص ۴۲۲ تا ۴۳۲۔

❷ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۱۱۱، ۲۸۹، ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۸۔

کے فقہائے کرام کی فہرست میں بیان ہو چکے ہیں۔

قاضی عثمان بن محمد کے سال ولادت کی صراحت صاف الفاظ میں کہیں نہیں ملتی۔ البتہ اپنی کتاب ''طبقات ناصری'' میں انھوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۱ء) میں ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اسی سال ان کے والد قاضی سراج الدین محمد بن عثمان لاہور سے بامیان گئے اور بہاء الدین سام بن محمد بامیانی نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور انھیں قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ منہاج الدین عثمان بن محمد نے ابتدائی تربیت اپنے باپ کے سایۂ عاطفت میں حاصل کی اور ان سے اخذ علم کیا۔ لیکن باپ کی وفات کے بعد منہاج الدین کو حالات کی رفتار ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرتی رہی۔

قاضی منہاج الدین عثمان نے اپنے دور کے چوٹی کے علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی، یہاں تک کہ وہ ایک ممتاز عالم کی حیثیت اختیار کر گئے۔ وہ منگل کے روز ۲۶ جمادی الاولیٰ ۶۲۴ھ (۱۴ مئی ۱۲۲۷ء) کو شہر اوچ میں داخل ہوئے، اور والی سندھ ناصر الدین قباچہ کے مقربین کی جماعت میں شمولیت کا اعزاز حاصل کیا۔ ناصر الدین قباچہ نے ان کی علمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انھیں مدرسہ فیروزیہ کا مدرس مقرر کر دیا۔ پھر اس کے بیٹے بہرام شاہ نے قاضی عسکر کا عہدہ تفویض کیا۔

جب سلطان شمس الدین ایلتتمش سندھ پر قابض ہوا اور اس نے قلعہ اوچ کا محاصرہ کیا تو ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) میں قاضی منہاج قلعے سے نکل کر سلطان ایلتتمش سے جا ملے۔ ایلتتمش نے ان کی بہت قدر کی اور ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) میں شہر گوالیار کے مختلف محکمے مثلاً قضا، خطابت، امامت اور احتساب وغیرہ ان کے سپرد کیے جن پر وہ ۶۳۵ھ (۱۲۳۸ء) تک متمکن رہے۔

سلطان ایلتتمش کی بیٹی رضیہ کے دور حکومت میں دہلی آئے تو اس نے گوالیار کے منصب قضا کے ساتھ ساتھ دہلی کے مدرسہ ناصریہ کے اوقاف کی تولیت بھی ان کے حوالے کر دی۔

بعد ازاں معز الدین بہرام شاہ تخت حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے ہفتے کے روز ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۳۹ھ (۱۶ نومبر ۱۲۴۱ء) کو دہلی میں ان کو قاضی ممالک کا منصب بلند عطا کیا۔ پھر اس کا بھتیجا مسعود شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے ۸ ذی القعدہ ۶۳۹ھ (۸ مئی ۱۲۴۲ء) کو انھیں مسند قضا سے الگ کر دیا۔ بعد ازاں وہ جمعے کے روز ۹ رجب ۶۴۰ھ (۲ جنوری ۱۲۴۳ء) کو دہلی سے نکلے اور بدایوں پہنچ گئے۔ وہاں سے اودھ گئے، پھر کڑھ اور لکھنوتی میں داخل ہوئے۔ یہ اتوار کا دن تھا اور تاریخ ۷ ذی الحجہ ۶۴۰ھ (۲۷ مئی ۱۲۴۳ء) تھی۔ وہاں اس علاقے کا امیر عز الدین طغرل طغان خاں ان سے بہت اعزاز کے ساتھ پیش آیا اور گراں قدر ہدایا اور تحائف سے نوازا۔ لکھنوتی میں وہ دو سال مقیم رہے۔ وہاں سے پھر دہلی کو مراجعت کی اور سوموار کے دن ۱۴ صفر ۶۴۳ھ (۱۱ جولائی ۱۲۴۵ء) کو وارد دہلی ہوئے۔ اب جمعرات کے دن ۱۷ صفر ۶۴۳ھ (۱۴ جولائی ۱۲۴۵ء) کو الغ خاں (جو [illegible] امیر حاجب تھا اور بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہند بنا) کی سفارش پر گوالیار کی

مسند قضا وخطابت پر فائز کیے گئے اور ساتھ ہی دہلی کے مدرسہ ناصریہ کے اوقاف کی تولیت انھیں عطا کی گئی۔

۶۴۵ھ (۱۲۴۷ء) میں سلطان شمس الدین ایلتتمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کے غزوات کے بارے میں بصورت نظم ''ناصری نامہ'' تصنیف کیا اور امیر حاجب غیاث الدین بلبن کی طرف سے قیمتی حلہ عطا کیا گیا۔ اس نے ان کو تعلقہ ہانسی میں ایک گاؤں بھی عطا کیا اور دوسری مرتبہ دہلی میں قضاے ممالک کا منصب بھی مرحمت کیا۔ یہ بروز اتوار ۱۰ جمادی الاولی ۶۴۹ھ (۳۱ جولائی ۱۲۵۱ء) کا واقعہ ہے۔

بعد ازاں ۲۷ رجب ۶۵۱ھ (۲۰ ستمبر ۱۲۵۳ء) کو اس منصب سے علیحدہ کیے گئے اور ۶۵۲ھ (۱۲۵۴ء) میں صدر جہاں کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اتوار کے روز ۲۳/ ربیع الاول ۶۵۳ھ (۲ مئی ۱۲۵۵ء) کو تیسری مرتبہ پھر قاضی ممالک مقرر کیے گئے۔

قاضی منہاج متعدد اوصاف کے حامل تھے۔ فقہ، اصول، سیرت، تاریخ اور شعر و شاعری کے بہت بڑے عالم تھے۔ قضا کے بارے میں ان کے علم و تجربہ کی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اس کے چند الفاظ سنتے تو شروع سے آخر تک پوری حقیقت فہم و فکر کی گرفت میں آ جاتی۔ متواضع، منکسر المزاج اور سخی تھے۔ وعظ میں انتہا درجے کا اثر تھا۔ شیخ نظام الدین اولیا فوائد الفواد میں ان کے حسن بیان اور پر تاثیر مواعظ کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ ان کو ان کی مجالس وعظ میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان کو دوشنبہ کے روز مجلس وعظ و تذکیر میں یہ رباعی پڑھتے ہوئے سنا:

لب برلب لعل دلبراں خوش کردن   و آہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست   خود را چو خسے طعمۂ آتش کردن

شیخ لکھتے ہیں، یہ رباعی سنتے ہی میں بے خود ہو گیا اور ایک ساعت تک عالم بے خودی میں رہا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

من چوں ایں بیت شنیدم بے خود گونہ گشتم، ساعتے باقیست تا بخود باز آم رحمہ اللہ تعالیٰ ❶۔

ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں تاریخ سے متعلق طبقات ناصری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب انھوں نے سلطان شمس الدین ایلتتمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں اور اسی کے لیے تصنیف کی تھی۔ یہ فارسی زبان میں تاریخ کی بڑی اہم کتاب ہے جو انبیاے کرام سے لے کر تاریخ کے مختلف ادوار کو محیط ہے اور تیئیس طبقات پر مشتمل ہے۔

مشہور ایرانی عالم و محقق سعید نفیسی کی تحقیق کے مطابق قاضی منہاج الدین نے ۶۹۸ھ (۱۲۹۹ء) میں وفات پائی ❷۔

---

❶ اخبار الاخبار، ص ۸۰۔ لیکن فوائد الفواد میں دوسرے شعر کا مصرع اوّل اس طرح ہے۔
ع امروز خوش است لیک فردا ست زیاں

❷ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ طبقات ناصری، ج ۲، ص ۲۳۹ تا ۲۹۵۔ سالنامہ فارسی۔

۳۳۔ شیخ عزیز الدین لاہوری

شیخ عزیز الدین حسینی بغدادی ثم ہندی لاہوری علم و معرفت کی دنیا میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ ۵۷۴ھ (۱۱۷۸ء) میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں اقامت اختیار کی۔ اس شہر میں انھوں نے چھتیس سال تک درس و افادے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) میں وفات پائی❶۔

۳۴۔ خواجہ عزیز کڑکی

شیخ عزیز کڑکی بدایونی، متقی، عارف باللہ، عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی ان کا ذکر نہایت احترام سے کرتے اور ان کے کشوف و کرامات کی تفصیلات بتاتے ہیں۔ ۶۶۷ھ (۱۲۶۹ء) میں کڑک میں فوت ہوئے جو اعمال بدایوں میں ایک گاؤں ہے❷۔

۳۵۔ شیخ علاء الدین علی اصولی بدایونی

شیخ علاء الدین علی اصولی بدایونی، صالح بزرگ تھے۔ علوم ظاہری کے بھی شناور تھے اور علوم باطن کے بھی۔ شیخ نظام الدین اولیا ان کے شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرے استاد شیخ علاء الدین علی اصولی اصحاب شیخ جلال الدین تبریزی میں سے تھے اور خصال حمیدہ میں اپنے استاد کے مثل تھے۔ ان کے صبر و رضا کا یہ حال تھا کہ اپنی حالت و کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتے اور تمام وقت فائدہ عام اور عبادت الٰہی میں گزارتے❸۔

۳۶۔ شیخ علی بن اسحاق بخاری

شیخ منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری دہلوی ساتویں صدی ہجری کے مشہور ہندی علما و فضلا میں سے تھے۔ مدرسہ معزیہ میں درس اور افادہ عام میں مصروف رہتے۔ ان کے پوتے شیخ بدر الدین اسحاق بن علی بخاری اور بہت سے علمانے ان سے اخذ علم کیا۔ دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے❹۔

۳۷۔ علی بن حامد کوفی

شیخ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی اوچی سندھی، علم و معرفت میں یگانہ روزگار تھے۔ اوچ میں پیدا ہوئے

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۹۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۸۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۸۴۔ بحوالہ فوائد الفواد۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۷۴۔

❹ [illegible] نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۸۲۔

اور ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں جب کہ ان کی عمر اٹھاون (۵۸) برس کی تھی، اوچ سے نکلے اور بھکر اور ارور کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہاں ان کی ملاقات قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ طائی سے ہوئی۔ ان کے پاس انھیں عربی زبان میں تاریخ سندھ اور سرزمین سندھ میں مسلمانوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کے کچھ واقعات دیکھنے کا اتفاق ہوا، جو مختلف اوراق میں منتشر تھے۔ انھوں نے یہ اجزائے تاریخی ان سے حاصل کیے اور وزیر حسن بن ابوبکر بن محمد اشعری عین الملک کے لیے فارسی زبان میں منتقل کیے ___ خدا بخش لائبریری پٹنہ (ہندوستان) میں یہ مخطوطہ اب بھی موجود ہے ❶۔

۳۸۔ قاضی علی بن عمر محمودی

شیخ امام علی بن عمر محمودی جو قاضی حمید الدین افتخار الافاضل کے لقب سے معروف تھے وسعت علم اور عمق تحقیق میں علمائے مشاہیر میں سے تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک ان کی از حد تکریم کرتا تھا۔ اس نے مختلف اوقات میں ان کو بہت سے ہدایا و تحائف سے نوازا ___ اس عالم دین کی تصنیفات میں سے کچھ رسائل بھی ہیں جو دیار ہند کے حلقہ اہل علم میں مشہور ہیں۔ یہ شاعر بھی تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تا چند بارم ای زلبت گشتہ زار لعل آب از دو دیدہ در جم آں آب دار لعل
نے نے چو یافت بالب و دندانت نسبتی ناقص شدست لؤلؤ و گشتست خوار لعل ❷

افسوس ہے بے شمار علما کی طرح اس عالم دین کے بھی زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

___ ق ___

۳۹۔ قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی

قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی ایک جید عالم تھے۔ مدت مدید تک ملتان کے ایک مدرسے میں ان کا سلسلہ درس و تدریس جاری رہا اور لوگوں نے ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا۔ ساتویں صدی ہجری کی ارض ہند میں یہ دنیائے تدریس کے بادشاہ تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ کے ہم عصر تھے۔ تدین و اتقا کا یہ عالم تھا کہ شیخ بہاء الدین زکریا روزانہ ان کے مدرسے میں تشریف لے جاتے اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے۔

قاضی قطب الدین کاشانی نے ملتان میں وفات پائی اور اسی قدیم شہر میں دفن کیے گئے۔ سال وفات ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) ہے ❸۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۸۲۔

❷ لباب الالباب، ج ۱، از نور الدین محمد عوفی، ص ۲۰۳ تا ۲۰۵۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۹۸۔ بحوالہ اخبار الجمال و سیر الاولیا۔

ـــــ ک ـــــ

۴۰۔ قاضی کمال الدین جعفری

قاضی کمال الدین جعفری بدایونی، فضل وکمال میں یکتا تھے اور اپنے عصر کے کبار علما میں سے تھے۔ بدایوں میں نائب حکومت تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ درس وتدریس اور افادۂ عام ان کا اصل کام تھا۔ مسائل فقہ سے متعلق کتاب المغنی ان کی تصنیف ہے۔ بدایوں میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ شیخ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ فوائد الفواد میں بہت اچھے انداز میں ان کا ذکر کرتے ہیں ❶۔

ـــــ م ـــــ

۴۱۔ شیخ محمد بن احمد ماریکلی دہلوی

شیخ محمد بن احمد بن محمد ماریکلی جو امام کمال الدین زاہد کے لقب سے ملقب تھے، بہت بڑے عالم، محدث اور عابد و زاہد تھے۔ فقہ و حدیث میں انھیں درک حاصل تھا۔ شیخ برہان الدین محمود بلخی سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ شیخ برہان الدین محمود بلخی علم فقہ میں صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے اور علم حدیث میں صاحب مشارق الانوار شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری کے شاگرد تھے۔ شیخ کمال الدین یعنی محمد بن احمد ماریکلی کو مؤلف آثار النیرین فی اخبار الصحیحین سے بھی شرف اجازہ حاصل ہے، جنھوں نے یہ کتاب شیخ حسن سے روایت کی۔ پھر انھوں نے شیخ نظام الدین اولیا کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے مشارق الانوار پڑھی۔

وہ اپنے عہد میں علم و فضل میں بے مثل، درک و تحقیق میں عدیم النظیر، زہد و ورع میں بہت آگے نکلے ہوئے اور حدیث و فقہ میں تبحر کامل تھے۔ ان کے یہ اوصاف سن کر سلطان غیاث الدین بلبن حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمالیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ممکن ہے آپ کی امامت کی برکت سے بارگاہ خداوندی میں میری نمازیں بھی قبولیت کا درجہ حاصل کرلیں۔ یہ سن کر شیخ کمال الدین زاہد نے تکدر اور برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا:

میرے پاس اعمال صالحہ میں سے نماز کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے اب بادشاہ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے۔

شیخ کے الفاظ یہ ہیں:

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۰۱۔

ولم يبق الى عمل من الاعمال الصالحة غير الصلوة والسلطان يريد ان يبطلها ايضاً۔

بلبن نے یہ سنا تو خاموش ہو گیا اور معذرت کر کے واپس چلا گیا۔

اس جلیل المرتبت محدث وفقیہ اور عظیم القدر عابد وزاہد نے دہلی میں ۶۸۴ھ (۱۲۸۵ء) کو وفات پائی ❶۔

۴۲۔ شیخ محمد بن احمد مدنی

شیخ الامام بدر الملت محمد بن احمد مدنی کا سلسلہ نسب چودھویں پشت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بھانجے تھے۔ قطب الدین لقب تھا۔ ۵۸۱ھ میں بمقام بغداد پیدا ہوئے۔ جن فحول علمائے عصر اور نامور اساتذہ گرامی قدر سے تعلیم حاصل کی ان میں ان کے والد محترم حضرت شیخ سید احمد مدنی، شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عارف باللہ ابو الخباب نجم الدین کبریٰ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

فتنہ تاتار کے زمانے میں ان کے والد بغداد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ بغداد سے نکلے اور غزنی آ گئے۔ وہاں ایک عرصے تک مقیم رہے۔ پھر عازم ہند ہوئے۔ اس وقت تخت ہند پر سلطان قطب الدین ایبک متمکن تھا۔ نہایت صالح اور شجاع تھے۔ سلطان ایبک کی معیت میں مخالفین اسلام کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ اللہ نے بڑی فتوحات عطا کیں۔ موضع کڑہ، مانک پور اور ہسوہ وغیرہ کے مضبوط و مستحکم قلعے فتح کیے۔ سلطان قطب الدین ان کی بہادری اور تدین کی بنا پر ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کو وہ صدر مجلس میں بٹھاتا، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور ان سے تبرک و تیمن حاصل کرتا۔

معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں شیخ محمد بن احمد شہر دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ جن امرائے سلطنت اور اعمال حکومت نے بہرام شاہ کو معزول کیا تھا ان کو سمجھانے کے لیے ۶۳۹ھ (۱۲۴۲ء) میں سلطان نے ان کو لاہور بھیجا۔ انھوں نے ان کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور دہلی واپس آ گئے۔

بدھ کے روز ۱۳ رجب ۶۵۳ھ (۱۸/ اگست ۱۲۵۵ء) کو سلطان ناصر الدین محمود کے دور حکومت میں منصب شیخ الاسلامی اور مسند مشیخت سے الگ ہو گئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بھی ان کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ سب سے بڑے نظام الدین تھے جو ہر اعتبار سے اپنے باپ کی مانند تھے۔ دوسرے قوام الدین محمود تھے جن کے محاسن سے متاثر ہو کر سلطان شمس الدین ایلتتمش نے اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی تھی۔ تیسرے قاضی تاج الدین تھے جو پہلے شہر کڑہ کے اور پھر بدایوں کے قاضی مقرر کیے گئے۔ شیخ نظام الدین کے بیٹے قاضی رکن الدین تھے جو شہر کڑہ کی مسند قضا پر متمکن ہوئے۔ امیر المجاہدین حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ ان

❶ اخبار الاخیار، ص ۶۸۔ سیر الاولیا، ص ۱۰۵، ۱۰۶۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۰۴۔

ہی قاضی رکن الدین رحمہ اللہ کی اولاد سے ہیں۔

شیخ محمد بن احمد یعنی شیخ قطب الدین رحمہ اللہ ۳ رمضان المبارک ۶۷۷ھ (۱۸ جنوری ۱۲۷۹ء) کو شہر کڑہ میں فوت ہوئے ❶۔

ان کے حالات میں تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی کے الفاظ قابل مطالعہ ہیں۔ وہ سید قطب الدین الحسنی کڑوی کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> شاہ قطب الدین محمد ابن شاہ رشید الدین احمد غزنوی۔ ان کے والد مکرم کا سلسلہ نسب حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ وہ عالم متبحر' فقیہ فاضل' صاحب ولایت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں پیدا ہوئے۔ سلطان قطب الدین ایلتتمش کے زمانے میں غزنی سے دہلی آئے اور دہلی سے اٹھ کر موضع کڑا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کڑا' قصبہ ہسوہ کے قریب اس سے نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے جو کڑا سادات کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں سے غزوہ و جہاد کی نیت سے کڑا پہنچے جو مانک پور کے بالمقابل دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ وہاں راجا جے چند سے جہاد کیا۔ اور فتح یاب ہوئے۔ چھیانوے سال کی عمر میں بمقام کڑا ۳ رمضان ۶۷۷ھ (جنوری ۱۲۷۹ء) کو انتقال ہوا۔ تین بیٹے سید نظام الدین' سید قوام الدین مقیم دہلی اور سید تاج الدین قاضی بدایوں یادگار چھوڑے۔ سید موصوف رحمہ اللہ کی اولاد کڑا' نصیر آباد' ردولی، کوندھن پٹی' اچھوا' رسول پور' کرولی' منعم آباد' راجو پور' گوالیار' کرتی' جھیزا' دہلی' بدایوں اور ہسوہ میں سکونت پذیر ہے اور یہ لوگ سادات قطبیہ کے لقب سے مشہور ہیں ❷۔

۴۳۔ شیخ محمد بن مامون لاہوری

شیخ محمد بن مامون بن رشید بن ہبۃ اللہ مطوعی لاہوری۔ ابوعبداللہ کنیت تھی۔ حصول علم کے لیے لاہور سے نکلے اور خراسان جا پہنچے۔ مختلف مقامات کے اساتذہ وائمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فقہ امام شافعی رحمہ اللہ میں مہارت پیدا کی۔ نیشاپور میں اصحاب ابوبکر شیرازی اور اصحاب ابونصر قشیری سے سماعت حدیث و فقہ کی۔ بعد ازاں بغداد گئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ علاقہ آذربائیجان میں وعظ و ارشاد کے سلسلے میں گھوم رہے تھے کہ ۶۰۳ھ (۱۲۰۷ء) میں ملاحدہ کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے ❸۔

---

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۰۴ تا ۲۰۷ بحوالہ طبقات ناصری۔ تاریخ فیروز شاہی۔ وفیات الاعلام اور ہدایۃ السعداء

❷ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۶۷۔ اردو ترجمہ ص ۳۸۹۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۲۳۔

۴۴۔ سید محمد بن محمد بھکری سندھی

سید محمد بن محمد بن شجاع بن ابراہیم حسینی بھکری سندھی جمعرات کے دن ۲۵ شعبان ۶۳۰ھ (۶/جون ۱۲۳۳ء) کو بمقام بھکر پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ پاک باز اور ذی علم بزرگ تھے۔ اپنے والد مکرم سے تعلیم حاصل کی۔ لقب بدرالدین تھا۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں' ایک کا نام سیدہ زہرہ تھا اور دوسری کا سیدہ فاطمہ۔ زہرہ کی شادی سید جلال الدین حسین بن علی حسینی بخاری سے کی جو بڑے عالم و فاضل تھے۔ زہرہ وفات پا گئیں تو دوسری بیٹی سیدہ فاطمہ ان کے عقد میں دے دیں۔

ایک بیٹا تھا جس کا نام سید علی بن محمد تھا۔ علی بن محمد باپ کی وفات کے بعد بھکر سے جھانسی منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ان کی اولاد و احفاد کثیر تعداد میں موجود ہے۔

سید محمد پچاس سال کی عمر پا کر ۶۸۰ھ (۱۲۸۱ء) کو بھکر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ❶۔

۴۵۔ شیخ محمد شقورقانی

شیخ محمد شقورقانی' شیخ عماد الدین شقورقانی کے نام سے معروف تھے۔ جید عالم اور ارض ہند کے عظیم فقیہ تھے۔ ۴ ذی الحجہ ۶۳۹ھ (۵ جون ۱۲۴۲ء) کو سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے زمانے میں قاضی ممالک کے منصب پر فائز ہوئے اور خاصی مدت اس عہدے پر متمکن رہے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں بھی کچھ عرصہ اس عہدے پر مامور رہے لیکن بعض سیاسی الزامات کی بنا پر سلطان ناصر الدین محمود نے انھیں جمعے کے روز ۹ ذوالحجہ ۶۴۶ھ (۲۵ مارچ ۱۲۴۹ء) کو اس منصب سے معزول کر کے بدایوں بھیج دیا تھا۔ جہاں عماد الدین ریحان حاجب کے حکم سے سوموار کے دن ۱۲ ذی الحجہ ۶۴۶ھ (۲۸ مارچ ۱۲۴۹ء) کو شہید کر دیے گئے ❸۔

۴۶۔ شیخ محمد ترکمانی

شیخ محمد بن ابو محمد ترکمانی' اصحاب علم و معرفت میں سے تھے۔ شیخ عثمان ہارونی کے مرید خاص تھے۔ ہندوستان آئے اور نارنول میں مقیم ہو گئے۔ بہت بڑے عالم اور مبلغ اسلام تھے۔ ان کی تبلیغ کے اثر سے بے شمار ہندو اور غیر مسلم ان کے دست حق پرست پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہندوؤں کا ایک گروہ ان سے سخت برہم ہوا اور اس نے ۶۴۳ھ (۱۲۴۵ء) میں انھیں شہید کر دیا ❸۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۱' ص ۲۲۳۔ بحوالہ منبع الاسباب۔

❷ طبقات ناصری' ج ۱' ص ۴۸۲۔ بزم مملوکیہ ص ۱۹۲۔ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۲۶۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۲۷۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

۴۷۔ شیخ مسعود فرید الدین رحمہ اللہ

چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں جن شخصیتوں نے جنم لیا اور جو مشاہیر اس سرزمین سے ابھرے زہد وعبادت اور علم وفضل میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ ان ہی عالی مرتبت حضرات میں حضرت شیخ مسعود فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کا اسم گرامی شامل ہے۔ ان کا سلسلہ نسب دنیوی اور دینی اعتبار سے بڑا عالی ہے جس میں بادشاہ کابل فرخ شاہ اور مشہور عالم وزاہد حضرت ابراہیم بن ادہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں اور آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام نامی درج ہے۔

ان کے جد امجد شیخ شعیب رحمہ اللہ فتنہ تاتار کے زمانے میں جب کہ ہندوستان میں شہاب الدین غوری کا عہد حکومت تھا، کابل سے لاہور آئے۔ لاہور سے قصور چلے گئے اور وہاں سے ملتان تشریف لے گئے۔ شیخ شعیب چونکہ عالم دین تھے اس لیے علاقہ ملتان کے ایک مقام کھتوال (جسے کھتوال بھی کہا جاتا ہے) میں قاضی بنا دیے گئے تھے۔ اسی جگہ شیخ مسعود جو بعد میں شیخ فرید الدین گنج شکر کے نام سے معروف ہوئے، ۵۶۹ھ یا ۵۸۴ھ (۱۱۷۴ء یا ۱۱۸۹ء) میں پیدا ہوئے [1]۔ بچپن ہی میں حصول علم کے لیے ملتان چلے گئے۔ وہاں ایک مسجد میں قرآن مجید حفظ کیا۔ منقول ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیتے۔ اس کے علاوہ علوم وفنون سے متعلق کچھ کتابیں ملتان کے مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ علم فقہ کی کتاب النافع، ملتان کی اسی مسجد میں مولانا منہاج الدین ترمذی سے پڑھی۔

اسی اثنا میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کا ورودِ مسعود ملتان میں ہوا۔ جس مسجد میں شیخ فرید الدین تعلیم حاصل کرتے تھے، بختیار کاکی اس مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے تو فرید الدین دیکھتے ہی اس شمع معرفت کے پروانے ہو گئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ساتھ جانا چاہا، لیکن ایک روایت کے مطابق شیخ نے ان کو ساتھ جانے سے روک دیا اور تکمیل علوم کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ طلب علم کی غرض سے ملتان سے قندھار کا سفر کیا۔ وہاں پانچ سال مقیم رہے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ سفر قندھار کے دوران میں متعدد بلاد وامصار کی سیر کی اور اس دوران میں شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور بہت سے حضرات کی زیارت وملاقات کا موقع ملا۔

بعد ازاں دہلی جا کر شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی صحبت اختیار کر لی۔ پھر ہانسی تشریف لے گئے۔ وہاں بارہ سال مقیم رہے اور ریاضت ومجاہدہ کی کٹھن منزلیں طے کیں۔ ہانسی سے اپنے وطن کھتوال کا قصد کیا اور بہت عرصے تک وہاں اقامت اختیار کیے رکھی۔ اس کے بعد عازم اجودھن (پاک پٹن) ہوئے۔ جہاں گئے

[1] کہتے ہیں ولادت تو ۵۶۹ھ میں ہوئی تھی، لیکن شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ سے ملاقات ۵۸۴ھ میں ہوئی اور اسی سال ان کے ساتھ دہلی چلے گئے تھے۔

عقیدت مندوں کا ایک ہجوم حاضر خدمت رہا اور بے شمار لوگوں نے فوائد روحانی حاصل کیے۔

ارض ہند کے اس عظیم عالم وصوفی کی طرف بے شمار کشوف و کرامات منسوب ہیں اور ایسے ایسے واقعات منقول ہیں کہ انسان ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ لیکن یہ موضوع ہمارے دائرۂ تحریر سے خارج ہے۔ ویسے بھی اس قسم کی باتیں پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچتیں۔ یہ بعد میں آنے والوں کی ایجاد ہیں' عقل انھیں تسلیم ہی نہیں کرتی۔

نہایت سخی اور وسعت قلب کے مالک تھے۔ امرا و حکام اور ملوک و سلاطین کے درباروں میں جانے کے بالکل عادی نہ تھے۔ دل کے بہ درجۂ غایت نرم تھے۔ عذوبت لسان اور لینت کلام میں سب سے بڑھ کر تھے' گفتگو میں انتہائی اثر تھا۔ یاد الٰہی میں ہمہ وقت مشغول رہتے اور اس باب میں کسی چیز کو سد راہ نہ ہونے دیتے۔ تواضع اور انکسار میں لاثانی تھے۔ ایک مرتبہ پاؤں میں کچھ تکلیف تھی' اس لیے مجلس مریدین میں مجبوراً چار پائی پر بیٹھنا پڑا۔ یہ مقام نشست چوں کہ عام مریدوں سے اونچا تھا لہٰذا اس پر حاضرین سے معذرت خواہ ہوئے' اپنی تکلیف بیان کی اور چار پائی پر بیٹھنے کی وجہ بتائی۔ حاضرین مجلس نے دعا کی اور کہا:

''صحت شامی باید و صحت ما متعلق صحت شما است۔''

یعنی آپ کی صحت کی ضرورت ہے' ہماری صحت کا تعلق آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا جو حضرت بابا فرید کے مرید خاص تھے' اس مجلس میں موجود تھے' انھوں نے یہ شعر پڑھا:

جان جہانیاں توئی دشمن جان بود کسے
اے ہمہ دشمنان تو دشمن جان خویشتن

ایک مرتبہ خانقاہ میں کچھ درویش آئے' گھر میں سوائے جوار کے اور کچھ نہ تھا۔ خود ہی جوار کا آٹا پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے لیے لائے۔

منقول ہے کہ الغ خان (جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہند ہوا) کی بیٹی بی بی ہزیرہ' حضرت شیخ فرید الدین کے نکاح میں تھیں' مگر اس کے بادشاہ بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی' اس سے شان بے نیازی ہر دور میں قائم رہی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ بلبن جب بادشاہ ہوا تو ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے بلبن کے پاس کسی معاملے میں کوئی سفارش کرانا چاہی۔ حضرت شیخ نے بادشاہ کے نام سفارشی مکتوب اس طرح تحریر فرمایا۔

''میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں' اگر آپ اس کو کچھ دے دیں گے تو درحقیقت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے۔''

علم کے بغیر تصوف وطریقت کو غلط قرار دیتے تھے۔ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا' جب تک علوم شرعیہ میں کامل دست گاہ نہیں ہوگی' خدا کی محبت ومعرفت اور قربت سے محرومی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں پوری طرح پیوست تھی۔مجلس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک آ جاتا تو زار وقطار رونا شروع کر دیتے۔ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا ذکر خود ہی فرمایا اور بات ختم کر چکے تو آہ کھینچی اور روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔جب ہوش میں آئے تو فرمایا' جب اللہ کے رسول (ﷺ) کو اس عالم سے اٹھا لیا گیا ہے تو دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے کہ زندگی کی خواہش کریں۔ہم کو چاہیے کہ اپنے آپ کو جانے والوں ہی میں شمار کریں۔غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھاویں اور زادِراہ کی فکر میں لگے رہیں۔

تلاوت قرآن حکیم کثرت سے کرتے اور فرماتے' قرآن مجید کی تلاوت سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں ہے۔قرآن کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے' جس سے زیادہ اور کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

حضرت بابا فرید اپنے ملنے والوں کو جن امور خیر کی انجام دہی پر زیادہ زور دیتے تھے' ان میں نماز باجماعت سرفہرست ہے اور پھر قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسی طرح نماز پڑھتے تھے' جس طرح نبی ﷺ پڑھتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔اس کی وضاحت ان کی اس سوانح حیات سے ہوتی ہے جو ''جواہر فریدی'' کے نام سے ان کے پڑپوتے جناب دیوان مخدوم علی اصغر نے ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۴ء) میں آج سے ساڑھے تین سو سال قبل ہندوستان کے مغل بادشاہ نور الدین محمد جہاں گیر کے عہد میں لکھی تھی اور یہی عہد حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا تھا۔یہ کتاب ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) میں مطبع وکٹوریا پریس لاہور میں چھپی تھی۔

اس کتاب میں نماز پڑھنے کے طریقے پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔مثلاً نماز عیدین کی بارہ تکبیریں ہیں' سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں ____!

اسی طرح امام کی اقتدا میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم۔رفع یدین' آمین' سفر میں دو نمازیں جمع کرنے کے بارے میں نبی ﷺ کا عمل' نماز قصر کرنے کا طریقہ' سجدۂ تلاوت' نماز جمعہ کا طریقہ' سجدۂ تلاوت' سجدہ سہو' وتروں کی تعداد وغیرہ نماز کے تمام مسائل اس میں بیان کر دیے گئے ہیں۔اصل کتاب فارسی میں ہے۔اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالجبار سلفی (حویلی لکھا' ضلع اوکاڑہ) نے کیا ہے اور اسے دار المعارف السلفیہ' حویلی لکھا' ضلع اوکاڑہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کا نام ''امام الانبیا کا طریقۂ نماز'' ہے۔صفحہ اول پر مرقوم ہے۔

''ماخوذ از جواہر فریدی سوانح حیات بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ۔مکتوبہ ۱۰۳۳ ہجری۔مؤلفہ حضرت مخدوم دیوان علی اصغر چشتی مرحوم۔نبیرہ حضرت بابا فرید گنج شکر۔''

اس کتاب میں نماز سے متعلق وہی احکام بیان کیے گئے ہیں جو نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں اور جن پر اہل حدیث عمل پیرا ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔

اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔

ان کی کوشش اور تبلیغ سے ایک طرف بے شمار مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی گرفت اور محبت مضبوط ہوئی تو دوسری طرف غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوگئی۔

قیام اجودھن کے ابتدائی دنوں میں ایک ہندو جوگی شمبھوناتھ' بابا فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ جوگی اس نواح میں جادو منتر اور ٹونے وغیرہ کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ بابا صاحب کو دیکھتے ہی اس پر ان کی اس درجہ ہیبت طاری ہوئی کہ زبان سے کچھ نہ بول سکا۔ پھر ان کی گفتگو سے ایسا متاثر ہوا کہ قدموں میں گر پڑا اور اپنے تمام چیلوں اور ساتھیوں سمیت ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔

تذکروں میں مرقوم ہے کہ پاک پتن کے اطراف و جوانب میں جو مسلمان آباد ہیں' ان میں زیادہ تر لوگوں نے حضرت بابا صاحب کی تبلیغی مساعی سے اسلام قبول کیا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کی ذات گرامی بے شمار اوصاف حمیدہ کی مالک تھی۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کے مختلف سنین وفات بیان کیے ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ۵ محرم ۶۶۴ھ (۱۵/ اکتوبر ۱۲۶۵ء) کو چورانوے یا پچانوے سال کی عمر پا کر اجودھن (پاک پتن) میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

مغل حکمران جلال الدین اکبر کو حضرت بابا فرید الدین سے بے حد عقیدت تھی اور وہ ان کے مدفن سے بڑی محبت رکھتا تھا' اس لیے اس نے اجودھن کا نام پاک پتن رکھا[1]۔ اس لیے کہ یہ شہر اس وقت دریائے ستلج کے کنارے واقع تھا۔ پھر انگریزوں کے زمانے میں پاک پتن کی ''ت'' نے ٹ کی آواز اختیار کرلی۔

۴۸۔ مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی

ساتویں صدی ہجری میں جن علمائے کرام نے ارض ہند میں بساط علم بچھائی اور مسند تدریس آراستہ کی' ان میں مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ فقہ و اصول کے بلند پایہ علما میں سے تھے۔ ملتان میں ان کا سلسلہ درس جاری تھا' جس سے لاتعداد لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان کی فضیلت علمی کا یہ حال تھا کہ مشہور بزرگ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ نے ان کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا اور ان سے فقہ کی مشہور تصنیف کتاب النافع پڑھی[2]۔

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ سیر العارفین' سیر الاقطاب' خزینۃ الاصفیا' سیر الاولیا' راحت القلوب' اسرار الاولیا' فوائد الفواد' خیر المجالس' اخبار الاخیار' مرآۃ الاسرار' شمائل الاتقیا وغیرہ۔

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۳۳۔

ـــــ ن ـــــ

۴۹۔ شیخ نجم الدین صغریٰ

شیخ نجم الدین صغریٰ دیارِ ہند کے مشہور فقیہ اور نامور عالمِ دین تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتتمش ان کی بے پناہ عزت کرتا تھا اور اس کے عہدِ حکومت میں یہ دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ ان کے حالات میں بعض ایسے واقعات بھی مرقوم ہیں جو ایک عالم وفقیہ کی ذات کے ساتھ بظاہر چنداں مناسبت نہیں رکھتے، مگر چونکہ اپنے تمام اوصاف وکمالات کے باوجود وہ انسان تھے، اس لیے اگر کچھ اس قسم کی باتیں ان کی ذات میں دکھائی دیتی ہیں جو بظاہر مستحسن نہیں معلوم ہوتیں تو اس میں متعجب یا متحیر ہونے کی ضرورت نہیں۔

شیخ نجم الدین صغریٰ کے زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی ایک مشہور بزرگ تھے جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں سلوک وتصوف کی منزلیں طے کرتے رہے تھے اور حضرت سہروردی کے ہاں سے دونوں بزرگ ایک ساتھ ہی تشریف لے گئے تھے، لیکن شیخ جلال الدین تبریزی نیشاپور میں، شیخ بہاء الدین زکریا سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے۔ سلطان ہند شمس الدین ایلتتمش ان کی عظمت وبزرگی کی شہرت سن چکا تھا اس لیے ان سے بہت متاثر تھا۔

شیخ جلال الدین تبریزی کچھ عرصے تک علاقہ خراسان میں مقیم رہنے کے بعد دہلی تشریف لائے تو سلطان نے علما ومشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کے دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا، اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔

تعظیم وتکریم کا یہ انداز شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو ناگوار گزرا اور ان کے دل میں شیخ جلال الدین تبریزی کے خلاف رشک وحسد کے جذبات ابھر آئے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے خواہش ظاہر کی کہ جلال الدین تبریزی، ان کی (یعنی شیخ نجم الدین صغریٰ کی) قیام گاہ کے قریب ہی فروکش ہوں اور قیام کے لیے ایک مکان بھی تجویز کر دیا جو ''بیت الجن'' کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے اس عزیز اور معزز مہمان کو اس مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا کیونکہ مشہور تھا کہ اس میں جنات کا ٹھکانا ہے۔ اس پر شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہا، اگر شیخ جلال الدین تبریزی درویش کامل ہوں گے تو جنات خود ہی مکان چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب دہی کی سزا پائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدگی میں ہوئی تھی، مگر شیخ جلال الدین تبریزی نے اسی مکان میں قیام کا اعلان کر دیا۔ جب انھوں نے مکان کے اندر قدم رکھا تو وہ ایذا رسانیوں کی تمام صورتوں سے پاک ہو گیا اور انھیں کوئی گزند نہ پہنچا۔

دوسرے روز شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے شہر کی تنگ و

تاریک گلیوں میں سے ہو کر چلے تو حضرت خواجہ ان کی آمد کی اطلاع پا کر خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے اور راستے میں قران السعدین ہو گیا۔ سلطان ایلتتمش، شیخ تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا پہلے سے بھی زیادہ معتقد ہو گیا۔ اس سے شیخ نجم الدین صغریٰ کا حسد اور زیادہ بڑھا۔

ایک روز موسم بہار میں سلطان ایلتتمش نے نماز فجر سے پہلے نجم الدین صغریٰ کو محل میں بلایا اور ان کو نماز کے لیے امام بنایا۔ نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے شیخ جلال الدین تبریزی کی قیام گاہ تھی۔ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت سے نوازا تھا' ان کے پاؤں داب رہا تھا۔ نجم الدین صغریٰ نے خیال کیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں۔ اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا' آپ اس قسم کے دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں۔ یہ سونے کا کون سا وقت ہے۔ دیکھیے ایک حسین و جمیل غلام پاس بیٹھا ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی کو نور باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی کا علم ہو گیا۔ اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ سلطان نادم ہوا اور نجم الدین سے کہنے لگا' تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو' نیک و بد کی بھی تمھیں پہچان نہیں۔ مگر شیخ نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہونے کے بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہوئے اور شیخ جلال الدین تبریزی سے پرخاش مزید بڑھ گئی۔

اس ناکامی کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ نے ان کے خلاف ایک اور حربہ استعمال کیا' وہ یہ کہ دہلی کی ایک خوب رو مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے شیخ جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگانے پر آمادہ کیا۔ وہ سلطان کے پاس گئی اور شیخ جلال الدین پر الزام لگایا۔ سلطان نے سنا تو وہ حیران رہ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ غلط الزام اور کذب بیانی ہے۔ وہ مطربہ کو اس دروغ گوئی کی پوری سزا بھی دے سکتا تھا کیونکہ مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی' مگر شیخ جلال الدین تبریزی پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا۔ مقدمہ سامنے آ جانے کے بعد شرعی تحقیق بھی ضروری تھی' اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علما و مشائخ کو دعوت دی گئی' جن میں شیخ بہاء الدین زکریا بھی شامل تھے۔ انھوں نے یہ دعوت قبول فرمائی اور ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ اس محضر میں ملک کے دو سو علمائے کرام اور صوفیائے عظام شریک ہوئے اور محضر دہلی کی جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

نجم الدین صغریٰ نے' شیخ الاسلام کی حیثیت سے شیخ بہاء الدین زکریا کو حکم مقرر کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی' شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا۔ وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو تمام علما و اولیا ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان ایلتتمش اس سے بہت متاثر ہوا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا۔

"میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ یہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے ہیں، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے تو یہ حقیقت اہل اللہ پر بخوبی واضح ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل و بینہ کا اظہار ضروری ہے، لہٰذا مدعیہ مطربہ کو سامنے لایا جائے۔"

اب مطربہ کو شیخ بہاء الدین کے سامنے پیش کیا گیا، مگر اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا اور بتا دیا کہ نجم الدین صغریٰ نے اس کو اتنی رقم دے کر شیخ جلال الدین تبریزی پر الزام لگانے کو کہا تھا۔

اس سازش کے افشا ہونے پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ مجلس ہی میں بے ہوش ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔

سلطان شمس الدین ایلتتمش نے اس کذب بیانی اور اتہام طرازی کی سزا میں نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے منصب سے الگ کر کے شیخ بہاء الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی درخواست کی، جو انھوں نے منظور فرمالی اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں قائم رہا[1]۔

۵۰۔ شیخ نجیب الدین متوکل

شیخ نجیب الدین بن سلیمان بن شعیب عدوی دہلوی "متوکل" کے نام سے مشہور تھے۔ عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ عالم ربانی اور نیک نفس تھے۔ خطہ ہند میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔ اپنے بڑے بھائی شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ سے اخذ علم کیا اور پھر دہلی میں سکونت اختیار کر لی اور اسی سرزمین میں وفات پائی۔

زاہد و عفیف، پاک باز و متوکل علی اللہ اور قناعت پیشہ تھے۔ حرص و طمع سے طبیعت پاک تھی۔ ملوک و امرا کے دروازے پر جانے کے عادی نہ تھے۔ ۹ رمضان ۶۶۹ھ (۲۱/اپریل ۱۲۷۱ء) کو دہلی میں فوت ہوئے[2]۔

۵۱۔ شیخ نصیر الدین دہلوی

عالم اجل شیخ نصیر الدین دہلوی "کاسہ لیس" کے نام سے معروف تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتتمش کے عہد میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے[3]۔

[1] فوائد السالکین مجلس ششم و سیر العارفین ج ۲ ص ۳۱ تا ۳۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱ ص ۲۳۵۔ بزم صوفیہ ص ۹۷ تا ۱۰۰۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۱ ص ۲۳۵ بحوالہ سیر الاولیا۔

[3] نزہۃ الخواطر، ج ۱ ص ۲۳۶ بحوالہ طبقات ناصری۔

۵۲۔ شیخ نظام الدین فرغانی

شیخ نظام الدین فرغانی' فقہ واصول کے متبحر علما میں سے تھے۔ ہندوستان آنے کے بعد بنگال گئے اور سلطان محمد بن بختیار خلجی حاکم بنگال (متوفی ۶۰۲ھ۔ ۱۲۰۶ء) کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ محمد بن بختیار خلجی ان کے علم وفضل، عقل وخرد' قوت فہم اور شجاعت، و بہادری سے بہت متاثر ہوا اور ان کے اوصاف جمیلہ دیکھ کر ان پر بہت مال و دولت خرچ کیا۔ اس کی معیت میں انھوں نے کفار ہند کے ساتھ متعدد جنگوں میں حصہ لیا اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی بہادری اور عقل مندی کے جوہر دکھائے۔ انھوں نے ارض بنگال ہی کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ان کے بھائی شیخ صمصام الدین فرغانی بھی ان کے ساتھ تھے۔ صاحب طبقات ناصری قاضی منہاج الدین جوز جانی نے ۶۴۱ھ (۱۲۴۳ء) میں ان سے ملاقات کی ❶۔

—— و ——

۵۳۔ قاضی وجیہ الدین کاشانی

قاضی وجیہہ الدین کاشانی اپنے دور کے جلیل القدر امام تھے۔ ان کا شمار فقہ واصول و کلام اور علوم عربیہ کے ماہر علما میں ہوتا تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد سلطنت میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے ❷۔

—— ی ——

۵۴۔ شیخ یعقوب بن احمد نہر والی

شیخ ابو یوسف یعقوب بن احمد نہر والی' ساتویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ تھے اور ہندوستان کے علاقہ گجرات کے ایک شہر نہر والا میں اقامت گزین تھے۔ علوم عربیہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ اور فقہ شافعی میں مہارت رکھتے تھے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے پوتے تھے۔ الف خاں کے ساتھ گجرات گئے' جن کو سلطان سجز نے ستر ہزار گھڑ سواروں اور پیدل جنگ جوؤں کے ساتھ نہر والا کی طرف روانہ کیا تھا۔ انھوں نے نہر والا کا محاصرہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں کو سخت تنگ کیا۔ جب مدت محاصرہ نے اتنا طول کھینچا کہ وہ پانچ یا چھ سال کو پہنچ گئی تو شیخ یعقوب نے شہر سے باہر نہایت ہموار طریقے سے تراشے ہوئے پتھروں کی مسجد تعمیر کر

❶ طبقات ناصری' ج ۱' ص ۴۲۳۔ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۳۷۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۳۹۔

دی۔ پھر جب سلطان سجز کی موت کی اطلاع آئی تو الف خاں تو واپس چلا گیا' مگر شیخ یعقوب اسی مسجد میں مقیم ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا' جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ یہ مسجد ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں تعمیر کی گئی تھی ❶۔

۵۵۔ شیخ ابوبکر یوسف بن حسین سقرانی

علامہ شیخ ابوبکر بن حسین سقرانی یعنی امام سراج الدین سجزی۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ کے کبار علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور اس سے قبل کے بادشاہوں کے دور میں طویل عرصے تک ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں بساط تدریس بچھائے رکھی اور افادۂ عام میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں ان سے لاتعداد علما نے اخذ علم کیا۔

غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا۔ ہر جمعے کے روز نماز جمعہ کے بعد ان کی خدمت میں حاضری دیتا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا تھا ❷۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۹۔ بحوالہ مرآۃ احمدی۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی' ص ۱۱۱۔ تاریخ فرشتہ (فارسی)' ج ۱۔ (حالات غیاث الدین بلبن)

آٹھویں صدی ہجری

الف

۱۔ قاضی ابو حنیفہ بھکری سندھی

قاضی ابو حنیفہ بھکری سندھی' اپنے دور کے مشہور علما میں سے تھے۔ سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں شہر بھکر کے قاضی تھے۔ محمد بن بطوطہ اپنی سیاحت کے دوران ۷۴۴ھ (۱۳۴۴ء) میں بھکر آیا تو ان سے بھی ملا۔ اس ملاقات کا ذکر اس نے اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ ابن بطوطہ اس شہر میں تین علمائے کرام سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

و انصرفت عنه الى مدينة بكار' وهى مدينه حسنة' يشقها خليج من نهر السند' و فى وسط ذلك الخليج زاوية حسنة' فيها الطعام للوارد والصادر' عمرها كشكو خان' ايام ولا يته على بلاد السند' وسيقع ذكرُه' ولقيت بهذه المدينة الفقيه الامام صدر الدين الحنفى' ولقيت بها قاضيها المسمى بابى حنيفه' ولقيت بها الشيخ العابد الزاهد شمس الدين محمد الشيرازى' وهو من المعمرين' ذكر لى ان سنه تزيد على مائة و عشرين عاما❶۔

یعنی میں (لاہڑی سے) بھکر گیا۔ یہ شہر بڑا خوب صورت ہے۔ دریائے سندھ کی ایک شاخ اس کے بیچ میں سے گزرتی ہے اور اس کے وسط میں ایک سرائے ہے۔ وہاں مسافروں اور آنے جانے والوں کو کھانا ملتا ہے۔ یہ سرائے اپنے ایام حکومت میں کشکو خاں نے تعمیر کی تھی' جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس شہر میں میری ملاقات امام فقیہ صدر الدین حنفی' قاضی شہر ابو حنیفہ اور عابد و زاہد شیخ شمس الدین محمد شیرازی سے ہوئی۔ شیخ

❶ رحلۃ ابن بطوطہ' ج ۲' ص ۱۰' مطبع امیریہ قاہرہ (۱۹۳۳ء)

شمس الدین محمد کی عمر اس وقت ان کے اپنے بیان کے مطابق ایک سو بیس برس سے زیادہ تھی۔

ابن بطوطہ نے شیخ صدر الدین کا ذکر خاص طور سے حنفی کہہ کر کیا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی دو یعنی قاضی ابو حنیفہ اور شیخ شمس الدین حنفی نہیں تھے۔

۲۔ شیخ ابو علی قلندر پانی پتی

شیخ ابو علی قلندر کا نام شرف الدین تھا۔ سیر الاقطاب کی روایت کے مطابق یہ امام ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ شیخ شرف الدین ابو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن محمد بن وانک بن امام ابو حنیفہ۔

شیخ شرف الدین کے والد مکرم سالار فخر الدین ایک متبحر اور جید عالم تھے۔ وہ ۶۰۰ھ (۱۲۰۴ء) میں عراق سے ہندوستان آئے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی جو اولاد سے محروم رہیں اور وفات پا گئیں۔ بعد ازاں مولانا سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی بہن بی بی حافظہ جمال سے نکاح ہوا' جنھوں نے حضرت شیخ شرف الدین ابو علی قلندر کی ماں بننے کا شرف حاصل کیا۔

شیخ ابو علی قلندر ۶۰۵ھ (۱۲۰۹ء) کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ذہانت و فطانت میں اس درجہ تیز تھے کہ چھوٹی عمر ہی میں تمام علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے اور دہلی میں قطب مینار کے پاس درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ تدریس کا یہ چشمہ فیض بیس برس تک جاری رہا۔ اپنی کتاب حکمت نامہ میں اپنے مشاغل علمیہ کے بارے میں خود ہی لکھتے ہیں کہ میں بیس برس تک درس و افتا میں مشغول رہا۔ اس کے بعد کوچہ تصوف میں قدم رکھا' طبیعت پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی' علوم و فنون کی کتابیں دریا میں ڈالیں اور جنگل کی راہ لی۔ پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ میں آخر وقت تک مقیم رہے۔

جذب و سکر کے زمانے میں عجیب حالت ہو گئی تھی' مونچھیں بڑھ گئی تھیں اور انھیں اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

> وقتے کہ موئے شوارب او بغایت دراز شدہ بود' ہیچ کس را مجال آں نہ بود کہ بوی امر بقص آں ہا کند' مولانا ضیاء الدین سنامی رحمہ اللہ کہ جوش شریعت در برداشت' مقراض بر گرفت و محاسن شریفش در دست گرفتہ' قص شوارب کرد۔ گویند کہ بعد ازاں' شیخ ہمیشہ محاسن خود بوسیدی و گفتی کہ ایں در راہ شریعت محمدی گرفتہ شدہ است ❶۔

یعنی سکر اور جذب و مستی کی حالت میں جب مونچھیں حدود شرعی سے بڑھ گئیں تو کسی کو ان کے تراشنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ ان کے ہم عصر مولانا ضیاء الدین سنامی رحمہ اللہ نے جو کہ

❶ اخبار الاخیار ص ۱۲۹

احکام شریعت کی پابندی میں پرجوش تھے، قینچی ہاتھ میں لی اور شیخ کی ریش پکڑ کر حدود شرعی کے مطابق مونچھوں کو تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ اپنی داڑھی پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے جو شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی۔

اس زمانے کے ایک مشہور بزرگ خواجہ شمس الدین ترک تھے۔ وہ بھی پانی پت میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ ان کا شیخ ابوعلی قلندر کے بارے میں ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ شمس الدین ترک کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا تو انھوں نے دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ خادم کے ہاتھ شیخ ابوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ خادم کو دیکھ کر مسکرائے۔ گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے۔ ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت خواجہ شمس الدین ترک کو واپس کر دیا۔ حضرت خواجہ نے پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر تبسم فرمایا۔ حاضرین نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا شیخ ابوعلی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے۔ شیخ ابوعلی قلندر نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ ابوعلی قلندر سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ چنانچہ دونوں بزرگوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت کا مضبوط رشتہ قائم رہا۔

سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان علاء الدین خلجی کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ سلطان علاء الدین خلجی نے، ان کی خدمت میں کچھ نذر پیش کرنا چاہی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ شیخ کسی کی نذر قبول نہیں کرتے۔ امرائے دولت نے مشورہ دیا کہ نذر اگر حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی وساطت سے بھیجی جائے تو ضرور قبول کر لیں گے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے امیر خسرو کو شیخ نظام الدین کی خدمت میں اپنی اس خواہش کے اظہار کے لیے بھیجا۔ شیخ نظام الدین نے پہلے تو تامل فرمایا، پھر اجازت دے دی اور نصیحت کی کہ قلندر جو کچھ بھی کہیں اس کو مان لینا اور کسی نوع کا اعتراض نہ کرنا۔ امیر خسرو تین دن میں پانی پت پہنچے اور شیخ ابوعلی قلندر کی قیام گاہ پر خادم کے ذریعے حاضری کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو اندر گئے۔ شیخ نے پاس بٹھایا اور کچھ سنانے کے لیے کہا۔ امیر خسرو نے اپنی حسب ذیل غزل سنائی:

اے کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراق یار نیست	گر امید وصل باشد آں چناں دشوار نیست
عاشقاں را در جہاں یکساں نبا شد روزگار	زانکہ ایں انگشتہا بردست من ہموار نیست
خلق را بیدار باید بود از آب چشم من	ایں عجب کان وقت میگریم کہ کس بیدار نیست
یک قدم بر نقشِ خود نہ وآں وگر در کوے دوست	ہرچہ بینی دوست بین با این وآنت کار نیست
چندمی گوئی بروز نار بند اے بت پرست	بر تن خسرو کدامی رگ کہ آن زنار نیست

یہ غزل سن کر شیخ بہت خوش ہوئے اور خسرو سے مخاطب ہو کر کہا' خسرو خوش رہو گے اور خوش ہو جاؤ گے۔ پھر خود ہی یہ غزل پڑھی:

ویہیم خسروان برنعل اشتراست خسرو کسے کہ حلقہ تجرید برسراست
گفتم بعلم و عقل بملک و گرشدم ملکم زعقل و دین چو دیدم فزون تراست
سیمرغ دار روی نہفتم بقاف عشق کو عارفی کہ منظر او عرش اکبراست
عقل کل است علم لدنی بعارفاں ایں عقل و علم جسمے و رسمے مختصر ست
دریں شرف نبود ز الواح ابجدی لوح جمال دوست مرادر ابرابر است

امیر خسرو شیخ ابوعلی قلندر کی زبان سے یہ غزل سن کر بہت روئے۔ شیخ نے پوچھا' کچھ سمجھے بھی؟ عرض کیا' اسی بات کا تو رونا ہے کہ کچھ نہ سمجھا۔ اس جواب سے ابوعلی قلندر بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول کر لی۔ فرمایا' اگر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو ہرگز نذر قبول نہ کرتا۔ پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز و اکرام سے خانقاہ میں ٹھہرایا جائے۔ وہ تین دن وہاں رہے۔

سلطان غیاث الدین تغلق بھی شیخ ابوعلی قلندر کا بہت معتقد تھا۔ ایک مرتبہ اپنے لڑکے شہزادہ جونا خاں اور پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ شیخ نے خدام کو حکم دیا کہ ان تینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ خدام تینوں کے لیے ایک پیالے میں کھانا لائے۔ بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالے میں کھانا شروع کیا۔ شیخ نے فرمایا' تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں۔ یہ گویا جونا خاں اور شہزادہ کمال الدین کے لیے بادشاہت کی خوش خبری تھی۔ چنانچہ آگے چل کر سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد یہ دونوں سلطان محمد خاں تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے نام سے ہندوستان کے تخت بادشاہت پر متمکن ہوئے۔

اس عالم و صوفی کی تبلیغ اسلام اور علو کردار سے متاثر ہو کر پانی پت اور اس کے نواح کے بے شمار غیر مسلم' حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس علاقے میں جو مسلمان راجپوت آباد ہیں یا آباد تھے' انھوں نے ان ہی کے ارشاد و ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ ایک مشہور راجپوت امیر سنگھ ان کی تبلیغ سے ایمان لایا اور پھر اس خاندان کے مسلمان راجپوت پورے علاقے میں پھیل کر اسلام کی مضبوط طاقت بنے۔

انھوں نے ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ (۲ ستمبر ۱۳۲۴ء) کو وفات پائی۔ تاریخ وفات ''یا شرف الدین ابدال'' نکلتی ہے [1]۔

شیخ ابوعلی قلندر شاعر بھی تھے۔ یہ شعر ان ہی کا ہے۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن از گل رعنا بگوبا ما سخن

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار' خزینۃ الاصفیا' تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف' دعوت اسلام' مرأۃ الکونین' سیرۃ الاقطاب' مرأۃ الاسرار وغیرہ۔

۳۔ شیخ احمد بن یحییٰ منیری

شیخ احمد بن یحییٰ منیری ۲۶ شعبان ۶۶۱ھ (۵ جولائی ۱۲۶۳ء) کو منیر (ضلع پٹنہ۔ صوبہ بہار۔ ہند) میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش "شرف آگین" ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا تاج محمد فقیہ بن ابوبکر بن ابوالفتح بن ابوالقاسم بن ابوالصائم بن ابودہر بن ابواللیث بن ابوسہمہ بن ابوالدین بن ابوسعید بن ابوذر بن زبیر (المکنی بابی الصعب) بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ والدہ مکرمہ کا نسب نامہ چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ سے ملتا ہے۔

شیخ احمد بن یحییٰ منیری کے خاندان کا تعلق سکونت در حقیقت بیت المقدس سے تھا۔ وہیں سے آ کر کسی زمانے میں یہ خاندان ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں منیر میں آباد ہوا۔ یہ خاندان علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ہمیشہ ممتاز رہا۔ منیر کے گرد و نواح میں اس خاندان کی تبلیغی مساعی سے اسلام کی بے حد نشر و اشاعت ہوئی۔

شیخ احمد کا لقب شرف الدین تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں پائی۔ اس زمانے میں مصادر، مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں زیر درس رہیں۔ مفتاح اللغات زبانی یاد کی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو والد ماجد نے مزید تعلیم کے لیے مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے پاس موضع سنارگاؤں بھیج دیا جو اس عہد کے ممتاز علما میں سے تھے۔ شیخ احمد نے ان کے علم و فضل اور اسلوب تدریس کی بہت تعریف کی ہے۔

اپنے اس شفیق و مہربان استاد سے انھوں نے قرآن مجید، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ منطق، فلسفہ، ریاضی اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ علاوہ ازیں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مصروف رہے اور ساتھ ہی تصوف و طریقت کی کتابیں پڑھیں۔

استاد نے اپنے اس شاگرد کی گوناگوں صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اپنی دختر ان کے عقد میں دے دی جس سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ دو صغرسنی میں انتقال کر گئے اور ایک زندہ رہا جس کا نام زکی الدین تھا۔ ان ہی سے اس خاندان کی نسل آگے چلی۔

سنارگاؤں کے زمانۂ قیام میں حصول علم میں اس قدر منہمک رہتے کہ گھر یا دیگر اعزہ و اقارب اور دوستوں کی طرف سے خطوط آتے تو ان کو کھول کر نہ دیکھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو ان میں کوئی تشویش ناک اور ذہنی اعتبار سے اذیت رساں بات درج ہو اور وہ تعلیم کے راستے میں رکاوٹ کا باعث بن جائے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن انھیں کھول کر پڑھا تو ایک خط میں والد محترم کے انتقال کی خبر مرقوم تھی۔ اس خبر سے دل پر سخت چوٹ لگی اور شدت غم سے بے چین ہو گئے۔ اسی وقت گھر کی طرف لوٹے۔ گھر کے دوران قیام میں دل میں طلب الٰہی کی آگ شعلہ زن ہوئی اور مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چھوٹے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ساتھ ہو گئے۔

اس زمانے میں دہلی اور اس کے اطراف کو بزرگان دین اور مشائخ اسلام کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ احمد بھی دہلی جا پہنچے اور مختلف عباد و زہاد سے ملاقات کی۔ شیخ نظام الدین اولیا کے دربار میں بھی حاضری

دی، مگر ان کے حلقہ ارادت میں شامل نہیں ہوئے' البتہ ان کی ہدایت پر شیخ نجیب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مرشد نے بیعت لی اور کچھ نصیحتیں کیں۔ بیعت کے بعد عبادت و زہد کی لگن میں علاقہ بہار کے مختلف جنگلوں اور صحراؤں میں ایک عرصے تک گھومتے رہے۔ اس اثنا میں بعض جوگیوں سے بھی ملاقات ہوئی اور اسلامی تعلیمات کے بعض پہلوؤں پر ان سے بحثیں کیں۔ ان سفروں میں بہت سے لوگ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔

بالآخر جنگل کی زندگی ترک کر کے آبادی کی طرف رخ کیا تو نماز جمعہ کے لیے صوبہ بہار کے قصبہ بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار پر اس قصبے میں مستقل سکونت اختیار کر لی، جہاں کم و بیش ساٹھ سال تک اپنے چشمہ فیض سے لوگوں کے قلب و ذہن کو سیراب کرتے رہے۔

اس زمانے میں سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہندوستان تھا۔ وہ ان کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل سے بہت متاثر تھا، لیکن انھوں نے ہمیشہ ملوک و سلاطین اور امرا و حکام سے ملنے سے گریز کیا۔ طبیعت میں بے نیازی و استغنا کا یہ عالم تھا کہ کچھ ملتا بھی تو فوراً غربا و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔

سلطان محمد تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق ہندوستان کی مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ وہ بھی ان کا انتہائی احترام کرتا اور ان کے زہد و اتقا سے مستفیض ہوتا تھا۔

ہر حلقے میں ان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ علما' فقہا' محدثین اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین ان کی مجلس میں آتے اور ان کے فیوض سے فائدہ اٹھاتے۔ بادشاہوں کو عمدہ ترین الفاظ میں خوف خدا' اتباع سنت رسول اور رعیت سے حسن سلوک کی تلقین فرماتے۔

باطنی تعلیمات کے ساتھ ظاہری اخلاق کو سنوارنے کی تاکید کرتے اور فرماتے کہ جو شخص شریعت کا علم حاصل نہیں کرتا' وہ تصوف و طریقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شریعت سے بے بہرہ صوفی' گمراہی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

دیار ہند کے یہ عظیم عالم و محدث اور معروف صوفی و فقیہ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر شب پنجشنبہ کو عشا کی نماز کے وقت ۶ شوال ۷۸۲ھ (۳ جنوری ۱۳۸۱ء) کو فوت ہوئے۔ تاریخ وفات شرف (۷۸۲) ہے۔

وصیت تھی کہ نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو' تارک مملکت نہ ہو اور حافظ قرآن مع قرات سبعہ ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا کہ عین اس وقت حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ تشریف لائے۔ یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں' لہٰذا نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت ان ہی کے حصے میں آئی۔ قبر ہندوستان کے صوبہ بہار کے قصبہ بہار شریف میں ہے [1]۔

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار' سیر العارفین' وفات نامہ حضرت مخدوم الملک' سیرۃ الشرف' تذکرۂ علمائے ہند' نزہۃ الخواطر جلد ثانی۔

۴۔ سید احمد غزنوی

سید مفتی احمد بن ابو احمد غزنوی آٹھویں صدی ہجری میں دیار ہند کے کبار علمائے دین میں سے تھے۔ دکن گئے تو علاء الدین حسن بہمنی ان سے انتہائی عزت و اکرام سے پیش آیا اور انھیں گل برگہ کی مسند تدریس پر فائز کیا۔ تمام عمر اس منصب پر متمکن رہے۔ گل برگہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ❶۔

۵۔ شیخ اسحاق مغربی

شیخ اسحاق مغربی ۶۶۰ھ (۱۲۶۲ء) میں پیدا ہوئے۔ عابد و زاہد، عالم و فقیہ اور ارض ہند کے مشہور اولیائے کرام میں سے تھے۔ علم طریقت انھوں نے شیخ محمد مغربی سے حاصل کیا تھا۔ شیخ محمد مغربی نے ابوالعباس احمد قرشی سے، انھوں نے ابو محمد صالح دکا کی سے، انھوں نے امام طریقت شیخ ابو مدین مغربی سے حاصل کیا تھا۔ شیخ اسحاق مغربی کو اپنے استاد شیخ محمد مغربی سے اس درجہ محبت تھی کہ جب تک وہ زندہ رہے انھوں نے ان کے ساتھ ملازمت و وابستگی اختیار کیے رکھی۔ ان کی وفات کے بعد کچھ عرصہ وہاں رہے، پھر ہندوستان آ گئے اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اجمیر تشریف لے گئے۔ وہاں طویل مدت تک قیام پذیر رہے۔ اجمیر سے موضع کھتو گئے جو اعمال ناگور میں واقع ہے۔ وہاں سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ ۱۷ شعبان ۷۷۶ھ (۲۱ جنوری ۱۳۷۵ء) کو فوت ہوئے ❷۔

۶۔ اسماعیل فقیہ

ابن بطوطہ اپنی سیاحت ہند کے دوران مالا بار کے علاقے میں بھی گیا تھا۔ اس علاقے کے ایک شہر ہنُوَر میں گیا تو دیکھا کہ اس شہر کے تمام لوگ شافعی المذہب ہیں۔ نیک اور دین دار ہیں اور ان کے دل ولولۂ جہاد سے معمور ہیں۔ علاوہ ازیں وہ طاقت اور قوت کے بھی مالک ہیں۔ وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے۔

> واھل المدینة یھنور شافعیة المذھب لھم صلاح و دین و جھاد فی الحرب والقوہ❸۔

وہاں اس کی ملاقات ایک شخص اسماعیل سے ہوئی جو اس علاقے کے فقیہ تھے اور باشندگان علاقہ کو

❶ محبوب الوطن، تذکرۂ سلاطین دکن، حصہ اول، در بیان سلاطین بہمینہ، تالیف ابو تراب محمد عبدالجبار خاں صوفی۔ (مطبوعہ مطبع نامی فخر نظامی حیدر آباد) ص ۹۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۳۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳۔ بحوالہ مجمع الابرار۔

❸ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۱۷۷۔

کتاب اللہ کی تعلیم دیتے تھے۔ پرہیز گار، حسن اخلاق کے مالک اور کریم النفس تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

ولقیت بها الفقیه اسماعیل معلم کتاب الله تعالی و هو ورع حسن الخلق کریم النفس ❶۔

۷۔ شیخ اسماعیل بن محمد ملتانی

شیخ اسماعیل بن محمد بن زکریا قریشی، شیخ عماد الدین ملتانی کے لقب سے مشہور تھے۔ مسند مشیخت پر فائز تھے اور اپنے دور کے نامور عالم وفقیہ تھے۔

ملتان میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے اور اپنے والد ماجد اور بڑے بھائی شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی سے فیض علم وصلاح حاصل کیا۔ پھر فقہ اور اصول فقہ کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی اور اس میں اس قدر ممتاز مقام پر پہنچے کہ افتا و تدریس کی مسند علیا پر فائز ہوئے اور اس باب میں مرجع خلائق قرار پائے۔ جب ان کے بڑے بھائی وفات پا گئے تو ان کی جگہ مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھے۔ ان کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ گلزار ابرار میں ان کے حالات کے اختتام پر ''عماد الدین عماد قصر دین بود'' مرقوم ہے، جس کے عدد ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) نکلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سال وفات ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) ہے ❷۔

۸۔ مولانا افتخار الدین رازی

مولانا افتخار الدین رازی ثم ہندی دہلوی۔ عہد علاء الدین خلجی کے اکابر اور نامور علما میں سے تھے۔ فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور علوم عربیہ کے ممتاز عالم تھے۔ تمام عمر دارالسلطنت دہلی میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ بے شمار لوگوں نے ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا ❸۔

۹۔ مولانا افتخار الدین برنی

شیخ افتخار الدین برنی کبار علما واساتذہ میں سے تھے۔ عہد علاء الدین خلجی میں دارالحکومت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ میں انھیں ید طولی حاصل تھا ❹۔

---

❶ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲ ص ۱۷۷۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳، ۱۴۔ بحوالہ گلزار ابرار

❸ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۔

❹ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۵

۱۰۔ مولانا افتخار الدین گیلانی

شیخ افتخار الدین گیلانی کا شمار فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے چوٹی کے علما کی جماعت میں ہوتا ہے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانۂ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں درس دیتے اور لوگوں کی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ ان کی فراوانیٔ علم و فضل کا اندازہ اس سے کیجیے کہ شیخ عبدالکریم شروانی کی وفات کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے کتب درسیہ ان ہی سے پڑھیں ❶۔

۱۱۔ شیخ امام الدین دہلوی

شیخ امام الدین دہلوی قرن ہشتم کے ہندوستان کے فقہائے نام دار اور علمائے عظام میں سے تھے۔ ابدال کے لقب سے معروف تھے۔ شیخ بدر الدین غزنوی سے تحصیل علم کی اور ان کے شیخ کے شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے اخذ فیض کیا اور ایک عرصہ تک ان سے لزوم و انسلاک اختیار کیے رکھا۔ ۷۸۰ھ (۱۳۷۶ء) میں فوت ہوئے ❷۔

ـــــ ب ـــــ

۱۲۔ مولانا بدر الدین معبری

شیخ بدر الدین معبری شافعی، اپنے عصر کے مشاہیر افاضل میں سے تھے۔ شافعی المسلک تھے اور فقہ شافعی پر عمیق نظر رکھتے تھے۔ شہر منگرور کے قاضی تھے۔ یہ شہر مالابار کے علاقے میں ساحل سمندر پر خلیج کے کنارے واقع ہے۔ ابن بطوطہ سیاحت ہند کے دوران اس شہر میں گیا تھا۔ اس شہر میں اس نے مولانا بدر الدین معبری شافعی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے ❸۔

۱۳۔ مولانا بدر الدین اودھی

شیخ بدر الدین اودھی، عہد علاء الدین خلجی کے مشہور واعظ تھے۔ علم و دیانت، زہد و ورع اور تقویٰ و صالحیت میں اپنے دور کے بے نظیر عالم تھے۔ خطہ اودھ میں رہائش پذیر تھے۔ کبھی کبھار دہلی بھی تشریف لے

❶ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۵۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

❸ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۱۸۳

جاتے تھے۔ وہاں کئی کئی روز قیام فرماتے اور مجالس وعظ و تذکیر منعقد کرتے۔ ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ قول و عمل میں تصنع اور تکلف سے پاک تھے۔ وہی بات زبان سے نکالتے جو صداقت کی میزان پر پوری اترتی۔ ہر فکر و عقیدہ کے لوگ ان کی مجالس وعظ میں شرکت کرتے اور بہت متاثر ہوتے اور ان کی باتیں سن کر اللہ کے ڈر سے روتے روتے لوگوں کی ہچکی بندھ جاتی۔ مفتی بھی تھے، کسی روایت کے بغیر صحیح فتویٰ دیتے❶۔

۱۴۔ مولانا برہان الدین بھکری

شیخ برہان الدین بھکری سندھی، فقہ واصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دارالحکومت دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے اخذ علم کیا❷۔

۱۵۔ قاضی بہاء الدین اوچی

آٹھویں صدی ہجری کے علمائے ہند میں شہر اوچ کے قاضی بہاء الدین اوچی کا اسم گرامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ممتاز عالم وفقیہ تھے۔ فضل و صلاح میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ پنجاب کے ضلع رحیم یار خاں کے مشہور شہر اوچ میں بساط تدریس بچھا رکھی تھی۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اخذ علم کیا۔ اوچ کے معروف عالم دین شیخ جلال الدین بن حسین بن احمد حسینی بخاری اوچی معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شروع سے آخر تک تمام کتب درسیہ ان سے پڑھیں❸۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ بھی ان ہی سے پڑھی۔ انھوں نے اپنا ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا، جس کا نام ان کے نام کی مناسبت سے مدرسہ بہائیہ تھا۔ اس مدرسے میں متعدد بلند پایہ علمائے کرام نے تعلیم حاصل کی۔

ان کے بارے میں مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں:

> مولانا بہاء الدین قاضی میرے استاد تھے۔ میں ان سے پڑھتا تھا۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے فرمایا: ''سر اونچا کر کے سلام کیا کرو، کیونکہ سر نیچا کر کے سلام کرنا مکروہ ہے❹۔''

❶ تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۶۷۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۲

❷ تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۷۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۸۔ بحوالہ جامع البیان۔

❹ خطہ پاک اوچ، ص ۱۸۹۔ بحوالہ الدر المنظوم، ص ۳۶

ــــ ت ــــ

۱۶۔ امیر تاتار خاں دہلوی

امیر تاتار خاں دہلوی علم و فضل، تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ انھیں ''خان اعظم'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے حالات مختلف کتابوں میں درج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی میں سراج عفیف لکھتے ہیں:

نقل ہے کہ خان اعظم خدا کی درگاہ میں بندۂ مقبول اور بادشاہ کا دست گرفتہ تھا۔ صاحب سیف و قلم تھا۔ واضح ہو کہ یہ امیر باعتبار نسل ترک تھا۔ معتبر روایت ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں خراسان کے ایک صاحب جاہ و حشم فرماں روا نے ملتان اور دیپال پور پر حملہ کر کے اس نواح کو تاخت و تاراج کیا۔ یہ حملہ آور بادشاہ اپنی ایک بیوی پر، جو بے حد حسین و جمیل تھی، اس درجہ شیدا و فریفتہ تھا کہ اس کو اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ اس مہم میں یہ بیوی بادشاہ کے ہمراہ تھی اور حاملہ تھی۔ ملتان اور دیپال پور کے علاقے میں قدم رکھتے ہی اس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس شب سلطان تغلق نے خراسانی لشکر پر شب خون مارا اور قتل عام شروع کر دیا۔ خراسانی لشکر نے شکست کھائی۔ ان میں سے ہر شخص نے راہ فرار اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں اس بچے کو گہوارے ہی میں چھوڑ گئے۔

سلطان تغلق کا لشکر ہر جانب مال غنیمت تلاش کر رہا تھا کہ ان کی نظر گہوارے پر پڑی۔ گہوارہ مع بچے کے بادشاہ کے روبرو لایا گیا۔ سلطان تغلق نے اس نوزائیدہ بچے کو دیکھ کر بے حد پسند کیا اور اس کی بیٹوں کی طرح پرورش شروع کی۔

سلطان تغلق نے اس لڑکے کو تاتار ملک کے نام سے موسوم کیا، جو اس عہد میں خورد سال تھا۔ بچہ جوان ہوا اور سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں مشہور زمانہ ہوا۔ یہ لڑکا دلاوری اور زور آزمائی اور شجاعت و بہادری میں یکتائے زمانہ ہوا اور محمد تغلق کے عہد حکومت میں لشکر کشی و فتوحات ملکی میں نادر روزگار خیال کیا جانے لگا۔ اس نے اپنے زور بازو سے کئی ممالک فتح کیے۔

معتبر روایت ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق، اس سے آزردہ ہوا اور اس نے اس امیر کو برے الفاظ سے یاد کیا اور اپنے سے جدا کر کے دور دراز علاقے میں بھیج دیا۔ وہاں سے تاتار ملک نے چند اشعار بادشاہ کے حضور بھیجے۔ سلطان محمد تغلق نے یہ اشعار پڑھ کر اس کی بے حد تعریف کی اور اس کو اپنے پاس بلا کر اس کی بڑی تکریم کی۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس امیر کو تاتار خاں کا لقب عطا ہوا اور چتر قطیفہ کے عطیہ سے سرفراز کیا گیا۔ اس پر مستزاد نوازش یہ ہوئی کہ چتر کے اوپر بجائے ہمائے زریں کے زریں طاس رکھا گیا، جو صرف سلاطین کے لیے مخصوص ہے۔

فیروز شاہ صحن گلبن کے محل میں دربار لگایا کرتا تھا۔ بادشاہ کے دائیں جانب جو وزرا کے لیے مخصوص تھا' تاتارخاں کو جگہ عطا ہوئی اور بائیں جانب خان جہاں مقبول کی جگہ مقرر ہوئی۔ اگرچہ خان جہان مقبول وزیر تھا' لیکن بادشاہ کے دائیں جانب تاتارخاں ہی کو جگہ عنایت کی گئی۔ تاتارخاں کے انتقال کے بعد یہ جگہ خان جہان مقبول کو عطا کی گئی۔

فیروز شاہ تغلق کو تاتارخاں پر کلی اعتماد تھا اور وہ امور ملکی میں ہمیشہ تاتارخاں سے مشورہ لیا کرتا اور اس امیر کی رائے کے مطابق مہمات ملکی کا فیصلہ کرتا اور اس کی بابت احکام جاری کرتا۔ تاتارخاں بھی بادشاہ کا بہی خواہ اور خیر اندیش تھا اور عمدہ وسلیم فطرت کا مالک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بے شمار صفات سے آراستہ کیا تھا۔

تاتارخاں نے سفر حجاز بھی کیا اور حرمین شریفین کی زیارت اور سعادت حج سے بھی بہرہ اندوز ہوا۔ اس کی صحبت میں ہمیشہ علما وفضلا کا مجمع رہتا اور وہ اس پاک باز گروہ کی بہت تعظیم کرتا۔ تفسیر تاتارخانی جو بہترین اور مشہور تفسیر ہے اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔ اس نے ایک مفصل تفسیر مرتب کرنے کا ارادہ کیا' اس کے لیے تمام تفاسیر جمع کیں اور علما کی ایک جماعت کو جمع کر کے سب ائمہ تفسیر کے اختلافات نقل کر کے ہر آیت کے متعلق تمام اقوال اپنی تفسیر میں جمع کیے۔ پھر اختلافات مطالب کے سلسلے میں ہر مفسر کی رائے اور تفسیر کا حوالہ دیا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس تفسیر میں تمام تفسیروں کا مواد جمع ہو گیا ہے۔ اس تفسیر کو اس نے تفسیر تاتارخانی کے نام سے موسوم کیا۔

اسی طرح اس نے ایک مجموعہ فتاویٰ بھی مرتب کیا' جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے شہر دہلی کی تمام کتب فتاویٰ جمع کیں اور اس کے بعد خود ایک کتاب ترتیب دی جس میں ہر مسئلے کے بارے میں مفتیان شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحب فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔

تاتارخاں علم شریعت میں مرتبہ عالی رکھتا تھا' وہ شریعت کے اتباع وتبحر سے طریقت اور طریقت سے علم حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔ اس امیر نے ان تینوں علوم کے نکات ومعارف حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہا۔

مختصر یہ کہ تاتارخاں عالم دین' حاجی' پرہیزگار اور احکام شریعت کا پابند تھا۔ امور شرع سے سر مو تجاوز نہ کرتا اور سفر وحضر میں شریعت پر کاربند رہتا۔ جنگ کے لیے روانہ ہوتا تو دیگر امرا کی طرح عورتوں کو ساتھ نہ لے جاتا۔ غرض ہر معاملے میں احکام شریعت کی پابندی کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کی خوبیوں سے آراستہ کیا تھا۔ اس نے فیروز شاہ تغلق کے تخت نشین ہونے کے چند سال بعد وفات پائی [1]۔

نزہۃ الخواطر میں سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے تاتارخاں کا جن الفاظ میں تعارف کرایا ہے' ان کا ترجمہ یہ ہے:

— امیر تاتارخاں دہلوی ان معروف حضرات میں سے تھا جو فضل وصلاح اور ریاست و

[1] تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف۔ (اردو ترجمہ) ص۲۶۳ تا ۲۶۷۔

سیاست میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ابھی یہ ایک دن کا بچہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو ایک میدان جنگ میں گرا ہوا پایا اور اٹھا لیا۔ سلطان نے امارت و سیادت کی گود میں اس کی پرورش کی اور اس کو اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل کیا۔ پھر جب محمد شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہند ہوا تو اس نے اس کو اپنا مقرب بنا لیا اور مناصب جلیلہ پر فائز کیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ امیر ارکان سلطنت میں ایک اہم رکن گردانا گیا۔ فاضل و عادل' شجاع و بہادر' سخی' اخلاق حسنہ کا مالک' اونچے کردار کا حامل' شریعت مطہرہ کا سخت پابند اور ملوک و امرا کا شدید محاسبہ کرنے والا تھا۔ اللہ کے معاملے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتا اور نہ کسی کی توقیر کرتا۔ ایک مرتبہ مے نوشی کے سلسلے میں اس نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو ٹوک دیا تھا اور فیروز شاہ نے اس کو حصار فیروزہ کے مقام پر ایک جاگیر دے کر اپنے سے الگ کر دیا تھا۔ اسی طرح سلطان محمد شاہ تغلق اس سے ناراض ہو گیا تو اس نے محمد شاہ کو مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیجے:

وہ ندانم از کجا رنجیدۂ ۔۔۔ بے سبب از دوستان ببریدۂ
بانگ نے خوش می زند جانانِ من ۔۔۔ نالہ بے چارگان نشنیدۂ
در تو بارے ہرگز ایں عادت نبود ۔۔۔ از طریق خود مگر گردیدۂ
گو گنا ہے کردہ ام مارا بخش ۔۔۔ زانکہ تو چندیں گنہ بخشیدۂ
ازتتار خستہ باللہ العظیم ۔۔۔ نیست جرمی بے سبب رنجیدۂ

سلطان محمد شاہ تغلق نے یہ اشعار پڑھے تو بہت خوش ہوا' اس کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کیا اور اس کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی۔ بعد ازاں وہ زیارت حرمین شریفین کے لیے گیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوا۔

اس امیر نے ایک تفسیر قرآن تصنیف کی' جس کا نام تفسیر تاتارخانی رکھا' اسی کے حکم سے عالم بن علا دہلوی نے فتاویٰ تاتارخانیہ تصنیف کیا جو ایک بہت بڑا ذخیرۂ علم فقہ ہے۔ تاتار خاں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں وفات ہوئی [1]۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے بھی اپنی کتاب' تاریخ فیروز شاہی میں ''ملوک فیروز شاہی'' کے عنوان سے امیر تاتار خاں کی بہت تعریف کی ہے اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے امرا و ندما میں اسے خاص اہمیت دی ہے۔ برنی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

> ان امرا میں سے جن کو (سلطان فیروز شاہ تغلق کی) درگاہِ عالی میں بہت زیادہ خصوصیت حاصل ہے دوسرا امیر اعظم تاتار خاں بہادر بندۂ امیر المومنین ہے۔ خدا اس کی عزت دوبالا کرے۔ بادشاہ سے خلوص و ہوا خواہی اور اس کی خدمت میں وہ جملہ ملوک سے

[1] نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۹٬۱۸

سبقت لے گیا ہے۔ شاہ عالم پناہ کے عواطف خسروانہ کی وجہ سے وہ نہایت بلند مرتبے پر فائز ہے اور بادشاہ کے دربار میں اس کو جو خصوصیت حاصل ہے اس کا درجہ دوسرے جملہ ملوک کی خصوصیات سے بلند ہے۔ خان کے بلند مرتبے کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ جو دنیا داری کا معدن و خزانہ ہے وہ دین داری' عبادت گزاری' عفت و پاک نفسی' علم حدیث وفقہ سے دلچسپی اور قلبی لگاؤ' اصابت رائے اور لطافت طبع کے لحاظ سے بھی خوانین وملوک سلف وخلف میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ وہ شخص جس نے دنیا کے ساتھ دین کو بھی اپنی ذات میں جمع کر رکھا ہے تاتار خاں ہے۔ اللہ اس کو تقویت بخشے ❶۔

۱۷۔ قاضی تاج الدین کڑوی

قاضی تاج الدین بن شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد حسنی حسینی مدنی کڑوی' اونچے مرتبے کے عالم وفقیہ اور اپنے زمانے کے مشہور شیخ تھے۔ شہر کڑ کے قاضی تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے ان کو کڑ سے بدل کر بدایوں بھیج دیا تھا اور ان کی جگہ ان کے بھتیجے رکن الدین بن نظام الدین کڑوی کو شہر کڑ کے قاضی مقرر کر دیا تھا۔ بدایوں آنے کے بعد یہ تمام عمر وہیں رہے اور وہاں ان کی اولاد بھی ہوئی اور اولاد بھی بدایوں ہی میں سکونت پذیر رہی اور سب نے علم و عمل کے میدان میں شہرت حاصل کی۔

قاضی تاج الدین کڑوی سادات کڑ سے تعلق رکھتے تھے اور اس خاندان کے نیک اطوار اور پرہیز گار بزرگ تھے ❷۔

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

ان سادات میں سے جن کے مبارک وجود سے اس علاقے کو عظمت و بزرگی حاصل ہوئی' ایک سید تاج الدین بن شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے اور یہ سید تاج الدین بدایوں کے قاضیوں میں سے سید قطب الدین کے والد اور سید اعز الدین کے دادا تھے۔ وہ برسوں اودھ کے قاضی رہے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے ان کو اودھ سے علیحدہ کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ سید تاج الدین ایک بڑے بزرگ سید تھے۔ ان سادات میں ہر ایک بزرگی' علم' بردباری' سخاوت اور دوسرے عمدہ اوصاف میں بے نظیر ہے ❸۔

تذکرہ علمائے ہند میں بھی ان کا ذکر موجود ہے ❹۔

---

❶ تاریخ فیروز شاہی' ضیاء الدین برنی' ص ۵۷۹

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۹۔

❸ تاریخ فیروز شاہی' ضیاء الدین برنی ص ۳۴۸۔

❹ ملاحظہ ہو: تذکرۂ علمائے ہند' ص ۲۶۳

۱۸۔ مولانا تاج الدین کلاہی

شیخ تاج الدین کلاہی عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دار الحکومت دہلی میں مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان کا انداز تدریس عمدگی اور حسن وخوبی میں مشہور تھا۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا❶۔

۱۹۔ مولانا تاج الدین مقدم دہلوی

شیخ تاج الدین مقدم دہلوی علم وفضل میں یگانہ روزگار تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ عہد علاء الدین خلجی میں دہلی کی مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے اخذ علم کرنے والوں کی فہرست بہت وسیع ہے اور اس میں نہایت بلند مرتبہ حضرات شامل ہیں، جن میں شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی کا نام نامی بھی مرقوم ہے جو گلبرگہ میں مدفون ہیں۔ انھوں نے ان سے بعض کتب درسیہ پڑھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے علمائے کرام نے ان سے علمی استفادہ کیا❷۔

ج

۲۰۔ مولانا جلال الدین رومی

شیخ جلال الدین، علم وفضل میں درجہ امامت پر فائز تھے۔ سلسلہ درس وافادۂ عام کے مشہور علما میں سے تھے۔ شیخ قطب الدین رازی سے اخذ علم کیا جو شمسیہ کے شارح تھے۔ جب یہ روم سے ہندوستان آئے تو سلطان فیروز شاہ تغلق تخت ہند پر متمکن تھا۔ اس نے ان کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر دار السلطنت دہلی کے مدرسہ فیروز شاہی میں ان کو مدرس مقرر کر دیا اور یہ طلبائے علم کو تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم پڑھانے لگے۔ اس اثنا میں ان سے بے شمار لوگوں نے فیوض علمیہ حاصل کیے، جن میں شیخ یوسف بن جمال ملتانی بھی شامل ہیں۔

شیخ جلال الدین رومی جس مدرسے کی مسند درس پر فائز تھے وہ مدرسہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کیا تھا اور دہلی میں حوض علائی پر واقع تھا۔ اس کی چھت نہایت عمدہ تھی، صحن بہت وسیع تھا۔ طول وعرض اور خوب صورتی کے اعتبار سے کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، اور اسلامی ہند کا یہ عظیم مدرسہ ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا❸۔

---

❶ تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند ص ۳۶۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۹، ۲۰

❷ تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۰

❸ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۳

تاریخ فیروز شاہ کے مصنف قاضی ضیاء الدین برنی مدرسہ فیروز شاہی کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

''سلطان فیروز شاہ تغلق کی تعمیر کردہ عمارات میں دوسری عمارت مدرسہ فیروز شاہی ہے۔ یہ عجیب وغریب عمارت ہے جو حوض علائی پر تعمیر کی گئی ہے۔ مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت اپنے گنبدوں کی بلندی، تعمیرات کی خوبی، صحنوں کے توازن، نشست گاہوں کی لطافت، استعمال میں آنے والے کمروں اور ستونوں کی دل آویز قطاروں کی وجہ سے دنیا کی مشہور عمارتوں سے سبقت لے گئی ہے۔ یہ عمارت ایسی عجیب وغریب ہے کہ یہاں کے مقامی باشندوں اور سیاحوں میں سے جو شخص بھی اس مدرسے میں آتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا جنت میں پہنچ گیا ہے اور فردوس میں مقیم ہے۔ اس میں داخل ہوتے ہی دل سے غم دور ہو جاتا ہے۔ مدرسے کی دلکش عمارتوں کو دیکھ کر مغموم لوگوں کے دل کھل جاتے ہیں۔ اس کے روح افزا نظارے سے خستہ جانیں شگفتہ ہو جاتی ہیں اور دیکھنے والے پرانے سے پرانے صدمے کو بھی بھول جاتے ہیں۔''

اس سے آگے وہ اس مدرسے کی تعلیمی خوبیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

''مولانا جلال الدین رومی جو ایک نہایت قابل استاذ ہیں، اس مدرسے میں علوم دینی کا درس دیتے ہیں۔ وہ ہر وقت طالب علموں کو پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہر روز حفاظ قرآن، قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ مسافروں اور طالب علموں کی تکبیریں پڑھنے کی آوازیں آسمان تک پہنچتی ہیں۔ موذن پانچوں وقت کی نمازوں کے لیے اذانیں دیتے ہیں اور بادشاہ اور جملہ مسلمانوں کے لیے باآواز بلند دعائیں کرتے ہیں۔ فیروز شاہ کے صدقات سے ان لوگوں کو وظائف و صدقات وانعامات برابر پہنچائے جاتے ہیں۔ عابد وزاہد ہوں یا طلبائے علم، حفاظ ہوں یا نمازی، ذکر وفکر میں رہنے والے ہوں یا تہجد گزار، غرض تمام بندگان خدا میں سے جس نے بھی مدرسہ فیروز شاہی کو اختیار کیا اور اس سے منسلک ہوا اس کو راحت وآسائش ملی۔''

''دارالحکومت دہلی میں گزشتہ بادشاہوں کی تعمیر کی ہوئی اور بھی بہت سی عمارتیں موجود ہیں، لیکن جو خوب صورتی اور حسن وزیبائی مدرسہ فیروز شاہی میں ہے وہ اور کسی عمارت میں نہیں دیکھی گئی ❶۔''

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے مولانا جلال الدین رومی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

مولانا جلال الدین رومی کہ بس اوستادے متفنن بود ودائماً در منصب افادہ سبق علوم دینی

❶ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۵۶۳ تا ۵۶۶۔

در مدرسہ فیروز شاہی واقع دہلی در عہد فیروز شاہ پادشاہ می داد
ومتعلمان را ہموارہ تفسیر وحدیث وفقہ تعلیم می کرد❶۔

۲۱۔ قاضی جلال الدین ولوالجی

قاضی جلال الدین ولوالجی ایک بڑے عالم وفقیہ تھے اور درجہ مشیخت پر فائز تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے منصب قضا پر متعین تھے۔ بہت عرصے تک اس عہدۂ جلیلہ پر متمکن رہے۔

محمد بن مبارک حسینی کرمانی نے سیر الاولیا میں اس مناظرے کا ذکر بھی کیا ہے جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں شیخ نظام الدین اولیا اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان ہوا تھا۔ یہ مناظرہ سماع سے متعلق تھا اور ارکان حکومت وصدور وقضاۃ اس میں موجود تھے۔ اس سلسلے میں قاضی جلال الدین ولوالجی پیش پیش تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کا موقف یہ تھا کہ سماع جائز ہے' لیکن قاضی جلال الدین ولوالجی اور ان کے حامی اس کے مخالف تھے۔ قاضی موصوف نے بحث کا آغاز کیا اور گفتگو اگرچہ نصیحت آموز طریقے سے کی لیکن شیخ نظام الدین اولیا کے بارے میں سخت نکیر وطعن کا اظہار کیا۔ اس انداز گفتگو پر شیخ نظام الدین اولیا کو غصہ آ گیا اور فرمایا:

ان کنت تخاصمنی بسطوۃ الحکومت فانت معزول عنھا۔

کہ اگر آپ مجھ سے حکومت کے رعب ودبدبہ کی وجہ سے جھگڑ رہے ہیں تو آپ اپنے اس منصب سے معزول ہو جائیں گے❷۔

چنانچہ وہ اس واقعہ سے بارہ دن بعد منصب قضا سے معزول ہو گئے۔

قاضی جلال الدین ولوالجی اور شیخ نظام الدین اولیا کے درمیان سماع کی حلت وحرمت کے موضوع پر مناظرے کی تفصیلات شیخ نظام الدین کے حالات میں بیان کی گئی ہیں۔

۲۲۔ شیخ جلال الدین دہلوی

شیخ جلال الدین بن حسام الدین دہلوی عالم وصالح بزرگ تھے اور ساتھ ہی بہترین واعظ بھی تھے۔ علم ودیانت میں انتہائی شہرت کے مالک تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں تذکیر وموعظت میں ان کا جواب نہ تھا۔ وعظ میں علمی مسائل ونکات' خوف وخشیت الٰہی اور لطائف وظرائف سب کچھ بیان کرتے' دل گداز اشعار بھی پڑھتے۔ شیخ رکن الدین کی طرف سے انھیں یہ اجازت حاصل تھی کہ لوگوں کو اپنے حلقہ بیعت میں داخل کریں۔ چنانچہ بیعت لیتے اور سجادۂ مشیخت پر بیٹھتے تھے❸۔

❶ تذکرۂ علمائے ہند' ص ۱۴۱۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی' ص ۲۵۱۔ تذکرۂ علمائے ہند' ص ۳۔۶۳۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲ ص ۲۲۔

❸ تاریخ فیروز شاہی برنی' ص ۳۵۷۔ تذکرۂ علمائے ہند' ص ۲۶۳۔ نزہۃ الخواطر' ج ص ۲۳

۲۳۔ شیخ جلال الدین اودھی

شیخ جلال الدین اودھی علاقہ اودھ کے باشندے تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ ایک عرصے تک ان سے منسلک رہے۔ ان کے حکم سے بحث واشتغال سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ فاضل اور کثیر الدرس تھے۔ لاتعداد حضرات نے ان سے علمی استفادہ کیا❶۔

۲۴۔ قاضی جلال الدین کاشانی

قاضی جلال الدین کاشانی اپنے عصر کے مشاہیر فقہا میں سے تھے۔ سلطان معزالدین کیقباد کے عہد میں دہلی کے قاضی تھے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ان کو دہلی کے منصب قضا سے الگ کر کے بدایوں کے قاضی مقرر کر دیا تھا۔ قاضی ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو جہاں عالم ومفتی قرار دیا ہے وہاں فتنہ پرور بھی لکھا ہے۔ ان کے والد کا نام قاضی قطب الدین کاشانی تھا❷۔

۲۵۔ قاضی جلال الدین کرمانی

قاضی جلال الدین علوی حسینی کرمانی' اپنے دور کے مشاہیر علما میں سے تھے۔ انھیں قاضی جلال الدین محمد کرمانی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں منصب صدارت پر فائز تھے۔ معقولات ومنقولات کے بہت بڑے عالم تھے❸۔ فقہ' اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق ان کو تمام قضات پر ترجیح دیتا تھا اور اس نے ان کو صدارت عظمیٰ پر فائز کر دیا تھا۔ بعد میں مملکت ہند کے تمام امور دینیہ ان ہی کے سپرد کر دیے تھے اور سلطان کسی معاملۂ دینی میں دخل نہ دیتا تھا❹۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ان کی بہت تعریف کی ہے۔ مرقوم ہے:

''ان بزرگوں میں سے' جن پر سلطان فیروز شاہ تغلق کی نوازشات انتہائی حد تک پہنچ گئی ہیں' ان میں تیسرے ملک السادات صدر الصدور جہاں جلال الحق والدین کرمانی ہیں۔ نسباً حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے ہیں۔ علوم معقولات ومنقولات میں اپنے کمالات کے لحاظ سے غزالی دوراں اور رازیٔ عصر ہیں۔ بادشاہ کی مہربانی سے صدر الصدور جہان

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۲۳

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی (اردو ترجمہ) ملاحظہ ہوں۔ صفحات ۱۹۳' ۲۱۳' ۳۲۱ تا ۳۲۳۔ تذکرۂ علمائے ہند ص ۲۶۳۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۲۳۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۲۴۔

❹ نزہۃ الخواطر' ج ۲' صفحہ ۱۲۸' ۱۲۹۔

جلال الحق والدین کا جو علامہ روزگار ہیں' مرتبہ قضا میں ان تمام قضات کے درجے سے بلند ہے جو دارالحکومت دہلی میں زمانہ خلف وسلف میں اس عہدے پر فائز رہے ہیں۔ بادشاہ نے احکام شرع محمدی سے متعلق جملہ امور میں ان کو مختار کل بنا دیا ہے۔ دہلی اور بلاد مملکت کے تمام علما کے وظائف وانعامات متعین کرنے کے فرائض صدر الصدور ہی کے سپرد کر دیے گئے ہیں اور ان کا انحصار دارالقضاۃ کی جاری کی ہوئی مثالوں پر ہے ❶۔

۲۶۔ شیخ جمال الدین مغربی

شیخ جمال الدین مغربی غرناطی بجائی' دراصل غرناطہ کے باشندے تھے' اسی لیے مغربی غرناطی کی نسبت سے مشہور تھے۔ اپنے والد کے ساتھ ہندوستان آئے اور پھر یہیں متوطن ہو گئے۔ بہت بڑے فقیہ' طبیب اور ادیب تھے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ دہلی گیا تو ان سے بھی ملا' وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے:

''سیف الدین امیر عرب' بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس کا بے حد احترام کیا اور سلطان جلال الدین نے محل میں' جو کوشک لعل کے نام سے مشہور ہے' اسے فروکش کیا۔ یہ محل بہت بڑا ہے۔ اس میں ایک طویل وعریض صحن ہے' اس کی دہلیز بہت اونچی ہے۔ اس دہلیز پر ایک برج ہے' جس سے اندر اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں۔ سلطان جلال الدین اس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں چوگان بازی دیکھا کرتا تھا۔

''جب امیر سیف الدین کو اس محل میں ٹھہرایا گیا تو میں نے یہ محل دیکھا۔ سامان سے بھرا ہوا تھا' لیکن تمام چیزیں بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ ہندوستان میں دستور ہے کہ جب بادشاہ مر جاتا ہے تو اس کا محل چھوڑ دیتے ہیں اور نیا بادشاہ اپنے لیے علیحدہ محل تیار کراتا ہے اور اس محل کی کوئی چیز اس کی جگہ سے نہیں ہٹاتا۔ یہ عبرت کا مقام تھا' میرے آنسو نکل آئے۔ فقیہ جمال الدین مغربی' غرناطی جو بچپن میں اپنے والد کے ساتھ ہندوستان آئے تھے' اس وقت میرے ساتھ تھے۔ انھوں نے یہ شعر پڑھا:

وسلاطینہم سل الطین عنہم
فرؤس العظام صارت عظاما ❷

یعنی مٹی سے ان بادشاہوں کا حال پوچھو' جن کے بڑے بڑے سر ہڈیوں کا خول ہو گئے ہیں۔

---

❶ تاریخ فیروز شاہی برنی' ص ۵۷۹' ۵۸۱ (نوٹ) یہاں صاحب نزہۃ الخواطر کو سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے قاضی جلال الدین کرمانی اور قاضی جلال الدین محمد کرمانی کو دو آدمی سمجھ لیا ہے اور دونوں کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر' ج ۲ ص ۲۴' ۱۴۸' ۱۴۹) حالانکہ یہ ایک ہی بزرگ ہیں۔

❷ سفرنامہ ابن بطوطہ (اردو ترجمہ) ص ۵۹۶' ۵۹۷۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۲۴

۲۷۔ شیخ جمال الدین کوئلی

شیخ جمال الدین بن عبداللہ بن نظام الدین ابوالموید دہلوی ثم کوئلی (یعنی علی گڑھی) بہت بڑے عالم و فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ معرفت و طریقت میں بھی اونچے درجے کے مالک تھے۔ ان کا چشمہ فیض جاری تھا، جس سے خلق کثیر نے اپنی علمی و روحانی پیاس بجھائی۔ عبادت گزار، پسندیدہ اخلاق کے حامل، مجاہد فی سبیل اللہ اور مقبول درگاہ الٰہی تھے۔ کوئل ❶ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے اخلاف میں متعدد بڑے بڑے حضرات پیدا ہوئے۔ اس عظیم المرتبت عالم و فقیہ نے دہلی میں وفات پائی اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔ بعد میں ان کے ورثا ان کی نعش نکال کر کوئل لے گئے تھے ❷۔

علی گڑھ کو پرانی تاریخ ہند میں ''کوئل'' کہا جاتا ہے۔

۲۸۔ شیخ جمال الدین اوچی

شیخ جمال الدین اوچی، جلیل القدر عالم اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ تعلیم طریقت شیخ صدرالدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے پائی اور طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ مرتبہ کمال کو پہنچے اور پھر اپنے شیخ کی اجازت سے اوچ تشریف لے گئے۔ اوچ میں سکونت اختیار کی اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے خلق کثیر کو علمی اور روحانی نفع پہنچایا۔ علی بن اسد حسنی دہلوی جامع العلوم میں فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری کہا کرتے تھے کہ شیخ جمال الدین اوچی ہمیشہ درس و افادہ میں مصروف رہے۔ وہ تمام علوم کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور ہدایہ، بزودی، مشارق الانوار، مصابیح اور عوارف المعارف وغیرہ کتابوں کا درس دیتے تھے۔ کہتے ہیں ''اثنائے درس میں جب کسی مسئلے سے متعلق انھیں کوئی مشکل پیش آتی تو تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا لیتے۔ پھر سر اٹھاتے تو مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

شیخ جمال الدین اوچی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان میں ایک خوبی یہ تھی کہ مجلس میں آگے ہو کر بیٹھنے اور صدر نشین ہونے کی خواہش نہ کرتے۔ جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے، اگرچہ سب سے پچھلی صف میں لوگوں کی جوتیوں کی جگہ پر ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے۔ لیکن ان کا اپنا علمی، روحانی اور ذاتی مقام اتنا بلند تھا کہ جہاں بیٹھتے، صدر مجلس ہی ہوتے۔

لوگوں سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے اور موٹا کھوٹا پہنتے۔ کہا کرتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی قسم کا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ زاہد و عفیف اور پاک طینت تھے۔ امرا و ملوک سے کسی نوع کا ہدیہ قبول نہ

---

❶ ہندوستان کے جس مقام پر آج کل علی گڑھ واقع ہے اس کو زمانہ قدیم میں کوئل کہتے تھے۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۴، بحوالہ اخبار الجمال۔

فرماتے۔ مگر عمر کے آخری دور میں اس میں تبدیلی پیدا کر لی تھی اور امرا و ملوک کی طرف سے اگر تحائف پیش کیے جاتے تو قبول کر لیتے تھے۔ کہا کرتے کہ سلف صالحین کی اقتدا میں اب میں امرا و حکام کی طرف سے پیش کردہ تحائف و ہدایا قبول کرنے لگا ہوں۔ مگر جو کچھ کسی طرف سے آتا' اس کو گھر میں نہ رکھتے بلکہ اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیتے۔

شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری جامع العلوم میں مزید فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبداللہ رافعی سے مکہ مکرمہ میں اور شیخ عبداللہ مطری سے مدینہ منورہ میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ شیخ جمال الدین اپنے دور کی منفرد شخصیت تھے۔ علو مقامات اور تدین واتقا میں فقید المثال تھے ❶۔

۲۹۔ شیخ جمال الدین اودھی

شیخ جمال الدین خطہ اودھ کے رہنے والے تھے۔ فاضل بزرگ تھے اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ میں یگانہ روزگار تھے۔ علم طریقت میں بھی ممتاز تھے۔ یہ علم انھوں نے شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کیا تھا اور طویل عرصہ ان کی ملازمت وانسلاک میں گزارا تھا۔ ان کے حکم سے بحث ومجادلہ سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ کثیر الدرس تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں بالخصوص ماہر تھے ❷۔

ح

۳۰۔ شیخ حسین بن احمد بخاری اوچی مخدوم جہانیاں جہاں گشت

شیخ حسین بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری اوچی کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین لقب۔ شب برات ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ (۸ر فروری ۱۳۰۸ء) کو بمقام اوچ پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شروع سے آخر تک تمام کتابیں اوچ ہی کے ایک عالم دین قاضی بہاء الدین اوچی سے پڑھیں۔ قاضی بہاء الدین کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین کے پاس ملتان چلے گئے۔ وہاں شیخ موصوف کے حکم سے ان کے پوتے شیخ موسیٰ اور شیخ مجد الدین ملتانی کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا اور ایک سال میں ان سے درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر واپس اوچ تشریف لے گئے۔ اوچ سے حرمین شریفین کا عزم کیا۔ مدینہ منورہ میں دو سال شیخ عفیف الدین عبداللہ مطری کی صحبت میں رہے اور ان سے عوارف المعارف کا درس لیا۔ مدینہ منورہ سے مصر اور عراق کا سفر کیا اور وہاں کے کبار مشائخ سے مستفیض ہوئے اور خرقہ طریقت زیب تن فرمایا۔

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۲۴' ۲۵۔ بحوالہ جامع العلوم۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۲۵' ۲۶۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

علم و فضل میں درجہ اجتہاد اور مرتبہ امامت پر فائز تھے۔ محدث اور فقیہ تھے۔ اصول و فروع میں یکتائے زمانہ تھے۔ حنفی المسلک تھے اور فقہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مطابق فتوے دیتے تھے۔ عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ جواز و رخصت کے قائل نہ تھے۔ اگرچہ حنفی تھے مگر بعض مسائل میں قول امام کے بجائے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرتے تھے۔ مثلاً امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے' اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے تھے۔

نہایت تیز ذہن' بہترین اخلاق کے مالک' عمدہ کردار کے حامل' فہیم و فریس' فطین و ذہین' خوش گفتار اور انشا پرواز تھے۔ عذوبت بیان' حلاوت منطق اور متانت و شرافت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ علما و فضلا کی کثیر تعداد نے ان سے کسب فیض کیا۔ اس دور کے ہندوستان میں مسند مشیخت پر متمکن تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اس نے ان کو علاقہ سندھ کا شیخ الاسلام مقرر کر دیا تھا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق نے ان کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ وہ کئی مرتبہ اس کے عہد میں دہلی گئے۔ اٹھتر برس (۷۸) کی عمر پا کر ۷۸۵ھ (۱۳۸۳ء) میں بمقام اوچ وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ❶۔

۳۱۔ شیخ حسین بن محمد کرمانی

شیخ حسین بن محمد بن محمد حسینی کرمانی' شیخ قطب الدین دہلوی کے نام سے معروف تھے۔ صالح اور عالم شخص تھے۔ فضل و صلاح اور عبادت و زہد میں یگانہ روزگار تھے۔ مولانا فخر الدین زراوی سے علم ظاہری حاصل کیا اور شیخ نظام الدین اولیا سے طریقت و تصوف کی تعلیم پائی اور ابتدائے حیات سے زمانۂ کہولت تک ان کی مصاحبت میں رہے۔ ان کے شاگرد اور کاتب تھے۔ ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) میں سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے۔ وہاں سے پھر دہلی چلے گئے اور وہیں ۲۱ شعبان ۷۵۲ھ (۱۳/ اکتوبر ۱۳۵۱ء) کو مرض فالج سے انتقال کیا ❷۔

۳۲۔ شیخ حسین بن عمر غیاث پوری

شیخ حسین بن عمر عریفی غیاث پوری ۶۶۸ھ (۱۲۷۰ء) کو غیاث پور میں پیدا ہوئے۔ صالح عالم دین تھے اور مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علم طریقت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ سے حاصل کیا۔ پھر ۷۰۲ھ

---

❶ اخبار الاخیار' ص ۱۴۱' ۱۴۳۔ خطۂ پاک اوچ ص ۲۲۴ تا ۲۳۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲' ص ۲۸ تا ۳۵' بحوالہ جامع البیان' خزینۃ الاصفیا' و تذکرۃ السادۃ البخاریہ از سید علی اصغر گجراتی۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۳۵' ۳۶۔ بحوالہ سیر الاولیاء۔

(۱۳۰۳ء) میں دہلی سے گجرات چلے گئے اور وہاں کے ایک شہر پٹن میں سکونت اختیار کر لی۔ علم فقہ میں کس درجہ مہارت رکھتے تھے' اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پر حاشیہ تحریر کیا۔ جمادی الاخری ۷۹۸ھ (مارچ ۱۳۹۶ء) میں ایک سو تیں سال کی عمر پا کر انتقال کیا❶۔

۳۳۔ مولانا حجت الدین ملتانی قدیم

مولانا حجت الدین ملتانی قدیم' فقہ و اصول' علوم عربیہ اور علم نحو کے ماہر علما میں سے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی میں درس و افادہ عام میں مصروف تھے۔ علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی سے بھی تعلق تھا اور اس ضمن میں شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ مشائخ چشتیہ کے ناموں سے متعلق عربی میں ایک منظوم کتاب لکھی❷۔

۳۴۔ مولانا حسام الدین ابن شادی

شیخ حسام الدین ابن شادی' عہد سلطان علاء الدین خلجی کے مشہور علما و اساتذہ میں سے تھے اور دہلی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے❸۔

۳۵۔ مولانا حسام الدین سرخ

سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں جن علمائے کرام نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی' ان میں مولانا حسام الدین سرخ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ دہلی میں مسند تدریس پر متمکن تھے۔ لاتعداد حضرات نے ان سے کسب علم کیا❹۔

۳۶۔ مولانا حماد الدین کاشانی

شیخ حماد الدین بن عماد الدین کاشانی' عالم و فقیہ تھے اور مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علوم ظاہری انھوں نے شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی سے پڑھے اور طریقت کے لیے شیخ برہان الدین محمد بن ناصر ہانسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر پوری زندگی ان کی صحبت و ملازمت میں گزار دی۔ اپنی کتاب احسن

---

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۲۶۵۔ بحوالہ مرأۃ احمدی و گلزار ابرار۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند' ص ۲۶۴۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۳۶

❸ تاریخ فیروز شاہی برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند' ص ۳۶۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲' ص ۳۶

❹ ایضاً۔ نزہۃ الخواطر' ص ۳۷۔

الاقوال میں ان کے ملفوظات جمع کیے۔ اس کتاب کی تصنیف سے وہ ۷۴۸ھ (۱۳۴۸ء) میں فارغ ہوئے۔ دولت آباد میں وفات پائی ❶۔

۳۷۔ شیخ حمید الدین دہلوی

شیخ حمید الدین دہلوی عالم کبیر، فقیہ متدین، فاضل اجل اور محقق و مدقق تھے۔ علامہ ابن کمال نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ علم فقہ پر اس درجہ عبور تھا کہ ہدایہ کی شرح لکھی۔ ۷۶۴ھ (۱۳۶۳ء) میں فوت ہوئے۔ "تاج عصر" تاریخ وفات ہے ❷۔

۳۸۔ مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں علمائے دین کی بہت بڑی جماعت دہلی میں مسانید درس پر فائز تھی اور کثیر تعداد میں دور دراز علاقوں سے آ کر لوگ ان کے علم و فضل کی فراوانیوں سے مستفیض ہوتے تھے۔ علمائے کرام کے اس خوش بخت گروہ میں مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی کا نام نامی بھی تذکروں میں مرقوم ہے۔ یہ اپنے دور کے معروف عالم و فاضل شخص تھے ❸۔

د

۳۹۔ شیخ دانیال بن حسن سترکھی

شیخ دانیال بن حسن بن فضل بن عبداللہ بن عباس بن یحییٰ بن فضل بن محمد بن فضل بن عبداللہ بن عباس عباسی علوی سترکھی۔ یہ علاقہ اودھ کے ایک شہر سترکھ میں پیدا ہوئے جو اعمال لکھنؤ میں واقع ہے اور وہیں پرورش پائی۔ وہاں سے بیانہ گئے۔ بیانہ میں قاضی عبداللہ بیانوی سے تحصیل علم کی اور ان کی دختر نیک اختر سے نکاح کیا۔ پھر عازم دہلی ہوئے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تعلیم طریقت حاصل کی۔ ایک عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے اور علم و معرفت سے بہرہ ور ہوئے۔ دہلی سے پھر بیانہ تشریف لے گئے اور بیوی کو ساتھ لے کر اپنے شہر سترکھ چلے گئے۔ نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے، ساتھ ہی فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس ہمہ اوصاف عالم کی موت عجیب طرح واقع ہوئی۔ اہلیہ محترمہ کے ساتھ شہر سترکھ جا رہے تھے اور

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷۔

❷ حدائق الحنفیہ، ص ۲۹۱۔

❸ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷

اس کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے کہ راستے میں رہزنوں کے چنگل میں پھنس گئے اور انھوں نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ حادثہ ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں پیش آیا۔ وہاں سے جسد مبارک سرکھ منتقل کیا گیا اور وہیں مدفون ہوئے ❶۔

۴۰۔ شیخ داؤد بن حسین شیرازی

شیخ داؤد بن حسین بن محمود بن محمد شیرازی۔ ان کا لقب زین الدین تھا۔ ۷۰۱ھ (۱۳۰۲ء) کو شیراز میں پیدا ہوئے اور صغر سنی ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوئے۔ پھر وارد ہند ہوئے۔ شیخ کمال الدین سامانوی سے لزوم و انسلاک اختیار کیا اور ان کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تحصیل علم میں مصروف ہو گئے، یہاں تک کہ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں بلند درجے پر پہنچے۔ بعد ازاں اپنے شیخ کمال الدین کے ساتھ دولت آباد کا قصد فرمایا۔ وہاں سکونت پذیر ہوئے اور ایک مدت تک درس و تدریس اور افادہ عام میں مصروف رہے۔ نہایت نیک، عارف باللہ اور عابد و زاہد تھے۔

صوفیا کے شدید مخالف تھے اور ان پر تنقید کرتے تھے۔ غنا اور وجد و سماع کو غلط قرار دیتے تھے اور شیخ برہان الدین محمد بن ناصر ہانسوی کو مطعون گردانتے تھے۔ صاحب نفائس الانفاس شیخ رکن الدین کاشانی ان کے خیالات سے باخبر تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔ یہ ان کی مجلس میں گئے اور بعض نہایت دقیق علمی سوالات پیش کیے۔ شیخ برہان الدین ہانسوی بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دیے، جن سے یہ نہ صرف مطمئن ہو گئے بلکہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کی بیعت کر لی۔ یہ ۷۳۶ھ (۱۳۳۶ء) کا واقعہ تھا۔ پھر کچھ عرصہ ان کی صحبت میں رہے اور ان پر معرفت و طریقت کے دروازے وا ہو گئے۔ شیخ بہاء الدین ہانسوی نے ۷۳۷ھ (۱۳۳۷ء) میں ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ ان کے علم و فضل اور زہد و ورع سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔ بروز اتوار ۲۵ ربیع الاول ۷۷۱ھ (۲۷/ اکتوبر ۱۳۶۹ء) ستر سال کی عمر پا کر فوت ہوئے اور اپنے شیخ کی قبر کے قریب دفن کیے گئے ❷۔

۴۱۔ قاضی رکن الدین کڑوی

قاضی رکن الدین بن نظام الدین بن قطب الدین حسنی حسینی کڑوی، امام عصر اور حامل لوائے فقر تھے۔

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۲۔ بحوالہ بحر زخار۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۲، ۴۳۔ بحوالہ روضۃ الاولیاء از سید غلام علی بلگرامی۔

ابھی کم عمر ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کی وفات کے بعد اپنے جد امجد شیخ قطب الدین کی گود میں تربیت پائی اور عم بزرگ وار شیخ قوام الدین محمود دہلوی سے علم حاصل کیا۔ ان کے ایک اور عم محترم شیخ تاج الدین شہر کڑ کے قاضی تھے۔ جب انھیں کڑ کے محکمۂ قضا سے علیحدہ کر کے بدایوں کے قاضی بنا کر بھیجا گیا تو ان کی جگہ سید رکن الدین کو قاضی کڑ مقرر کیا گیا۔ جلالت و وقار اور دبدبہ وطنطنہ کے مالک تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سخت پابند تھے۔ ضیاء الدین برنی نے اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں ان کی اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ان سادات میں سے، جن کے مبارک وجود سے اس علاقے کو عظمت و بزرگی حاصل ہوئی، سید تاج الدین پسر شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے اور یہ سید تاج الدین بدایوں کے قاضیوں میں سے سید قطب الدین کے والد اور سید اعز الدین کے دادا تھے۔ برسوں اودھ کے قاضی رہے۔ سلطان علاء الدین نے ان کو اودھ سے علیحدہ کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ سید تاج الدین رحمہ اللہ والغفران ایک بزرگ سید تھے۔ ان سادات میں ہر ایک بزرگی، علم، بردباری، سخاوت اور دوسرے عمدہ اوصاف میں بے نظیر تھے۔
>
> ''سید تاج الدین مذکور کے بھتیجے سید رکن الدین شہر کڑ کے قاضی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سید رکن الدین کو مجموعہ فضائل پیدا کیا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف کو سید تاج الدین اور سید رکن الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور شرائط قدم بوسی بجا لانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے ان بزرگ وار سادات جیسے اوصاف حمیدہ اور ان جیسی خدا کی دی ہوئی جلالت و عظمت بہت کم دیکھی ہے۔''

ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ یہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے قاضی اور صاحب افتا عالم و فقیہ تھے [1]۔

۴۲۔ قاضی رکن الدین کاشانی ملتانی

آٹھویں صدی ہجری کے ایک مشہور عالم و فقیہ قاضی رکن الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی ملتانی تھے۔ اکابر فقہا میں سے تھے۔ شہر کوئل (موجودہ علی گڑھ) کے محکمہ قضا پر متعین تھے۔ ان کے بعد یہ عہدہ جلیلہ حکومت اسلامی کے اختتام تک بہ صورت وراثت ان کی اولاد میں، ایک کے بعد دوسرے بزرگ کو منتقل ہوتا رہا [2]۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۴۸ و ۳۴۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۳، ۴۴

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۴۔ بحوالہ اخبار الجمال۔

۴۳۔مولانا رکن الدین سنامی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں شیخ رکن الدین سنامی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہ صاحب علم وفضل بزرگ، فقہ واصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ ہمیشہ درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ان کی تدریسی مساعی سے دیار ہند اور دیگر ممالک کے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا❶۔

۴۴۔مولانا رکن الدین اندرپتی

شیخ رکن الدین اندرپتی آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے مشہور اور نامور علما میں سے تھے۔ علم وفضل میں یکتا تھے اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ شیخ فخر الدین زراری کے شاگرد تھے۔ خود ان سے شیخ محمد بن مبارک حسین کرمانی، شیخ سراج الدین عثمان اودھی اور خلق کثیر نے علم حاصل کیا❷۔

۴۵۔شیخ رکن الدین ملتانی ظفرآبادی

شیخ رکن الدین بن ابوالفتح صدر الدین ملتانی ثم ظفرآبادی، فقہ واصول اور تصوف وطریقت کے نامور وممتاز علما میں سے تھے۔ بہت نیک اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ جزئیات مسائل پر بدرجہ غایت استحضار تھا۔ حقائق توحید ومعرفت بیان کرنے میں ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ عرصے تک درس وافادۂ عام میں مصروف رہے۔ پھر یہ سلسلہ ترک کر دیا اور اپنے والد مکرم شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے طریقہ سہروردیہ کے مطابق بیعت ہو کر تصوف وطریقت کی راہوں پر گام فرسا ہوئے اور طویل مدت تک اپنے والد کی صحبت و ملازمت میں رہے، یہاں تک کہ معارف الٰہیہ میں بہرہ وافر حاصل کیا اور اپنے والد کے بعد مسندِ مشیخت پر متمکن ہوئے۔ بعد ازاں خود ان سے ان کے لڑکے شیخ شمس الدین نے اخذ فیض کیا۔ ۹ محرم ۷۹۶ھ (۱۵ نومبر ۱۳۹۳ء) کو وفات پائی❸۔

۴۶۔مولانا رکن الدین بدایونی

شیخ رکن الدین بدایونی، علم وفضل میں درجہ اجتہاد اور مرتبہ امامت پر فائز تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ میں درک رکھتے تھے۔ علم فقہ، شیخ ابوالقاسم تنوخی سے حاصل کیا اور شیخ ابوالقاسم تنوخی نے یہ علم حمید الدین

❶ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵۔
❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵۔ بحوالہ سیر الاولیا۔
❸ اخبار الاخیار۔ ص ۶۳ تا ۶۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵

ضریر سے انھوں نے کردی سے اور کردی نے صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی سے حاصل کیا۔ خود شیخ رکن الدین سے اپنے وقت کے معروف علمائے دین نے اخذ فیض اور کسب علم کیا، جن میں شیخ سراج الدین ابو حفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے ❶۔

ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ یہ ہندوستان کے آٹھویں صدی ہجری کے بلند مرتبہ فقہائے کرام میں سے تھے۔

ــــ ز ــــ

۴۷۔ مولانا زین الدین دیوی

شیخ زین الدین دیوی حدیث وفقہ کے نامور علمائے ہند میں سے تھے۔ انھوں نے شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کی خدمت میں حدیث کی معروف کتاب صحیح مسلم بطور تحفہ پیش کی تھی اور ان سے شہر بہار میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا ❷۔

۴۸۔ شیخ زین الدین اودھی

شیخ زین الدین بن عبدالرحمٰن کابلی دہلوی ثم اودھی، سرزمین اودھ میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی میں حصول علم میں مصروف ہو گئے اور اپنے عصر کے ممتاز اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے۔ ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد طریقت وتصوف کے لیے ان ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مشہور عالم دین اور فقیہ تھے۔ شہر امیٹھی میں ان کے اخلاف میں سے بے شمار حضرات موجود ہیں ❸۔

۴۹۔ قاضی زین الدین ناقلہ دہلوی

قاضی زین الدین ناقلہ دہلوی، عہد علاء الدین خلجی میں دارالملک دہلی کے مشہور اساتذۂ علوم میں سے تھے۔ حنفی المسلک تھے اور مختلف علوم میں مرتبہ بلند پر فائز تھے ❹۔

❶ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۴۸ (طبع مصر)۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۵، ۴۶۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۶۔ بحوالہ سیرت الشرف۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۲ صفحہ ۴۶۔ بحوالہ بحر زخار۔

❹ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۷۔

۵۰۔ قاضی زین الدین مبارک گوالیاری

قاضی زین الدین مبارک گوالیاری اپنے وقت کے اونچے درجے کے فقیہ اور عالم دین تھے۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد میں گوالیار کے منصب قضا پر فائز تھے ❶۔

___ س ___

۵۱۔ مولانا سراج الدین ثقفی دہلوی

شیخ سراج الدین ثقفی، بہت بڑے عالم اور ہندوستان کے مشہور فقہا میں سے تھے۔ فقہ، اصول اور علوم عربیہ میں دسترس رکھتے تھے۔ شیخ ابو القاسم تنوخی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے حمید الدین ضریر سے، انھوں نے کردی سے اور کردی نے صاحب ہدایہ سے تحصیل علم فقہ کی اور خود مولانا سراج الدین ثقفی دہلوی کے سامنے، شیخ سراج الدین ابوحفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی نے حصول علم کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیا ❷۔

۵۲۔ شیخ سعید الدین قندھاری

شیخ سعید الدین کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سعید الدین بن نجم الدین ابراہیم بن محمد بن عبد السمیع بن شمسان بن علی سکران بن سید احمد کبیر قطب رفاعی قندھاری۔

یہ جلیل القدر عالم و فقیہ اور زاہد و متقی بزرگ تھے۔ فضل و صلاح میں یگانہ روزگار تھے۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی۔ ہندوستان آئے اور قندھار میں سکونت اختیار کی جو اعمال دکن میں، علاقہ ناندیر میں ایک قریہ ہے، وہیں ۱۷ رجب ۷۳۶ھ (یکم مارچ ۱۳۳۶ء) کو وفات پائی ❸۔

۵۳۔ شیخ سلیمان بن زکریا ملتانی

شیخ سلیمان بن شیخ بہاء الدین زکریا قرشی ملتانی، امام علم الدین ملتانی کے لقب سے معروف تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے اور وہیں مہد علم و طریقت میں پرورش پائی۔ بڑے ہوئے تو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، بغداد اور عراق کے شہروں کا سفر کیا اور ان علاقوں کے علمائے دین کی بڑی جماعت سے تحصیل علم کی۔

---

❶ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۴۳ تا ۴۴۔

❷ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۴۲۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۹۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۹۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

پھر ہندوستان واپس آ گئے اور سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں وارد دہلی ہوئے۔ سلطان نے ان کو اس نزاع و مناظرے کا حکم مقرر کیا تھا جو سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان ہوا تھا۔ شیخ نے اس کی اباحت کا فیصلہ دیا تھا۔ اس مسئلے سے متعلق ان کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے ــــــ فاضل اور عالم بزرگ تھے۔ حدیث' فقہ' اصول اور علوم عربیہ میں عمیق نگاہ رکھتے تھے ❶۔

۵۴۔ قاضی سماء الدین بجنوری

شیخ سماء الدین بن فخر الدین بن رکن الدین صدیقی بجنوری' ہندوستان کے شہر بجنور میں پیدا ہوئے اور علوم و مشیخت کی گود میں تربیت کی منزلیں طے کیں۔ شیخ زین الدین سے جو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے' اخذ فیض کیا۔ پھر عازم حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ شیخ قطب الدین مکی اور شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچی سے خرقہ طریقت زیب تن کیا۔ تصوف و طریقت کی ساتھ ساتھ علم فقہ میں بھی عبور رکھتے تھے۔ صاحب وجد و حال صوفی تھے۔ سماع کے قائل تھے۔ لکھنؤ کی ایک مجلس سماع میں بیٹھے تھے کہ غشی طاری ہوئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ ۲۲ ربیع الاول ۷۷۶ھ (۳۱/ اگست ۱۳۷۴ء) کا واقعہ ہے۔ قبر لکھنؤ میں ہے ❷۔

۵۵۔ قاضی سماء الدین دہلوی

قاضی سماء الدین دہلوی حنفی المسلک تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے مشہور علما و فقہا کی جماعت میں ہوتا تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں دہلی کی مسند قضا پر متعین تھے ❸۔

ــــ ش ــــ

۵۶۔ قاضی شرف الدین دہلوی

قاضی شرف الدین سرپاہی دہلوی' عہد علاء الدین خلجی کے مشہور علما میں سے تھے۔ فقہ' اصول اور علوم عربیہ کے ممتاز عالم تھے۔ دہلی میں مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے بے شمار حضرات نے اخذ علم کیا ❹۔

---

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۵۰۔ بحوالہ سیر الاولیا و خزینۃ الفوائد

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۵۰۔ بحوالہ تذکرۃ الاصفیا۔

❸ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ' ص ۱۴۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۴۹۔

❹ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند' ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۵۲۔

۵۷۔ مولانا شمس الدین باخرزی

شیخ شمس الدین باخرزی، عہد فیروز شاہ تغلق اور اس سے قبل کے علما و فضلا میں سے تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں ید طولی رکھتے تھے۔ دارالملک دہلی کی بساط تدریس پر فائز تھے۔ ان سے متعدد لوگوں نے کسب علم کیا❶۔

۵۸۔ مولانا شمس الدین ترک

سلطان علاء الدین خلجی کے دور حکومت میں ایک مشہور مصری محدث مولانا شمس الدین ترک مصر سے ہندوستان تشریف لائے۔ وہ حدیث کی چار سو کتابیں اپنے ساتھ لائے تھے۔ ملتان آئے تو معلوم ہوا کہ سلطان نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ جمعے کے لیے مسجد میں جاتا ہے۔ وہ محدث اور نہایت متدین اور متقی تھے۔ انھوں نے سلطان کے متعلق یہ سنا تو دہلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا، ملتان سے آگے نہ بڑھے۔ وہیں شیخ الاسلام صدر الدین کے بیٹے شیخ فضل اللہ کے پاس مقیم ہو گئے۔ وہاں انھوں نے حدیث کی ایک کتاب کی شرح لکھی اور بقول برنی ''در مدح سلطان مبالغت نمود''❷ (سلطان کی مدح و تعریف میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا)۔ اس کے علاوہ انھوں نے فارسی میں ایک رسالہ سلطان کے لیے تحریر کیا جس میں یہ لکھا کہ میں مصر سے بادشاہ سے ملنے اور شہر دہلی میں قیام کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ خدا اور رسول کے احکام کی ترویج و اشاعت کے لیے دہلی میں علم حدیث کا درس جاری کروں اور مسلمانوں کو بد دیانت فقیہوں کی روایت پر عمل کرنے سے نجات دلاؤں۔

> من از مصر خدمت پادشاہ شہر دہلی کردہ بودم و تاز برائے خدا تعالیٰ و مصطفیٰ را مذہب علم حدیث در دہلی ثابت کنم و مسلماناں را از عمل کردن روایت دانشمندان بے دیانت برہانم❸۔
>
> لیکن جب میں نے سنا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھتا اور جمعے میں نہیں جاتا تو اب میں ملتان ہی سے واپس جا رہا ہوں۔

اس رسالے میں مولانا شمس الدین ترک نے لکھا تھا کہ میں نے بادشاہ کی چند صفات ایسی سنی ہیں جو ''بادشاہان دین دار'' کی خصوصیات ہیں اور کچھ باتیں وہ سنی ہیں، جن کی ''شاہان دین دار'' سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ بادشاہ کی بہتر صفات ان کے نزدیک یہ ہیں۔

① ''خواری وزاری ولا اعتباری و بے مقداری ہندواں۔''

---

❶ تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) ج ۱، ص ۳۲۳۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۴۔

❷ تاریخ فروز شاہی، ص ۲۹۷۔

❸ تاریخ فیروز شاہی، ص ۲۹۷

یعنی وہ ہندوؤں کو خوار و بے حیثیت اور ذلیل و بے وقعت کر کے رکھتا ہے۔
اس صفت پر اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔
''آفریں اے بادشاہ اسلام' برایں دین پناہی محمد ﷺ۔''
اے بادشاہ اسلام محمد ﷺ کے دین کے اس تحفظ پر شاباش!

(۲) شنیدہ ام کہ غلہ واقمشہ واسباب چناں ارزاں کردہ کہ سرسوز نے براں زیادت تصور ندادر۔
میں نے سنا ہے کہ اناج اور کپڑے اور دوسری چیزیں آپ نے اتنی ارزاں کر دی ہیں کہ سوئی کے ناکے کے برابر بھی اب ان کی قیمتیں بڑھانے کا تصور نہیں ہو سکتا۔
اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ کام اس درجہ سخت اور محنت طلب تھا کہ بہت سے بادشاہ از حد کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مسرت آمیز تعجب ہے کہ آپ نے یہ اہم کام کر دکھایا۔

(۳) شنیدہ ام کہ جملہ مسکرات را پادشاہ بر انداختہ' وفسق و فجور در کام فاسقاں و فاجراں از زہر تلخ تر شدہ۔
سنا ہے کہ بادشاہ نے تمام نشہ آور چیزوں کو (ملک سے) نکال باہر پھینکا ہے اور فسق و فجور' فاسق لوگوں کے کام و دہن میں زہر سے بھی کڑوا ہو گیا ہے۔
اس پر بادشاہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔
پھر فرماتے ہیں۔

(۴) شنیدہ ام کہ بازاریان اہل السوق را کہ اہل اللغت اندر سوراخ موش در آوردہ۔
سنا ہے کہ بدکردار تاجروں کو آپ نے چوہوں کے بلوں میں گھسا دیا ہے۔
اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں۔
اب تاجروں میں ''تعمیہ'' (ذومعنی الفاظ استعمال کرنا یا خفیہ اشارات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا) ''تلجیہ'' (بات کی غلط تاویل کرنا اور جھوٹ بولنا) قطعی طور پر ختم ہو گیا ہے۔ اس بات کو کم اہم نہ سمجھو' اس لیے کہ تاجروں کے معاملے میں جو کامیابی آپ کو نصیب ہوئی ہے' وہ آج تک کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ اے بادشاہ مبارک ہو۔ ان چار خوبیوں اور کارناموں کی وجہ سے تیری جگہ انبیا علیہم السلام میں ہے۔
اے بادشاہ' مبارکت باد کہ بدیں چہار عمل درمیان انبیا جائے تست۔
آگے لکھتے ہیں۔
اب وہ باتیں سنو جو میرے علم میں اس نوعیت کی آئی ہیں کہ جن کو نہ خدا پسند کرتا ہے' نہ انبیا' نہ اولیا اور نہ کوئی موحد۔

(۱) تم نے عہدہ قضا' حمید ملتانی کے سپرد کر رکھا ہے جو دنیا دار آدمی ہے اور وہ شخص ہے کہ جس کے باپ

دادا نے بھی سود کے سوا کبھی کچھ نہیں کھایا۔ تو قاضی کے دین کے بارے میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیتا اور احکام شرع سے تعلق رکھنے والے معاملات تم نے حریصوں' لالچیوں اور دنیا داروں کے حوالے کر دیے ہیں۔ اللہ اللہ! تو خدا کا خوف کر۔ قیامت کے دن تجھ میں اس گناہ کا خمیازہ بھگتنے کی ہرگز طاقت نہ ہوگی۔ یاد رکھ' قضا کی ذمہ داری ''نازک ترین اشغال دین'' میں سے ہے۔

(۲) میں نے سنا ہے کہ تمھارے شہر میں' احادیث مصطفیٰ ﷺ کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقیہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں' فقہ کی روایت پر عمل کریں' وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں ٹوٹنے لگتے۔

(۳) میں نے سنا ہے کہ تمھارے شہر میں ''دانشمند بدبخت سیاہ رو'' مسجدوں میں بیٹھے ہیں اور رشوت لے کر فتوے دیتے ہیں اور ان کی بددیانتی کی خبریں قاضی کی وجہ سے تم تک نہیں پہنچتیں۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اور رسالہ دونوں اس ترک محدث سے بہاء الدین دبیر کے پاس پہنچے۔ اس نے کتاب تو سلطان کی خدمت میں پیش کر دی لیکن رسالہ اس کو نہیں پہنچایا اور قاضی حمید الدین ملتانی کے ڈر سے اس کو چھپا لیا۔ سعد منطقی نے سلطان کو اس رسالے کی اطلاع دی تو وہ بہاء الدین دبیر پر بے حد خفا ہوا اور مولانا شمس الدین ترک کے واپس تشریف لے جانے پر سخت افسوس کا اظہار کیا❶۔

مولانا شمس الدین ترک کی جرات' دلیری' حق گوئی اور صاف بیانی کا اندازہ کیجیے کہ وہ دور ملوکیت میں مطلق العنان بادشاہ کو کس طرزِ بے باکانہ سے خطاب کرتے ہیں۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ یہاں کے مقامی عالم نہیں ہیں' دوسرے ملک کے رہنے والے ہیں اور وہاں سے آ کر بادشاہ کو ڈانٹ پلاتے ہیں۔

اس گفتگو میں ان کی بعض باتیں اس امر کی غماز ہیں کہ وہ ہندوستان کے مخصوص حالات سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ ہندوؤں کے بارے میں انھوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کی تذلیل و توہین کے بارے میں جو الفاظ تحریر کیے ہیں وہ خصوصیت سے قابل غور ہیں۔ بہرحال اس کے باوصف ان کے ایک ایک لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نہایت جری اور صادق القول عالم دین تھے۔

۵۹۔ مولانا شمس الدین گاذرونی

مولانا شمس الدین گاذرونی بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ عہد علاء الدین خلجی میں دارالسلطنت دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ دہلی کی مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے علما کی بہت بڑی تعداد نے تحصیل کی❷۔

❶ تاریخ فیروز شاہی' برنی' ص ۲۹۷ تا ۲۹۹۔

❷ تاریخ فیروز شاہی' برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲' ص ۵۴۔

۶۰۔ مولانا شمس الدین دمشقی

شیخ شمس الدین دمشقی ظاہری علوم کے بھی فاضل تھے اور باطنی علوم میں بھی مرد کامل تھے۔ فقہ واصول میں مہارت رکھتے تھے۔ تصوف وطریقت میں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کے فیض یافتہ تھے۔ شہر بہار میں فروکش تھے۔ عرصے تک وہاں کے منصب قضا پر متعین رہے ❶۔

۶۱۔ مولانا شمس الدین تمر دہلوی

مولانا شمس الدین تمر دہلوی' ایک فاضل آدمی تھے اور عہد علاء الدین خلجی کے مشاہیر واکابر میں سے تھے۔ دہلی میں تدریس وتعلیم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا ❷۔

۶۲۔ مولانا شمس الدین دھاراسیونی

شیخ شمس الدین بن عبدالرحمان خراسانی ہندی دھاراسیونی' خراسان کے ایک گاؤں دوتھمون میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد مکرم وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد علاقہ خراسان سے نکلے اور ہندوستان آ گئے۔ مدت تک سلسلہ ملازمت میں منسلک رہے۔ پھر دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا سے ربط وتعلق پیدا ہو گیا۔ ان سے خوب استفاضہ کیا۔ دہلی سے عازم حجاز ہوئے اور حج وزیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے مراجعت فرمائے ہند ہوئے اور ایک مقام پر جس کا نام دھارا تھا' سکونت اختیار کر لی' دھارا' علاقہ مالوہ کا ایک بڑا شہر ہے اور دھاراسیون' بلاد دکن میں واقع ہے۔ ''مہر جہاں تاب'' میں ان کا مقام سکونت دھاراسیون تحریر کیا گیا ہے اور ''اخبار الاخیار'' میں انھیں دھاری لکھا گیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وطن دھارا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا شہر دھاراسیون تھا۔ نامور عالم اور فقیہ تھے۔ ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں فوت ہوئے۔ قبر دھاراسیون میں ہے ❸۔

۶۳۔ مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی

مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی نہایت صالح عالم دین تھے اور واعظین علم ومعرفت میں سے تھے۔ ان کا شمار عہد علاء الدین خلجی کے ابتدائی دس سالوں کے مشہور واعظین وناصحین میں ہوتا ہے۔ اپنے وعظوں

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۵۴۔ بحوالہ سیرت الشرف۔

❷ تاریخ فیروز شاہی' برنی' ص ۳۵۴۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲' ص ۵۵۔

❸ اخبار الاخیار' ص ۱۱۰۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۵۶۔

میں خوف وخشیت الٰہی پر خاص طور سے زور دیتے۔ بہترین اشعار پڑھتے۔ خود روتے اور سامعین کو رولاتے۔ وعظوں میں زیادہ تر قرآن مجید کی مختلف آیات کی تفسیر بیان کرتے۔ موعظت آموز واقعات اور سلوک وتصوف کی حکایات سناتے اور علمائے ربانیین کی باتیں لوگوں کے ذہن نشین کراتے۔ وہ صحیح اور سچے واقعات بیان کرنے والے واعظ تھے۔ ان کے وعظوں میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع ہوتا اور ان کی تقریریں سن کر سامعین پر رقت طاری ہو جاتی ❶۔

۶۴۔ شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی

شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی، عالم وفقیہ اور عابد وزاہد تھے۔ ساتھ ہی تصوف وطریقت سے بھی لگاؤ تھا اور مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ طریقت کے لیے شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ کی زندگی تک ان کی صحبت وملازمت اختیار کیے رکھی۔ ان میں بڑی خوبی یہ تھی کہ قرات وتجوید کے ماہر تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت اس درجہ عمدگی سے کرتے کہ ایک ایک لفظ لوگوں کے دلوں میں اترتا جاتا۔ ان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے شیخ نظام الدین اولیا نے ان کو اپنا امام نماز مقرر کیا تھا۔ شیخ نظام الدین کی وفات کے بعد یہ دولت آباد چلے گئے۔ وہاں بہت مدت تک قیام پذیر رہے۔ اس اثنا میں ان سے خلق کثیر نے استفاضہ کیا۔ اس طویل فہرست میں ان کے بیٹے رکن الدین بھی شامل ہیں۔

دولت آباد سے واپس دہلی تشریف لے گئے اور وہیں فوت ہوئے ❷۔

۶۵۔ مولانا شہاب الدین ملتانی

علامہ شہاب الدین ملتانی، حنفی المسلک تھے اور فقہ واصول اور علوم عربیہ کے ماہرین میں سے تھے۔ ان کا شمار علاء الدین خلجی کے ان کبار اور مشہور اساتذہ میں ہوتا ہے جن کا اوڑھنا بچھونا ہی دارالملک دہلی میں درس وتدریس تھا۔ ان کے چشمہ علم سے علما وطلبا کی بہت بڑی تعداد نے سیرابیٔ ذہن وفکر کا سامان فراہم کیا۔ جب سلطان غیاث الدین تغلق نے سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا کو بحث ومناظرے کے لیے اپنے دربار میں طلب کیا اور اس مسئلے سے متعلق مباحثے کی غرض سے صدور اور قضات وفقہا کی ایک جماعت سلطان کے دربار میں پہنچی تو ان میں شیخ شہاب الدین ملتانی بھی شامل تھے لیکن دوسرے علما کی طرح انھوں نے شیخ نظام الدین سے کسی قسم کا مجادلہ ومخاصمہ نہیں کیا۔ بحث ختم ہونے تک چپ چاپ مجلس میں بیٹھے اور لوگوں کی باتیں سنتے رہے ❸۔

---

❶ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۹۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۹۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

❸ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۹، ۶۰۔

٦٦۔ شیخ شہاب الدین زاہدی میرٹھی

شیخ شہاب الدین بن فخر الدین زاہدی میرٹھی ''حق گو'' کے عرف سے معروف تھے' اور سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد کے عالم دین تھے۔ جہاں یہ چوٹی کے عالم وفقیہ تھے وہاں ان کا شمار اپنے دور کے کبار مشائخ کی جماعت میں بھی ہوتا تھا۔ علم طریقت اپنے والد ماجد شیخ فخر الدین میرٹھی سے حاصل کیا تھا اور ایک عرصے تک ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ بعد ازاں دہلی چلے گئے تھے۔

محمد بن حسن مندوی نے گلزار ابرار میں ان سے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں' سلطان محمد شاہ تغلق نے ان سے ایک دن کہا کہ جس طرح سلسلہ ولایت منقطع نہیں ہوا' اسی طرح سلسلہ نبوت میں بھی کسی نوع کا انقطاع نہیں واقع ہوا۔ یہ دونوں سلسلے باقاعدہ جاری ہیں۔ بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر شیخ شہاب الدین زاہدی غصے میں آ گئے اور اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے۔ عالم غیظ وغضب میں پاؤں سے جوتی اتاری اور بادشاہ کے سینے پر دے ماری۔ ظاہر ہے یہ بادشاہ کی سخت توہین تھی۔ وہ نہایت غضب ناک ہوا اور حکم دیا کہ ان کو قلعے کی دیوار سے نیچے خندق میں پھینک دیا جائے۔ بادشاہ کے حکم سے انھیں قلعے کی دیوار سے خندق میں پھینکا گیا' مگر مرے نہیں۔ دوسری مرتبہ پھر پھینکا گیا' لیکن اب بھی موت واقع نہ ہوئی تو تیسری مرتبہ پھینکا گیا اور زندگی ختم ہو گئی[1]۔

ــــ ص ــــ

٦٧۔ شیخ صدر الدین کہرانی دہلوی

شیخ صدر الدین کہرانی دہلوی' عابد اور صالح بزرگ تھے۔ ابن بطوطہ نے ان سے بھکر میں ملاقات کی۔ وہ ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

> ومنهم الشيخ الصالح العابد صدر الدين الكهراني كان يصوم الدهر و يقوم الليل' و تجرد عن الدنيا جميعا و نبذها' و لباسه عبائة ويزوره السلطان و اهل الدولة و ربما احتجب عنهم فرغب السلطان منه ان يقطعه قرىً يطعم منها الفقراء و الواردين' فابى ذلك' وزاره يوما فاتى اليه بعشرة الاف دنيار' فلم يقبلها[2]۔

---

[1] گلزار ابرار۔ از محمد بن حسن مندوی۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ٦١۔

[2] رحلۃ ابن بطوطہ' ج ۲' ص ۲۹

یعنی (دہلی میں جن بزرگان دین اور علمائے کرام سے) میں ملا' ان میں ایک عالم شیخ صدر الدین کہرانی ہیں' جو صائم الدہر اور قائم اللیل ہیں۔ انھوں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ ان کا لباس صرف ایک کمبل ہے۔ بادشاہ اور ارکان حکومت ان کی زیارت کو آتے ہیں' مگر وہ ان سے چھپتے ہیں۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ان سے لنگر خانے کے فقیروں اور مسافروں کے اخراجات کے لیے کچھ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی' لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ایک دن بادشاہ زیارت کی غرض سے آیا اور دس ہزار دینار پیش کیے مگر شیخ نے قبول نہ کیے۔

۶۸۔ شیخ صدر الدین بھکری

شیخ صدر الدین بھکری سندھی' علم فقہ میں درجہ امامت پر فائز تھے۔ ۷۳۴ھ (۱۳۳۴ء) میں بھکر میں فوت ہوئے۔ ابن بطوطہ اپنی سیاحت ہند کے دوران بھکر آیا تو ان سے اس کی ملاقات ہوئی تھی' جس کا اس نے اپنے سفر نامہ میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

ولقيت بهذه المدينة الفقيه الامام صدر الدين الحنفى ❶۔

یعنی میں اس شہر (بھکر) میں امام صدر الدین فقیہ حنفی سے ملا۔

۶۹۔ مولانا صدر الدین تاری

شیخ صدر الدین تاری اپنے علم وفضل کی وجہ سے مسند مشیخت پر فائز تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ کے ماہرین میں گردانے جاتے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں' دار الحکومت دہلی میں بساط تدریس پر متمکن تھے۔ انُ سے بے شمار اہل علم نے استفادہ کیا اور علوم میں مہارت پیدا کی ❷۔

۷۰۔ مولانا صدر الدین گندھک

عہد علاء الدین خلجی کے مشہور علما میں سے مولانا صدر الدین گندھک کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے اور ان کا شمار اس دور کے کبار اساتذہ کی جماعت میں ہوتا تھا۔ ان سے جن حضرات نے استفادہ کیا' ان کی فہرست بہت طویل ہے ❸۔

❶ رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۰۔

❷ تاریخ فیروز شاہی' برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۶۳

❸ حوالہ مذکور

ـــــ ض ـــــ

۷۱۔ قاضی ضیاء الدین برنی

قاضی ضیاء الدین برنی کا سلسلہ نسب یہ ہے: ضیاء الدین بن موید الملک بن بارسگ برلاس برنی، علم وفضل کی تمام شاخوں پر عبور رکھتے تھے اور مشاہیر علما وفضلا میں سے تھے۔ حدیث، فقہ، تاریخ اور شعر وشاعری پر دست رس تھی اور سیاست ملکی کے خصوصیت سے ماہر تھے۔ وسعت مطالعہ، انشا پردازی اور ادبیت میں اس دور کا کوئی شخص ان کا حریف نہ تھا۔ امیر خسرو، امیر حسن اور قاضی ضیاء الدین برنی کے درمیان گہری محبت اور بے پناہ دوستی تھی۔ یہ تینوں دوست روزانہ جمع ہوتے اور کسی مصرع طرح پر شعر وشاعری کرتے۔ ان میں قاضی ضیاء الدین برنی وہ شخص تھے جن کو شعر وشاعری کے علاوہ اخبار وآثار اور گزشتہ تاریخی واقعات بھی ازبر تھے اور وہ تاریخی واقعات بڑے شوق سے بیان کرتے اور مسلسل بیان کرتے جاتے۔ اس کے علاوہ فہیم، سخی، عفیف، پرہیز گار، امین، بلند سیرت، خوش اخلاق، الفاظ ومحاورات کے استعمال میں بے نظیر اور عذوبت لسان کے مالک تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کے مریدین میں سے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں تاریخ فیروز شاہی ایک مستند اور اپنے موضوع کی مکمل کتاب ہے۔ یہ کتاب سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے زمانے تک آٹھ بادشاہوں کے کوائف وحالات پر محیط ہے، جن کی مدت حکومت (۱۲۶۶ء سے ۱۳۵۸ تک) پچانوے سال بنتی ہے۔ اپنے موضوع میں یہ عدیم المثال کتاب ہے اور ان شاہان ہند کے حالات میں قابل اعتماد ماخذ ہے۔ اس میں سلاطین ہند کے سوانح حیات کے علاوہ ان میں سے ہر ایک کے دور کے علما وفضلا، محدثین وفقہا، مشائخ ومفسرین، واعظین ومقررین، مجاذیب وصوفیا، قضات ومصنفین، مبلغین ومدرسین، شعرا وادبا، اساتذہ وتلامذہ، مرشدین ومریدین سب کے حالات ضروری تفصیل اور مناسب انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف سے وہ ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں فارغ ہوئے۔ برنی کی اس کتاب کے حوالے ہم نے مختلف مقامات پر دیے ہیں جو قارئین کے مطالعہ میں آئے۔

شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ضیاء الدین تین ہیں۔ ایک ضیاء الدین سنامی، جو منکر شیخ ہیں۔ دوسرے ضیاء الدین برنی، جو معتقد ومرید شیخ ہیں، تیسرے ضیاء الدین نخشبی، جو نہ منکر شیخ ہیں نہ معتقد شیخ [1]۔

۷۲۔ قاضی ضیاء الدین بیانوی

قاضی ضیاء الدین بیانوی، سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے مشہور قضات میں سے تھے۔ یہ پہلے

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۰۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۹۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۴۔

دہلی کے قاضی تھے، پھر قاضی القضات مقرر کیے گئے اور مدت تک اس عہدۂ جلیلہ پر متعین رہے۔ یہ اگرچہ مختلف علوم سے آراستہ تھے، لیکن حشمت و دبدبہ سے محروم تھے ❶۔

۳۷۔ قاضی ضیاء الدین سمنانی

قاضی ضیاء الدین سمنانی، سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں دہلی کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کو بادشاہ نے شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام خراسانی کی داڑھی نوچنے کا حکم دیا تھا اور انھوں نے اس حرکت مذمومہ کے ارتکاب سے انکار کر دیا تھا۔

یہ سارا واقعہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں درج کیا ہے، جی چاہتا ہے اسی کے الفاظ میں یہ واقعہ یہاں بھی نقل کر دیا جائے۔

وكان الشيخ شهاب الدين ابن شيخ الجام الخراسانى الذى تنسب مدينة الجام بخراسان الى جده على ماقصصنا ذلك من كبار المشائخ الصلحاء الفضلاء و كان يواصل اربعة عشر يوما و كان السلطانان قطب الدين و تغلق يعظمانه و يزورانه و يتبركان به، فلما ولى السلطان محمد اراد ان يخدم الشيخ فى بعض خدمته فان عادته ان يخدم الفقهاء والمشائخ و الصلحاء، محتجا ان الصدر الاول رضى الله عنهم لم يكونوا ايستعملون الا اهل العلم و الصلاح فامتنع الشيخ شهاب الدين من الخدمة، وشافهه السلطان بذلك فى مجلسه العام، فاظهر الا باية و الا متناع، فغضب السلطان من ذلك، و امر الشيخ الفقية المغظم ضياء الدين السمنانى ان ينتف لحيته۔ فابى ضياء الدين ذلك وقال لا افعل فامرا لسلطان ان ينتف لحية كل و احد منهما، فتنفت ونفى ضياء الدين الى بلاد التلنك ثم ولاه بعدمدة قضاء ورنگل، فمات بها، ونفى شهاب الدين الى دولت آباد فاقام بهاسبعة اعوام، ثم ارسل اليه واكرمه وعظمه و امر الامراء ان ياتو للسلام عليه و يمتثلوا اقواله ولم يكن احد فى دار السلطان فوقه❷۔

اب ان الفاظ کا ترجمہ پڑھیے:

❶ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۲۸۹، ۳۵۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۵۔

❷ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۸۶، ۸۷۔

شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام خراسانی' خراسان کے ایک شہر جام کے باشندے تھے۔ یہ وہ شہر ہے جو ان کے دادا جام کی طرف منسوب ہے' جیسا کہ ہم نے بیان کیا' شیخ شہاب الدین کبار مشائخ اور صلحا و فضلا میں سے تھے۔ (مہینے میں) چودہ دن روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ اور سلطان غیاث الدین تغلق ان کی تعظیم کرتے' ان کی زیارت کو جاتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہوا تو اس نے شیخ سے اپنی کچھ ذاتی خدمات لینا چاہیں' کیونکہ اس کی عادت تھی کہ وہ فقہا و مشائخ اور صلحا کو اپنی ذاتی اور نجی خدمات پر مامور کرنے کا خواہاں رہتا اور اس کی دلیل یہ دیتا کہ صدر اول میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم' اہل علم و اہل صلاح کے سوا کسی سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے ❶۔ لیکن شیخ شہاب الدین نے اس کی خدمت گزاری سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے دربار عام میں براہ راست گفتگو کرتے ہوئے ان سے یہی بات کہی تو انھوں نے پھر انکار کر دیا۔ بادشاہ نے انکار پر سخت خفگی کا اظہار کیا اور غصے میں آ کر عظیم القدر شیخ و فقیہ ضیاء الدین سمنانی کو ان کی داڑھی کے بال نوچنے کا حکم دیا' مگر شیخ ضیاء الدین سمنانی نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس حرکت کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ اب بادشاہ نے دونوں کی داڑھیاں نوچنے کا حکم دیا اور وہ نوچی گئیں۔ اس واقعہ کے نتیجے میں اس نے شیخ ضیاء الدین سمنانی کو تو تلنگانہ کی طرف نکال دیا اور کچھ مدت کے بعد انھیں ورنگل کا قاضی مقرر کر دیا' اور وہ وہیں فوت ہو گئے۔ مگر شیخ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا۔ وہ سات سال وہاں رہے۔ پھر انھیں واپس بلا لیا۔ ان کی انتہائی تکریم کی اور عاملوں سے بقایا وصول کرنے کے محکمے کا دیوان مقرر کیا۔ بعد ازاں ان کی مزید عزت افزائی یہ کی کہ امرائے مملکت کو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرنے اور ان کے احکام ماننے کا حکم دیا۔ اب سلطان کے دربار میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص قابل احترام اور لائق اعتماد نہ تھا۔

اس کے بعد ابن بطوطہ لکھتا ہے۔

''جب بادشاہ دارالحکومت (دہلی) کی طرف آیا تو شیخ شہاب الدین نے شہر سے سات میل باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ بادشاہ نے ان کی بہت تعظیم کی اور گلے لگ کر ملا۔ پھر شیخ شہاب الدین اپنے غار کی طرف واپس چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے شیخ کو پھر بلا بھیجا۔ شیخ نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے مخلص الملک ندرباری کو جو

❶ ان کی حیثیت نجی خدمات کی نہیں تھی بلکہ ان اہم قومی نوعیت کی خدمات کی تھی جو صرف اہل فضل و کمال ہی سرانجام دے سکتے تھے' ہر شخص انجام نہیں دے سکتا تھا۔

امرائے عظام میں سے تھا' ان کے پاس بھیجا۔ اس نے نہایت نرم انداز گفتگو سے انھیں بادشاہ کے غضب سے ڈرایا' مگر شیخ نے فیصلہ کن اسلوب میں جواب دیا کہ میں اس ظالم بادشاہ کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گا۔''

''مخلص الملک ناکام ہوکر بادشاہ کے پاس گیا اور شیخ کی گفتگو سے اس کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ کو پکڑ کر اس کے پاس لایا جائے۔ چنانچہ انھیں پکڑ کر جبراً اس کے سامنے لایا گیا۔''

بادشاہ نے شیخ سے پوچھا۔ ''تو مجھے ظالم کہتا ہے؟''

شیخ نے جواب دیا: ''تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں۔'' اس ضمن میں شیخ نے دہلی کے اجاڑنے اور وہاں کی باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر بھی کیا۔ بادشاہ نے تلوار میان سے نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اس سے کہا:

''مجھے ظالم ثابت کرو اور میری گردن اس تلوار سے اڑا دو۔''

شیخ شہاب الدین نے کہا: ''جو شخص آپ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا' وہ خود قتل کیا جائے گا' لیکن آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ ظالم ہیں۔''

بادشاہ نے شیخ کو ملک نکبیہ دوادار کے حوالے کر دیا۔ اس نے ان کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈالیں اور دونوں ہاتھوں کو ہتھکڑیوں میں جکڑا۔ پورے چودہ دن شیخ نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ ہر روز دیوان خانہ میں لائے جاتے۔ فقہا و مشائخ کے سامنے ان سے کہا جاتا کہ اپنی بات واپس لے لیں۔ مگر وہ یہی جواب دیتے کہ ''میں اپنی بات واپس نہیں لوں گا۔ میں شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔''

چودھویں دن بادشاہ نے شیخ کو مخلص الملک کے ہاتھ کھانا بھجوایا' لیکن شیخ نے کھانے سے انکار کیا اور کہا:

''میرا رزق' زمین سے اٹھ گیا ہے۔ بادشاہ کا کھانا اس کے پاس واپس لے جاؤ۔''

بادشاہ کو خبر پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ ان کو گوبر کھلایا جائے۔ اس کام پر ہندو کافر مقرر ہوئے۔ انھوں نے شیخ کو چت لٹایا اور ان کا منہ قلابوں سے کھول کر پانی میں گوبر ملا کر پلایا۔

دوسرے دن شیخ کو قاضی کمال الدین صدر جہاں کے پاس لے جایا گیا اور وہاں تمام علما و فقہا اور امرا و معززین نے ان کو سمجھایا اور باانداز نصیحت اپنے قول سے رجوع کرنے کی درخواست کی۔ مگر شیخ برابر انکار کرتے رہے۔ بالآخر بادشاہ کے حکم سے ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

ابن بطوطہ کہتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے انھیں ۷۴۱ھ (۱۳۴۰ء) میں قتل کیا گیا۔

وکانت وفاته علی ما اظن فی سنة احدی و اربعین وسبع مائه۔

بہرحال قاضی ضیاء الدین سمنانی وہ بے باک اور جرات مند فقیہ ہیں جن کا ذکر ابن بطوطہ نے شیخ شہاب الدین جامی خراسانی کے سلسلے میں کیا ہے۔

ظ

۷۴۔ مولانا ظہیر الدین بھکری

مولانا ظہیر الدین بھکری سندھی کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے ان مشاہیر افاضل میں ہوتا ہے جن کے علم وفضل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور جن کی علمی تحقیق و کاوش پر کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ نحو' لغت' فقہ و اصول میں ان کے عہد میں ان کا کوئی حریف نہ تھا اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو ان علوم میں ان سے زیادہ معلومات کا حامل ہو۔ ان سے طالبان علم کی بہت بڑی تعداد نے استفادہ کیا' جن میں شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی ایسے یگانہ روزگار فاضل خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ انھوں نے ان سے فقہ اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا ظہیر الدین بھکری سلطان علاء الدین خلجی کی زمانہ حکومت کے عالم دین تھے❶۔

۷۵۔ مولانا ظہیر الدین لنگ دہلوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں جن علمائے دین کی دارالسلطنت دہلی میں بساط تدریس آراستہ تھی ان میں مولانا ظہیر الدین لنگ کو علمی اعتبار سے بلند مقام حاصل تھا۔ یہ دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ ان سے بے شمار تشنگان علوم نے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ سلطان علاء الدین خلجی ان کی انتہائی عزت کرتا تھا اور ان سے اس درجہ قرب وانسلاک رکھتا تھا کہ ان کو تکریم سے دستر خوان پر بلاتا اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوتا❷۔

ع

۷۶۔ مولانا عالم بن علا اندرپتی

شیخ وامام عالم کبیر' فرید الدین بن علا اندرپتی فقہ واصول اور علوم عربیہ کے ماہر و باکمال علما میں سے تھے۔ انھوں نے ۷۷۷ھ (۱۳۵۷ء) میں زاد السفر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو مسائل فقہ پر محیط تھی اور وہ کتاب امیر تاتار خاں کے نام پر فتاوی تاتارخانیہ کے نام سے موسوم کی گئی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں فیروز شاہ تغلق داد حکمرانی دیتا تھا۔ یہ بادشاہ علم وعلما کا قدر دان تھا اور مسائل فقہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس بہترین اور ضخیم کتاب کا انتساب اس کے نام سے کیا جائے لیکن مصنف کتاب مولانا عالم بن علا اس پر آمادہ نہ ہوئے' کیونکہ ان کے اور امیر تاتار خاں کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے اور امیر تاتار

❶ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۶۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۶۶۔

❷ تاریخ فیروز شاہی' برنی' ص ۲۸۹' ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۶۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۶۷

خاں خود ذی علم تھا اور علما و مصنفین کا قدر دان تھا۔ اس کے اور مولانا عالم بن علا اندرپتی کے درمیان تعلقات و روابط کی اصل وجہ اشتراک ذوق علمی تھا۔

کشف الظنون میں' حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے مصنف مولانا عالم بن علا کا بھی۔ حاجی خلیفہ کے الفاظ یہ ہیں:

تاتارخانية في الفتاوى لامام الفقية عالم بن علاء الحنفي وهو كتاب عظيم في مجلدات❶۔

یعنی تاتارخانیہ' فتاویٰ کے سلسلے میں ہے جو امام وفقیہ عالم بن علا حنفی کی تصنیف ہے اور ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ کتاب خان اعظم تاتار خاں کے ایما سے معرض ترتیب میں لائی گئی۔ یہ کتاب کسی نام سے موسوم نہ تھی' اس لیے تاتارخانیہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ درحقیقت اس کتاب کے تین نام تھے۔ فتاوی تاتارخانیہ' زادالمسافر فی الفروع اور زادالسفر۔ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون میں اس کی تصریح کی گئی ہے لیکن اس نے شہرت فتاوی تاتارخانیہ کے نام سے پائی۔

حاجی خلیفہ نے مولانا عالم بن علا کا سال وفات ۲۸۶ھ لکھا ہے جو یا تو کتابت کی غلطی کا نتیجہ ہے یا حاجی خلیفہ سے سہو ہوگیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا سال وفات ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ء) ہے❷۔

۷۷۔ شیخ عبدالعزیز اردبیلی

شیخ عبدالعزیز اردبیلی حدیث اور فقہ کے نامور عالم تھے۔ انھوں نے اپنے دور کے جلیل القدر علما سے تحصیل علم کی۔ دمشق میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ حرانی' شیخ برہان الدین بن برکج' شیخ جمال الدین مزی' شمس الدین ذہبی اور دیگر علمائے عصر کے باب عالی پر دستک دی اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ پھر وارد ہند ہوئے اور سلطان محمد شاہ تغلق سے تعلق و قرب پیدا کیا۔ محمد شاہ تغلق ان کا محسن خاص تھا اور ان کی بڑی تکریم کرتا تھا۔ ایک روز انھوں نے سلطان کے سامنے حضرت عباس رضی اللہ عنہ' ان کے فرزندان عالی مرتبت' خلفائے راشدین اور ان کی اولاد کے فضائل و مناقب بیان کیے۔ سلطان بنی عباس کے بارے میں ان کے جذبات محبت سے مطلع ہوکر بہت خوش ہوا اور اس بلند مرتبہ فقیہ کے پاؤں چوم لیے اور سونے کی ایک سینی لانے کا حکم دیا جس میں دو ہزار ٹنکا بھرا ہوا تھا۔ یہ دو ہزار ٹنکا (جو سکہ رائج الوقت تھا) نہایت ادب کے ساتھ مع سونے کی سینی کے ان کی خدمت میں پیش کیا❸۔

❶ کشف الظنون' ج ۱' کالم ۲۶۸۔
❷ نزہتہ الخواطر' ج ۲' ص ۶۷' ۶۸۔
❸ رحلتہ ابن بطوطہ' ج ۲' ص ۶۷۔

۷۸۔ مولانا عبدالکریم شروانی

علامہ عبدالکریم شروانی آٹھویں صدی ہجری کے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ فقہ و اصول میں بالخصوص مہارت رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں ان کی تدریسی مساعی کی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ بے شمار علما و طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں جن حضرات کے اسمائے گرامی تذکروں میں مرقوم ہیں' ان میں ہندوستان کے شہرہ آفاق بزرگ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے ان سے ہدایہ اور اصول بزدوی تک کتب درسیہ پڑھیں ❶۔

۷۹۔ قاضی عبداللہ بیانوی

قاضی عبداللہ بیانوی اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے تھے۔ شہر بیانہ کے قاضی تھے۔ منصب قضا کے ساتھ ساتھ وہاں ان کی تدریسی سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ شیخ دانیال بن حسن عباسی علوی سترکھی ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنے اس شاگرد کی علمی صلاحیت اور نیکی سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی تھی ❷۔

۸۰۔ شیخ عثمان بن داؤد ملتانی

شیخ حسام الدین عثمان بن داؤد عمری ملتانی' نہایت متقی اور صالح بزرگ تھے۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ تعلیم طریقت شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کی اور عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ وہاں سے ہندوستان آئے اور دہلی تشریف لے گئے۔ شیخ نظام الدین اولیا زندہ تھے اور جمعے کا دن تھا۔ جمعے کی نماز کے لیے شیخ عثمان شہر کی جامع مسجد میں گئے۔ شیخ سے ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ اس کے بعد پھر مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مدینہ سے واپس دہلی آ کر مقیم ہو گئے۔ محمد شاہ تغلق جب دولت آباد گیا تو یہ گجرات چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ فقہ' اصول اور تصوف کے بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ کی کتاب ہدایہ' اصول کی بزدوی اور تصوف و سلوک کی قوت القلوب اور غزالی کی احیاء علوم الدین حفظ تھیں۔ شیخ نظام الدین اولیا نے ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) میں دعوت و ارشاد کے لیے جن دس بزرگوں کو اپنے خلفا مقرر کیا تھا' یہ ان میں سے ایک تھے۔ ۸ ذی القعدہ ۷۳۶ھ (۱۸ جون ۱۳۳۶ء) کو گجرات میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ❸۔

---

❶ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۷۰۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۷۰۔

❷ [illegible] الخواطر' ج ۲' ص ۷۰' بحوالہ بحر زخار۔

❸ [illegible] ص ۸۹ تا ۹۱۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۷۷۶' بحوالہ بحر زخار۔

۸۱۔ شیخ عثمان اودھی

شیخ عثمان چشتی اودھی کا لقب سراج الدین تھا۔ اونچے درجے کے سالکین و اولیا میں سے تھے۔ زمانہ شباب میں دہلی گئے اور شیخ نظام الدین اولیا سے ملاقات ہوئی۔ صورت و سیرت کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھے' مگر فضائل علمیہ سے عاری تھے' جس کی وجہ سے شیخ نظام الدین نہایت تاسف کا اظہار کرتے اور فرمایا کرتے کہ جاہل صوفی شیطان کا کھلونا ہوتا ہے۔ اس پر مولانا فخر الدین زرادی نے ان کو تعلیم دلانے کا عزم کیا اور ان کے لیے علم صرف کے موضوع پر ایک مختصر سا رسالہ تصنیف کیا' جس کا نام ان کے نام کی مناسبت سے ''عثمانیہ'' رکھا اور جب تک غیاث پور میں ان کا قیام رہا' وہ ان کی تعلیم کے لیے کوشاں رہے۔ پھر انھوں نے شیخ علاء الدین اندرپتی سے رابطہ پیدا کر لیا اور ان سے علم نحو کی کتابوں میں کافیہ اور مفصل اور کتب فقہ میں سے قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں۔ غرض شیخ نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد وہ تین سال تک حصول علم میں مشغول رہے' یہاں تک کہ علوم میں مہارت پیدا کر لی اور افتا و تدریس کی اہلیت و صلاحیت سے بہرہ ور ہو گئے۔ بعد ازاں بنگال کا سفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ولایت کی اونچی منزل تک پہنچا دیا اور ان کی اور ان کے اصحاب و معتقدین کی مساعی سے اللہ کی اتنی مخلوق کو راہ ہدایت نصیب ہوئی کہ جس کا کوئی شمار نہیں اور ارض ہند میں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کی وفات ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں ہوئی [1]۔

۸۲۔ قاضی عثمان مالاباری

قاضی عثمان مالاباری کا لقب فخر الدین تھا۔ فقہ و اصول کے رفیع المرتبت عالم تھے۔ علاقہ مالابار کے معروف شہر کالی کٹ کے قاضی تھے اور نہایت سخی تھے [2]۔

۸۳۔ شیخ عزالدین زبیری

شیخ عزالدین زبیری مشہور عالم دین تھے اور فقہ و اصول کے ماہر۔! ابن بطوطہ کی ان سے کالپور میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت وہ امیر عزالدین بتانی کے پاس فروکش تھے اور وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ابن بطوطہ ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

ومن کبار اهل هذه المدینة الامام عز الدین الزبیری من ذریة الزبیر

---

[1] اخبار الاخیار' ص ۸۶' ۸۷۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۷۷۔

[2] رحلۃ ابن بطوطہ' ج ۲' ص ۱۸۶۔

بن العوام رضی اللّٰہ عنہ احد کبار الفقہاء والصلحاء و لقیتہ بکالپور عندالملک عز الدین البتانی المعروف باعظم ملک❶۔

یعنی اس شہر کے کبار علما میں سے ایک بزرگ امام عز الدین زبیری تھے‘ جو رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے اور کبار فقہا و صلحا میں شمار کیے جاتے تھے۔ میں ان سے کالپور میں ملک وعز الدین بتانی کے مکان پر ملا‘ جو ملک اعظم کے نام سے مشہور تھے۔

۸۴۔ مولانا عفیف الدین کاشانی

شیخ عفیف الدین کاشانی‘ ممتاز عالم وفقیہ تھے۔ فضل وصلاح میں مشہور تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے دور حکومت میں دہلی کی مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ ایک مرتبہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی میں شدید قحط پڑا اور اس سلسلے میں بادشاہ کے ساتھ کچھ اس قسم کی باتیں ہوئیں کہ انھیں قتل کر دیا گیا۔ ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

> دہلی میں قحط کے زمانے میں بادشاہ نے حکم دیا کہ دارالحکومت کے باہر کنوئیں کھودے جائیں اور ان کے ذریعے کھیتی باڑی کی جائے۔ بادشاہ نے اس کے لیے لوگوں کو رقمیں دیں اور ضروری سامان زراعت ان کے حوالے کیا‘ لیکن یہ زراعت زبردستی کرائی جاتی تھی اور فصل شاہی گودام میں جمع کرائی جاتی تھی۔ شیخ عفیف الدین کاشانی فقیہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا: ”ایسی زراعت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔“ کسی نے یہ بات بادشاہ کو پہنچا دی۔ اس نے شیخ عفیف الدین فقیہ کو قید میں ڈال دیا اور انھیں معاملات حکومت میں دخل دینے پر سخت سرزنش کی اور ان کی اس بات کو کاروبار سلطنت میں دخل اندازی سے تعبیر کیا۔

کچھ دنوں کے بعد انھیں رہا کر دیا گیا۔ فقیہ موصوف اپنے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں انھیں دو فقیہ ملے جو ان کے دوست تھے۔ انھوں نے کہا: ”خدا کا شکر ہے کہ آپ کو رہائی نصیب ہوئی۔“ عفیف الدین نے کہا: ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ظالموں کے قبضے سے نجات دلائی۔“ یہ کہہ کر عفیف الدین فقیہ اپنے گھر چلے گئے اور دونوں فقیہ اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

محمد شاہ تغلق کے نظام مخبری کا اندازہ کیجیے کہ اس کو یہ اطلاع بھی پہنچ گئی۔ اب اس نے تینوں فقیہوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تینوں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عفیف الدین کے دو ٹکڑے کر دیے

❶ رحلۃ ابن بطوطہ، ج ۲ ص ۱۵۳۔

جائیں اور ان دونوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ ان دونوں نے بادشاہ سے کہا کہ عفیف الدین کا تو یہ قصور ہے کہ اس نے تجھے ظالم کہا' لیکن ہمیں کس گناہ پر قتل کیا جا رہا ہے؟ بادشاہ نے کہا: اس لیے کہ تم نے اس کی بات سن کر اس کی تردید نہیں کی' جس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ان تینوں کو قتل کر دیا گیا❶۔

۸۵۔ شیخ علاء الدین اَنَدی

شیخ علاء الدین اندی اتقا و صالحیت کے زیور سے آراستہ اور زہد و صلاح میں معروف تھے۔ شیخ معین الدین عمرانی سے اخذ علم کیا اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تعلیم طریقت حاصل کی اور خرقہ تصوف پہنا۔ پھر محمد بن یوسف حسینی دہلوی کی معیت میں عازم دکن ہوئے۔ ایک عرصے تک ان کے انسلاک و ملازمت میں رہے اور ان کی رہنمائی میں طریقت و سلوک کی منزلیں طے کیں۔ بعد ازاں نواح گلبرگہ میں اَنَد نام کے ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ ان سے شیخ سعید کہنائی (متوفی ۹ رجب ۷۷۱ھ/ فروری ۱۳۷۰ء) نے طریقت و تصوف کی تعلیم پائی۔ شیخ علاء الدین اندی نے ۹ ربیع الثانی ۷۷۷ھ (۷ ستمبر ۱۳۷۵ء) کو بمقام اند وفات پائی❷۔

۸۶۔ شیخ علاء الدین اودھی

علامہ علاء الدین اودھی علاقہ اودھ کے رہنے والے تھے اور علاء الدین نیلی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ ہند میں ہوتا ہے۔ علاقہ اودھ کے شیخ الاسلام فرید الدین شافعی اودھی اور مولانا شمس الدین اودھی اور دیگر علمائے عظام کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا۔ جب علم میں کامل ہو گئے اور افتا و تدریس کی پوری صلاحیت پیدا ہو گئی تو شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضری دی اور تصوف و طریقت کا درس لیا۔ بعد ازاں دہلی ہی میں سکونت اختیار کر لی اور درس و افادہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ زاہد و عابد' مستقل مزاج' متورع اور اللہ و رسول کے اطاعت گزار تھے اور حسبۃً للہ فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ دینی و دینوی معاملات میں سراپا خلوص تھے۔ اگرچہ اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے' تاہم کسی سے بیعت نہ لیتے اور فرمایا کرتے: ''اگر شیخ زندہ ہوتے تو میں یہ خلافت ان ہی کے سپرد کر دیتا' کیونکہ میں خود کو بار خلافت کی ذمہ داریوں کا اہل نہیں سمجھتا۔'' زیادہ تر اپنے شیخ کے ملفوظات یعنی فوائد الفواد کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔

ہر جمعے کو وعظ کہتے اور سامعین کی بہت بڑی تعداد ان کے دست حق پرست پر تائب ہوتی۔ ایک مرتبہ ان کے وعظ میں ابن بطوطہ بھی شامل تھا۔ وعظ نہایت موثر تھا۔ قاری نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کیں:

❶ رحلۃ ابن بطوطہ' ج ۲' ص ۸۸' ۸۹۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۸۰۔ بحوالہ الشجرۃ الطیبہ۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُم ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَئْىٌ عَظِيْمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ❶.

شیخ نے ان آیات کی دوبارہ تلاوت کرائی تو ایک فقیر نے مسجد کے ایک گوشے سے چیخ ماری۔ شیخ نے یہی آیات پھر تلاوت کرائیں، فقیر نے ایک اور چیخ ماری اور زمین پر گر پڑا، گرتے ہی اس کی جان نکل گئی۔

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ وہ اس موقعے پر مسجد میں موجود تھا اور شیخ کا وعظ سن رہا تھا۔ اس نے اس فقیر کے جنازے میں بھی شرکت کی۔ ابن بطوطہ کے الفاظ یہ ہیں:

ثم كررها الفقيه علاء الدين فصاح احد الفقراء من ناحية المسجد صيحة عظيمة فاعاد الشيخ الاية فصاح الفقير ثانية و وقع ميتا۔ و كنت في من صلى عليه و حضر جنازته

شیخ علاء الدین اودھی نیلی کی وفات ۷۶۲ھ (۱۳۶۱ء) میں ہوئی ❷۔

۸۷۔ شیخ علاء الدین سندیلوی

شیخ علاء الدین حسینی سندیلوی اپنے زمانے کے مشہور فقیہ اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ یہ خطہ اودھ کے ان بزرگان دین میں سے تھے، جن کی پاک بازی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں طریقت و تصوف کی منزلیں طے کیں۔ طویل مدت تک دہلی میں ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، یہاں تک کہ علم و معرفت کے اونچے مرتبے تک پہنچے۔ شیخ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اور سندیلہ میں جو صوبہ یوپی کا ایک معروف شہر ہے، قیام پذیر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ قانع، عفیف، متوکل علی اللہ اور متدین عالم دین تھے۔ سندیلہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ❸۔

❶ یہ سورہ حج کی ابتدائی دو آیات ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے:

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا بھونچال بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے۔ (تو ایسی حالت طاری ہوگی کہ) بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی، اس کو جس کو اس نے دودھ پلایا اور پھینک دے گی ہر حاملہ اپنا حمل۔ اور تو دیکھے گا لوگوں پر ایک نشے کی کیفیت طاری ہے۔ اور درحقیقت وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ مگر اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

❷ سفر نامہ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۲۹۔ اخبار الاخیار، ص ۹۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۰۔ ۸۱۔ سیر الاولیا، فوائد الفواد اور خزینۃ الاصفیا بھی ملاحظہ ہوں۔

❸ [illegible] ج ۲، ص ۸۳، بحوالہ بحر زخار۔

۸۸۔ مولانا علاء الدین دہلوی

صدر الشریعہ علامہ علاء الدین دہلوی عہد علاء الدین خلجی کے فاضل کبیر تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں درس دیتے تھے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا❶۔

۸۹۔ مولانا علاء الدین تاجر

عہد علاء الدین خلجی کے علمائے دین میں مولانا علاء الدین تاجر کا اسم گرامی بڑی شہرت کا حامل ہے۔ ان کو فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں ید طولی حاصل تھا۔ سلطان مذکور کے زمانے میں' دہلی کی مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا❷۔

۹۰۔ مولانا علاء الدین کرک

مولانا علاء الدین کرک' عالم و فاضل بزرگ تھے اور سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دارالملک دہلی کی مسند تدریس ان کے سپرد تھی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے❸۔

۹۱۔ مولانا علاء الدین لاہوری

آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے جن اصحاب علم کے نام تذکروں میں مرقوم ہیں، ان میں مولانا علاء الدین لاہوری کا نام بھی موجود ہے۔ بہت سے حضرات کی طرح ان کے حالات بھی افسوس ہے' اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے کہ یہ سلطان مذکور کے زمانہ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں تشنگان علم کی علمی پیاس بجھاتے تھے اور اس دور کے نامور اساتذہ میں سے تھے❹۔

۹۲۔ مولانا علاء الدین اندرپتی

مولانا علاء الدین اندرپتی اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین تھے۔ ان کی تدریسی مساعی کا سلسلہ بہت وسیع تھا اور ان کے شاگرد پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے❺۔ لیکن وقت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ان کے حالات بھی پردہ خفا میں ہیں۔

---

❶ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۷۱۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۸۴۔

❷ ایضاً۔

❸ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی' ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۷۱۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۸۵۔

❹ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۸۵۔

❺ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۸۵ بحوالہ سیر الاولیا۔

۹۳۔ شیخ علی بن حمید ناگوری

شیخ علی بن حمید بن احمد سعیدی سورتی ناگوری جنھیں شیخ عبدالعزیز بن حمید الدین ناگوری کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے' کبار مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ اپنے والد ماجد سے علم حاصل کیا اور عرصے تک ان کی صحبت میں رہے اور درجہ کمال کو پہنچے۔ بعد ازاں والد نے ان کو دعوت وارشاد اور اجازہ حدیث سے نوازا۔ والد کی وفات کے بعد مسند مشیخت وارشاد کو زینت بخشی۔ ان کے بیٹے کا نام شیخ فرید الدین محمود تھا۔ انھوں نے اپنے والد شیخ علی بن حمید ناگوری سے تعلیم حاصل کی اور ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء میں انھیں والد کی طرف سے اجازہ فی الحدیث مرحمت ہوا[1]۔

۹۴۔ شیخ علی بن شہاب الدین ہمدانی

شیخ علی بن شہاب الدین بن محمد بن علی حسینی ہمدانی' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ ۱۲/ رجب ۷۱۴ھ/ ۲۲/ اکتوبر ۱۳۱۴ء کو پیدا ہوئے اور شیخ نجم الدین ابوالمیامن محمد بن احمد الموفق ازکانی سے علم حاصل کیا اور حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ طریقت وتصوف کے لیے شیخ شرف الدین محمد بن عبداللہ مزوقانی اور شیخ تقی علی دوسی کے باب عالی پر دستک دی۔ یہ دونوں شیخ رکن الدین احمد بن محمد المعروف بہ علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے۔ ایک قول کے مطابق تصوف کی تعلیم اپنے باپ (شیخ شہاب الدین) سے پائی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے' مختلف بلاد وامصار کی سیر کی۔ کبار مشائخ سے استفادہ کیا۔ کہتے ہیں جن مشائخ وعلما سے لقاواستفادہ کا شرف حاصل کیا' ان کی تعداد کئی سو کے قریب بنتی ہے۔ پھر خراسان گئے' وہاں حکمت وفلسفہ کی تعبیر کے سلسلے میں ان کے اور تیمور کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا' جس کے نتیجے میں ۷۷۳ھ/ ۱۳۷۲ء میں' ایک روایت کے مطابق ۷۸۰ھ/ ۱۳۷۸ء میں' اپنے سات سو اصحاب و تلامذہ کی معیت میں کشمیر کی راہ لی۔ کشمیر میں تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے اور وہاں ان کی تبلیغی مساعی سے بے شمار باشندگان کشمیر مسلمان ہوئے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع ہے' جن میں سے اہم تصنیفات یہ ہیں:

① ذخیرۃ الملوک: یہ کتاب فارسی میں ہے اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ایمان کے شرائط و احکام سے متعلق ہے۔ دوسرا حقوق عبودیت' تیسرا مکارم اخلاق اور خلفاے راشدین کی اقتدا کے وجوب کے بارے میں ہے۔ چوتھا والدین' زوجین' اولاد' غلاموں' اعزہ واقارب اور دوستوں کے حقوق پر مشتمل ہے۔ پانچواں احکام سلطنت واحکام ولایت وامان' حقوق رعایا اور وجوب عدل و احسان سے تعلق رکھتا ہے۔ چھٹا باب' اسرار خلافت انسانیہ اور شرح سلطنت معنویہ کو محتوی ہے۔

[1] نزہۃ الخواطر' ج ۲ ص ۸۶ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

ساتواں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق ہے۔ آٹھواں تحقیق شکر اور اقسام شکر کے ذکر میں ہے۔ نواں نزول مصائب پر صبر سے متعلق ہے اور دسویں میں کبر اور غضب کی مذمت کی گئی ہے۔

(۲) ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرح' یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔

(۳) مرأۃ التائبین: یہ توبہ سے متعلق ہے' اور فارسی میں ہے۔

(۴) منہاج العارفین: فارسی میں۔

(۵) الرسالہ الذکریہ: عربی میں ہے۔

(۶) المنامیہ: خواب کے بارے میں' فارسی زبان میں۔

(۷) ہمدانیہ: لفظ ہمدان کی تحقیق سے متعلق' فارسی زبان میں۔

(۸) اورادیہ: وظائف واوراد کے سلسلے میں' عربی میں۔

(۹) رسالہ فی الطب: علم طب کے بارے میں' عربی میں۔

(۱۰) منازل السالکین: منازل صوفیا کے باب میں' عربی زبان میں۔

(۱۱) ایک رسالہ مناقب اہل بیت میں۔

(۱۲) اربعینیہ: چالیس احادیث کا مجموعہ ہے۔ ان احادیث کا سلسلۂ سند ان کے استاد شیخ نجم الدین محمد بن احمد الموفق از کافی سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

(۱۳) ایک رسالہ فی آیات الاحکام من القرآن الکریم۔

(۱۴) سبعین: ستر احادیث پر مشتمل ایک رسالہ ہے' لیکن اس میں جو احادیث درج ہیں' وہ محدثین کے نقطہ نظر سے لائق اعتماد نہیں ہیں۔ شیخ فتح محمد بن محمد موسیٰ برہان پوری نے ان احادیث کی تخریج کی ہے۔

(۱۵) شرح اسماء اللہ الحسنیٰ۔

ان کے علاوہ عربی اور فارسی میں ان کی اور کئی کتابوں کے نام بھی تذکروں میں مرقوم ہیں۔

کشمیر سے جا رہے تھے کہ علاقہ یاغستان کے ایک مقام تیراہ میں پہنچے تو وفات پا گئے۔ پھر ان کی میت فتلاز کے مقام پر پہنچائی گئی جو اعمال بدخشاں میں واقع ہے۔ وہیں دفن کیے گئے۔ یہ ۷۸٦ھ (۱۳۸۴ء) کا واقعہ ہے ❶۔

۹۵۔ مولانا عماد الدین حسام دہلوی

مولانا عماد الدین بن حسام دہلوی' رفیع المرتبت عالم' پر تاثیر بیان واعظ اور عظیم مقرر تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے کے عالم و واعظ تھے۔ دہلی میں ان کے علاوہ اور بھی کئی واعظ تھے جو بہت موثر وعظ

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۸۷ تا ۹۰۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

کہتے تھے۔ مولانا عماد الدین کے وعظ کے بارے میں مورخ برنی لکھتا ہے:

ان نادر روزگار واعظوں میں ایک واعظ عماد الدین حسام درویش تھے، جن لوگوں نے ان کے وعظ سنے ہیں اور دوسرے اعجوبہ روزگار واعظوں کو بھی سنا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ذوق و شوق پیدا کرنے کے طریقے، مناسب مواقع پر لطیفے ظریفانہ باتیں، اسرار و رموز بیان کرنے کا انداز، مطالب دقائق کی وضاحت، ادائے الفاظ کی خوبی اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوت قرآن کرنا اور وعظ کہنا۔ ان سب باتوں کے اعتبار سے مولانا عماد الدین کا سا وعظ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے۔ عہد علائی کے بیس سال میں، مولانا عماد الدین برابر وعظ کہتے اور منبر کو آراستہ کرتے رہے۔ ان کے وعظ میں امرا، ارکان سلطنت، دانش مند، تعلیم یافتہ حضرات، فضلا وحکما، شعرا وادبا، صوفیا واتقیا اور علم تصوف میں کامل لوگ، سبھی شریک ہوتے تھے۔ ان کے بے مثال وعظوں میں لوگوں پر رقت طاری ہو جاتی اور مولانا حمید اور مولانا لطیف مقری اور ان کے بیٹے قرآن مجید پڑھتے تو پرندے فضا سے نیچے اتر آتے اور قرآن پاک سنتے۔ ان کے ہر وعظ میں ایسا جوش پیدا ہوتا کہ ہر طرف شور بپا ہو جاتا، گریہ وزاری اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگتیں اور دوسرے ہفتے تک لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر باقی رہتا۔ آئندہ ہفتے سامعین اور زیادہ شوق و ذوق سے شامل وعظ ہوتے ❶۔

۹۶۔ مولانا عماد الدین غوری

مولانا عماد الدین غوری سلطان محمد شاہ تغلق کے دور کے عالم تھے اور علاقہ نارنول کے مشائخ میں سے تھے۔ صالح عالم دین اور پرہیز گار شخص تھے۔ ان کے آباو اجداد عرب سے ایران آئے اور پھر غور سے سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ وارد ہند ہوئے۔ منقول ہے کہ مولانا عماد الدین غوری علوم سے دلچسپی نہ رکھتے تھے اور عنفوان شباب تک اس دولت سے محروم تھے۔ طاقت ور اور زور دار آدمی تھے اور بڑے بڑے پہلوانوں کے ساتھ کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک دن اس نواح کے ایک بڑے پہلوان کو شکست دے کر پُرغرور انداز میں گھر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک عالم دین ملے، انھوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر اظہار تاسف کیا اور طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ یہ انداز زندگی تمھارے جیسے شخص کو زیب نہیں دیتا۔ اس عالم دین کی بات سے نہایت شرمندہ ہوئے اور خجالت سے سر نیچا کر لیا۔ اب یکا یک زندگی کا رخ بدلا اور کاروان حیات نئی راہ پر گام فرسا ہوا۔ حصول علم کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور نارنول میں شیخ محمد ترک سے منسلک ہو گئے اور اس کے بعد علم و

❶ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۵۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۹۴۔

فضل اور اتقا و صالحیت کی اونچی منزل تک پہنچے۔

مولانا عماد الدین غوری بے شمار اوصاف کے مالک تھے۔ اتباع سنت نبوی ﷺ میں بے نظیر تھے' فقرا وصلحا سے انتہائی تعلق خاطر تھا' کردار و سیرت میں عدیم المثال تھے اور اللہ و رسول کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت کے قائل نہ تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ جن دنوں سلطان محمد تغلق' سلطنت کے نشے میں سرمست تھا اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو گیا تھا' ان ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک روز اس نے ان سے کہا کہ جب فیض الٰہی غیر منقطع ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ فیض نبوت منقطع ہو جائے۔ اب بھی اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرتا ہے اور اس سے معجزات کا صدور بھی ہوتا ہے' آپ اسے مانیں یا نہ مانیں' مگر وہ اپنے دعوے میں لازما صادق ہوگا۔ اس پر مولانا عماد الدین کو اس قدر غصہ آیا کہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے۔ فوراً بادشاہ سے کہا:

گُہ مخور' چہ مے گوئی۔

یعنی گندگی نہ کھاؤ۔ کیا بکواس کر رہے ہو؟

اس انداز گفتگو کو محمد شاہ تغلق برداشت نہ کر سکا۔ حکم دیا کہ تلوار سے اس شخص کی گردن اڑا دی جائے اور زبان گدی سے کھینچ لی جائے' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ❶۔

۹۷۔ شیخ عمر بن محمد ہندی

شیخ عمر بن محمد بن احمد بن منصور ہندی کا لقب بہاء الدین تھا۔ مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فقہ اور علوم عربیہ کے عالم اجل تھے' ساتھ ہی حلیم الطبع اور فہیم و فریس تھے۔ نیز ادب و معرفت اور حسن اخلاق میں یگانہ تھے۔ عرصے تک مدینہ منورہ میں رہے۔ ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں حج کیا۔ مدینہ منورہ میں ایک سواری پر سے گرے' ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اٹھا کر مکہ مکرمہ لائے گئے۔ اس شدید چوٹ کی وجہ سے حج نہ کر سکے اور اپنے اللہ سے جا ملے ❷۔

۹۸۔ شیخ عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی

شیخ عمر بن اسعد لاہوری' جو شیخ علاء الدین پنڈوی کے لقب سے معروف تھے' علم و فضل کی بلند منزلوں پر فائز تھے اور فقہ' اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہرین میں سے تھے۔ ان کے والد (اسعد) بنگال کے بعض ملوک کے عہد میں عہدۂ وزارت پر متعین تھے' اسی لیے انھیں ملوک و امرا کے نزدیک جاہ و عظمت اور عزت و حشمت کا مقام حاصل تھا اور وقار و تکریم کے مالک تھے۔ ہمیشہ مسند تدریس پر متمکن رہے اور خلق کثیر نے ان سے استفادہ

❶ اخبار الاخیار' ص ۲۰۰' ۲۰۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۵۰' ۱۵۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۲' ص ۹۴۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۹۴۔ بحوالہ طرب الاماثل

کیا۔ پھر شیخ سراج الدین عثمان اودھی کا ان دیار میں جانا ہوا تو سب مشاغل ترک کر کے ان سے منسلک ہو گئے اور طریقت و تصوف کی راہوں پر گام فرسائی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں اس درجہ رفعتوں پر پہنچے کہ شیخ عثمان اودھی کے بعد زمام مشیخت ان ہی کے ہاتھ میں آ گئی۔ ان سے ان کے صاحب زادہ گرامی قدر شیخ نور الحق نے علم طریقت کی تعلیم پائی۔ ان کے علاوہ سید اشرف سمنانی' عادل الملک جون پوری اور لوگوں کی کثیر تعداد نے کسب فیض کیا۔ رجب کی ابتدائی تاریخوں میں ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) کو بلدہ پنڈوہ میں وفات پائی ❶۔

۹۹۔ شیخ عمر بن اسحاق غزنوی

علامہ شیخ عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہندی۔ ان کی کنیت ابو حفص تھی اور لقب سراج الدین تھا۔ جلیل القدر عالم اور امام وقت تھے۔ ۷۰۴ھ (۱۳۰۵ء) کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ شیخ وجیہ الدین دہلوی اس زمانے میں علم و فضل کے اعتبار سے دہلی کی مسند امامت پر فائز تھے' ان سے علم فقہ کی تکمیل کی۔ ان کے علاوہ شیخ شمس الدین خطیب دولی' ملک العلما شیخ سراج الدین ثقفی اور شیخ رکن الدین بدایونی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا' جو کہ شیخ ابو القاسم تنوخی (تلمیذ شیخ حمید الدین ضریر) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ پھر حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوئے اور شیخ خضر' شیخ رباط سدرہ سے عوارف المعارف کا سماع کیا۔ بعد ازاں ۷۴۰ھ (۱۳۴۰ء) سے قبل عازم قاہرہ ہوئے اور شیخ احمد بن منصور جوہری وغیرہ سے تحصیل کی۔ وہاں ان کے فضل و کمال کے جوہر کھلے اور قاضی عسا کر مقرر کیے گئے۔ پھر اس منصب سے معزول ہو گئے۔ علم و فضل میں یکتا' تیز ذہن' ذکاوت و جودت کی دولت سے مالا مال، بحث و گفتگو میں منفرد اور اعلیٰ ذوق کے مصنف و مولف تھے۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں۔

① فقہ کی کتاب ہدایہ کی شرح لکھی جو ''توشیح'' کے نام سے موسوم ہے۔
② الشامل: مسائل فقہ سے متعلق۔
③ زبدة الاحکام فی اختلاف ائمة الاعلام۔
④ ابن الساعاتی کی بدیع الاصول کی شرح۔
⑤ شرح المغنی للمنازی۔
⑥ غرة المنیفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ۔
⑦ شرح الزیادات۔
⑧ شرح جامع کبیر۔ (نامکمل)
⑨ شرح جامع صغیر۔ (نامکمل)

---

❶ ... ... خیار۔ نزہة الخواطر' ج ۲' ص ۹۵۔

(۱۰) شرح المنار۔

(۱۱) شرح المختار۔

(۱۲) لوائح الانوار فی الرد علی من انکر علی العارفین۔

(۱۳) عدۃ الناسک فی المناسک۔

(۱۴) شرح عقیدہ الطحاوی۔

(۱۵) اللوامع فی شرح جمع الجوامع۔

(۱۶) کتاب الخلاف۔

(۱۷) شرح تائیہ۔ لابن الفارض۔

ایک روایت کے مطابق ۷۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں اور ایک کے مطابق ۷ رجب ۷۷۳ھ (۱۴ جنوری ۱۳۷۲ء) کو فوت ہوئے۔ ''ستارہ زمین'' تاریخ وفات ہے[1]۔

۱۰۰۔ شیخ عمر بن محمد سنامی

شیخ عمر بن محمد عوض سنامی امام ضیاء الدین سنامی کے لقب سے ملقب تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے نامور بزرگ تھے۔ فقہ واجتہاد، علم وفضل، تقوی و دیانت اور امور شرعیہ میں رسوخ و عمل کے اعتبار سے مشہور تھے۔ شیخ کمال الدین سنامی کے شاگرد تھے۔ اچھے واعظ اور ناصح تھے۔ تیس سال سے زیادہ عرصہ تذکیر و موعظت میں مصروف رہے۔ مسلکاً حنفی تھے۔ اہل بدعت اور ارباب ہوا کے شدید مخالف تھے، اپنے وعظوں میں ان پر سخت تنقید کرتے، اس سلسلے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتے اور نہ کلمہ حق کہنے میں کسی لومتہ لائم کی پروا کرتے۔

برنی کے بقول عہد علائی کے مستند واعظین اور مشہور ناصحین میں سے تھے۔ علاوہ ازیں مفسر بھی تھے اور فقیہ بھی، خود بھی استاذ اور استاذ کی اولاد بھی۔ تمام عمر وعظ ونصیحت میں گزری۔ وعظ میں قرآن مجید کی آیات تلاوت کرتے۔ ان کی تفسیر بیان فرماتے اور تائید میں صحابہ کرام اور بزرگان سلف کے اقوال وارشادات پیش کرتے۔ ان کے وعظ میں دو دو تین تین ہزار آدمی بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں شریک ہوتے۔ وعظ اس درجہ موثر ہوتا کہ لوگ اٹھنے کا نام نہ لیتے اور ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے سنتے رہتے۔

[1] فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۱۴۸۔ کشف الظنون۔ مفتاح السعادہ۔ طاش کبری زادہ۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۵۱۔ حدائق الحنفیہ۔ ص ۲۹۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۹۵، ۹۶۔

نوٹ: صاحب حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی کو یہاں سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے عمر بن اسحاق بن احمد ہندی غزنوی اور عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی کو دو آدمی سمجھ لیا ہے اور ان کا تذکرہ علیحدہ علیحدہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حدائق الحنفیہ ص ۲۹۰ اور ۲۹۴) حالانکہ یہ دو نہیں ایک ہی ہیں اور صحیح نام عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہے۔

سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا کو سخت نشانہ تنقید ٹھہراتے۔ شیخ نظام الدین سماع کے قائل تھے اور یہ اس کے شدید مخالف! جب بیمار ہوئے اور بیماری نے شدت اختیار کی تو شیخ نظام الدین عیادت کے لیے تشریف لائے۔ انھوں نے اندر آنے کے لیے اذن مانگا تو چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ خدام کو سر سے عمامہ اتار کر دیا اور فرمایا' یہ عمامہ شیخ کے پاؤں کے نیچے بچھا دیا جائے۔ شیخ نظام الدین نے ازراہ احترام عمامہ اٹھایا' اس کو بوسہ دیا' تبرکاً سر پر رکھا اور حاضر خدمت ہوئے' مگر شیخ عمر چونکہ ان کی مخالفت کرتے رہے تھے' اس لیے حیا آڑے آئی اور ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب شیخ عیادت کر کے چلے گئے تو شیخ عمر وفات پا گئے۔ شیخ نظام الدین نے ان کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''آج دنیا سے وہ شخص رخصت ہو گیا ہے جو حمایت شریعت' کلمہ حق اور اظہار صدق میں منفرد حیثیت کا مالک تھا۔''

ایک روایت یہ ہے کہ جب شیخ نظام الدین نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو فرمایا' میں اب زندگی کی آخری منزل میں مبتدع کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ شیخ کو معلوم ہوا تو انھوں نے جواب بھجوایا کہ مبتدع' بدعت سے تائب ہو کر حاضر خدمت ہوا ہے۔ اس پر شیخ عمر سنامی نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر دیا کہ ان کے پاؤں کے نیچے بچھایا جائے۔

تصنیفات یہ ہیں۔

① نصاب الاحتساب: یہ کتاب بہت عمدہ ہے اور پینسٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔
② تفسیر سورہ یوسف۔
③ الفتاوی الضیائیہ۔

یہ وہی شیخ ضیاء الدین سنامی ہیں' جنھوں نے جوش اتباع شریعت اور شوق پیروی سنت میں حضرت شیخ شرف الدین ابو علی قلندر کی داڑھی پکڑ کر' ان کی حد شرع سے بڑھی ہوئی مونچھیں قینچی سے کاٹ دی تھیں اور ابو علی قلندر اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کرتے تھے کہ تو مبارک ریش ہے جو راہ خدا میں پکڑی گئی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے' جب عالم جذب و مستی میں شیخ ابو علی قلندر کی مونچھیں شرعی حدود سے متجاوز ہو گئی تھیں ❶۔

۱۰۱۔ شیخ عین الدین بیجاپوری

شیخ ابو العون عین الدین جنیدی دہلوی بیجاپوری اپنے عہد کے مشہور عالم و فاضل تھے اور ''خزانۃ العلم'' کے لقب سے معروف تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں ۷۰۶ھ (۱۳۰۷ء) کو پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ پھر دولت آباد چلے گئے اور شیخ علاء الدین حسینی جیوری سے اخذ فیض کیا۔ تحصیل علم شیخ شمس الدین محمود ارمغانی سے

❶ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی' ص ۳۵۶۔ اخبار الاخیار' ص ۱۰۹۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۹۷' ۹۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۹۷' ۹۸۔

کی، شیخ منہاج الدین تمیمی انصاری کی صحبت میں رہے اور بہت سے علمائے کرام سے اخذ علم کیا یہاں تک کہ اپنے دور کے اکابر علما میں شمار ہونے لگے۔

حصول علم کے بعد ۷۳۷ھ (۱۳۳۷ء) میں عین آباد سکّر تشریف لے گئے، پھر عازم بیجاپور ہوئے۔ ۷۷۳ھ (۱۳۷۲ء) میں وہاں سکونت اختیار کر لی اور تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ ان کے شاگردوں میں شیخ حسین بن محمود شیرازی، شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی اور بہت سے علما و مشائخ شامل ہیں۔ تصنیفات کثیرہ کے مصنف ہیں، جن کی تعداد ایک سو بارہ ہے۔ ان میں سے مشہور کتابیں الملحقات فی التاریخ، طور الابرار، کتاب فی الانساب اور تاریخ الاولیا من اہل الہند ہیں۔ ۲۷ جمادی الاخری ۷۹۵ھ (۱۰ مئی ۱۳۹۳ء) کو بیجاپور میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے [1]۔

ـــ ف ـــ

۱۰۲۔ مولانا فخر الدین زرادی

علامہ فخر الدین زرادی سامانوی ثم دہلوی، سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد کے یگانہ روزگار عالم دین تھے۔ اصلاً سامانہ کے رہنے والے تھے۔ کم سنی ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے اور شوق علم کی فراوانی کشاں کشاں دہلی لے گئی۔ وہاں ان کے ہم نام عالم دین مولانا فخر الدین ہانسوی کا سلسلہ تدریس جاری تھا۔ ان کے حلقہ طلبا میں شامل ہو گئے۔! وہاں جو حضرات ان کے شریک درس تھے ان میں قاضی کمال الدین ہانسوی اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔

مولانا فخر الدین زرادی ان دنوں صوفیا کے شدید مخالف تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا پر اس سلسلے میں سخت تنقید کرتے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو اس بنا پر مطعون ٹھہراتے اور ان سے بحث کرتے کہ وہ شیخ نظام الدین کی مجلس میں جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں جذبۂ ربانیہ کی گرفت میں آ گئے۔ بس پھر کیا تھا، اسی آن ان کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئے۔ ان سے خرقہ تصوف پہنا اور عمر بھر کے لیے شیخ سے انسلاک و وابستگی اختیار کر لی، مگر ساتھ ہی درس و افادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ ان سے بے شمار طلبا نے کسب علم کیا۔

ان ایام میں ان پر تصوف و سلوک کا اس درجہ شدید غلبہ تھا کہ جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاتے، متعدد شب و روز بے آباد مقامات میں بسر کرتے، غاروں میں جا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے، تنہائی میں عبادت الٰہی کا لطف اٹھاتے اور متواتر کئی کئی دن روزے رکھتے۔

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۹۸، ۹۹۔ بحوالہ روضۃ الاولیا۔

ہندوستان سے عازم حجاز ہوئے اور حج وزیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے بغداد کا سفر اختیار کیا' متعدد علما و مشائخ سے ملے اور کتب حدیث پڑھیں۔ بغداد سے ہندوستان کا قصد کیا' کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی سمندر میں غرق ہوگئی' اور یہ جلیل القدر عالم دین شہید ہوگئے۔

بے مثل عالم' تقوی وطہارت کے اوصاف سے مزین' احکام شرع کے پابند' امر دینی میں نہایت سخت' عظمت و وقار کے حامل' خوش مزاج' فصاحت و بلاغت سے بہرہ ور' کلمہ حق بلند کرنے میں بے باک' سلطان جابر کے سامنے جری اور اللہ کے معاملے میں بے خوف اور اس باب میں کسی قسم کے طعن و ملامت کی پروا نہ کرنے میں مشہور۔

ایک مرتبہ بادشاہ ہند محمد شاہ تغلق نے' جو ان سے مواخذہ کرنے اور سزا دینے کے درپے تھا' ان کو اپنے ہاں بلایا اور کہا میں تاتاریوں سے جہاد کرنا چاہتا ہوں' آپ وعظ وتقریر کے ذریعے لوگوں کو آمادۂ جہاد کریں۔

فرمایا: ''ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

بادشاہ نے کہا: ''یہ کلمہ شک ہے۔''

فرمایا: ''نہیں' یہ کلمہ شک نہیں' بلکہ امر مستقبل کے لیے اس کا استعمال از روئے شریعت فرض ٹھہرایا گیا ہے۔''

یہ بات سن کر بادشاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا' اور کہا: ''کوئی ایسی نصیحت کیجیے جو میرے لیے سود مند ہو۔''

فرمایا: ''غصے کو پی جانا۔ آپ کے لیے ضروری ہے۔''

پوچھا: ''کون سا غصہ؟''

فرمایا: جو انسان کو حیوانی سطح پر پہنچا دے۔''

اب بادشاہ کے چہرے پر پہلے سے بھی زیادہ آثار غضب نمایاں ہوئے۔ لیکن خاموش رہا اور کوشش کی کہ غصہ ظاہر نہ ہو۔ مگر چونکہ وہ ان کو سزا دینا چاہتا تھا' اس لیے اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی اور خلعت ان کی خدمت میں پیش کیا' مگر انھوں نے اس کو قبول نہ کیا اور ان کے ایک شاگرد مولانا قطب الدین نے' جو اس وقت ان کے ساتھ تھے اور ان کی جوتیاں بغل میں دبائے خادموں کی طرح پیچھے کھڑے تھے' فوراً تھیلی اور خلعت کو اٹھالیا تاکہ بادشاہ کو سزا و عقوبت کا موقع نہ ملے۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آگیا اور اس نے مولانا قطب الدین کو سخت ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا:

''اے مزوّر و شکال' ایں چہ حرکتہا بود کہ کردی' اول کفش ہائے فخر الدین را زیر بغل گرفتی' بعدہ جامہ وسیم او خود بستدی' و اورا از تیغ من خلاص رہانیدی و بلائے او گرفتی ❶۔''

اے مکار و حیلہ ساز' یہ تو نے کیسی حرکتیں کی ہیں۔ پہلے فخر الدین کے جوتے بغل میں

❶ سیر الاولیا' ص ۲۷۳۔

دبائے، پھر اس کی خلعت اور چاندی اپنے ہاتھ میں لی اور میری تلوار کی زد سے اس کو بچا لیا اور اس کی بلا خود قبول کی۔

قطب الدین نے کمال جرات سے جواب دیا اور کہا: ''یہ میرے استاد اور میرے مخدوم کے خلیفہ ہیں، میرا فرض ہے کہ ان کی جوتیاں سر پر رکھوں۔''

اس سے بادشاہ اور بھڑ کا اور چمک کر بولا۔

''ایں اعتقاد ہائے کفر آمیز را بگزار، وِالّا ترا خواہم کشت ❶۔''

ان کفر آمیز اعتقادات کو ترک کر دو، ورنہ میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔

بعد ازاں بادشاہ نے مولانا کو کھانا پیش کیا اور دونوں دستر خوان پر بیٹھے تو ایک ہی طباق میں ان کے ساتھ بادشاہ نے اس طرح کھانا شروع کیا کہ ہڈیوں سے گوشت اتار کر ان کے سامنے رکھتا گیا۔ مولانا نے کراہت کے ساتھ چند لقمے کھائے اور دستر خوان سے ہاتھ اٹھا لیا۔ بادشاہ کو یہ چیز بھی ناگوار گزری۔

اصل میں بات یہ تھی کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے دہلی سے دیوگیر منتقل ہونے سے قبل، مولانا فخر الدین زرادی اور دیگر علما و مشائخ کو دربار میں طلب کیا تھا۔ مگر مولانا زرادی اس سے ملاقات کرنے پر تیار نہ تھے۔ وہ کہتے تھے:

''من سر خود پیش ایں درسرائے ایں مرد غلطاں می بینم، یعنی باو مسامحت نخواہم کرد و اومرا زندہ نخواہد گزاشت۔''

یعنی میں اپنا سر اس شخص کے گھر کے دروازے پر خون میں غلطاں دیکھتا ہوں، میں اس کی گفتگو سے چشم پوشی نہ کروں گا اور وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔

مولانا دہلی چھوڑ کر دیوگیر نہیں جانا چاہتے تھے، لیکن مجبوراً جانا پڑا۔ وہاں گئے تو قیام مشکل ہو گیا اور وہاں کی فضا سے اکتا گئے۔ دیوگیر سے حجاز تشریف لے گئے اور حجاز سے بغداد گئے اور تعلیم حدیث سے بہرہ اندوز ہوئے۔

مولانا فخر الدین زرادی کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، جن میں شیخ سراج الدین عثمان اودھی، مولانا رکن الدین اور ان کے برادر کبیر مولانا صدر الدین اندرپتی، شیخ محمد بن مبارک کرمانی (صاحب سیر الاولیا) ان کے چچا حسین بن محمود اور ان کے علاوہ متعدد حضرات علما و مشائخ کے اسمائے گرامی تذکروں میں مرقوم ہیں۔

مولانا زرادی کی تصنیفات یہ ہیں:

رسالہ عثمانیہ: جو علم صرف سے متعلق ہے اور مولانا ممدوح نے شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے لیے تحریر کیا۔

---

❶ سیر الاولیا، ص ۲۷۳

الخمیس: یہ رسالہ علم کلام کے ان مسائل کو محیط ہے، جنھیں اہل علم بہت مشکل قرار دیتے ہیں۔

کشف القناع عن وجوہ السماع: سماع کے بارے میں۔

اصول السماع: یہ بھی سماع کے متعلق ہے۔

اصول السماع میں ان سے جو علمی فوائد و نکات منقول ہیں، ان میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے تین فرقے ہیں۔ ایک فقہا، دوسرے محدثین اور تیسرے صوفیا۔ فقہاے کرام، محدثین کو اہل ظواہر کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ فقط خبر و روایت کو قابل اعتماد گردانتے ہیں اور اسناد صحیح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن فقہا اپنے آپ کو اہل الرائے قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ رائے کو لائق عمل ٹھہراتے ہیں اور خبر واحد کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک درایت پر عمل کرنا ضروری ہے اور خبر واحد بے شک ثقات سے مروی ہو، اس کے مقابلے میں درایت کو بہرحال ترجیح حاصل ہوگی، لیکن محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ وہ خبر واحد کو حجت مانتے ہیں۔ رہے صوفیا تو ان کا مرکز توجہ اور محل التفات صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ وہ اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ مذہب احوط پر عمل کی دیواریں استوار کرتے ہیں۔ فقہ کے کسی مذہب معین اور مسلک خاص پر عمل نہیں کرتے۔ یہی مطلب ہے، بعض صوفیا کے اس قول کا کہ الصوفی لا مذھب له یعنی صوفی کسی مذہب کا پابند نہیں ہوتا۔

صوفیا کا نقطۂ فکر یہ ہے کہ مذہب معین کو اختیار کرنا، اپنے آپ کو تنگی میں ڈال دینے کے مترادف ہے اور یہ دین میں ممنوع ہے، کیونکہ یہ تکلیف کا باعث بنتا ہے اور تکلیف مکلّف کے لیے مشکل اور حرج پیدا کرتی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس اعرابی کو منع کر دیا تھا، جس نے یہ دعا مانگی تھی۔

اللھم ارحمنی و محمدا ولا ترحم معنا احدا وقال لقد تحجرت واسعا۔

یعنی اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما، ہمارے سوا اور کسی کو اپنی آغوش رحمت میں نہ لے۔ حضور ﷺ نے (یہ سن کر) اس سے فرمایا، تو نے وسعت کو تنگ کر دیا ہے۔

صوفیا کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ مذہب معین اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ عوام کا طریق ہے۔ صوفیا کے اس نقطۂ نظر کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہے، اور محققین کا اس پر اجماع ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ❶

اس آیہ کریمہ میں بلا کسی تعیین کے فقط اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم دینا، اس حقیقت پر دلالت کناں ہے کہ کسی مذہب معین کا اختیار کرنا بدعت ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان:

❶ یہ سورہ نحل کی تینتالیسویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: کہ اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم ❶۔

کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں' ان میں سے تم' جس کی بھی اقتدا کرو گے' ہدایت پا جاؤ گے۔

اس حدیث میں صحابہ کی اقتدا کا حکم' اسی آیت کی طرح ہے' جس میں مشکل مسائل کے حل کے لیے اہل ذکر اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اجماع امت بالکل ظاہر و واضح ہے کیوں کہ علمائے مجتہدین کے اقوال و فرامین کو مطمح نظر ٹھہرانا واجب ہے' تاکہ عاقل و فہیم شخص دلیل راجح کو مرجوح سے اور قوی کو ضعیف سے ممیز کر سکے اور اصول میں رشد و ہدایت نکھر کر سامنے آ سکیں اور یہی طلب علم کا طریق ہے اور طلب علم واجب ہے۔ حدیث میں ہے۔

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ❷۔

کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

آگے چل کر مولانا زرادی فرماتے ہیں:

کسی مذہب معین کو از روئے تقلید اختیار کرنا' اس کے دروازے بند کر دینے کے مترادف ہے' کیونکہ یہ ترجیح بلا مرجح اور مکلّف کے لیے حرج و تکلیف کا باعث ہے۔

بہر حال اگر صوفیا' مذہب غیر معین پر عمل پیرا ہیں تو ان کے بارے میں نہ فقہا کی رائے قابل وقعت ہوگی اور نہ ان کا فیصلہ صوفیا کے لیے حجت قرار پائے گا۔

صوفیا کی اس قسم کی بہت سی باتیں نہایت تعجب انگیز ہیں۔ ہم نے فقہیات سے متعلق اختصار کے ساتھ ان کا نقطۂ نظر یہاں اس لیے بیان کر دیا ہے کہ قارئین کرام اس سے بھی آگاہ ہو سکیں۔

یہاں یہ یاد رہے کہ یہ وہی مولانا فخر الدین زرادی ہیں' جنھوں نے علم صرف کی مشہور کتاب ''زرادی'' لکھی ہے۔ گزشتہ سطور میں ان کی تصنیفات کی فہرست میں جو ''رسالہ عثمانیہ'' درج ہے' اسی کا نام فاضل مصنف کی نسبت کی بنا پر ''زرادی'' کے نام سے موسوم ہوا۔

مولانا فخر الدین زرادی رحمہ اللہ نے ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں وفات پائی ❸۔

---

❶ مشکوٰۃ باب مناقب صحابہ۔ فصل ثالث (بحوالہ رزین) قال الالبانی۔ اسنادہ واہ جدا۔

❷ طبرانی کبیر واوسط۔

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیر الاولیاء۔ ص ۲۶۲ تا ۲۷۵۔ اخبار الاخیار' ص ۹۱' ۹۲۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۶۰۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۰۳ تا ۱۰۶۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' ص ۳۶۸ تا ۳۷۰۔

۱۰۳۔ شیخ فخر الدین مروزی

شیخ فخر الدین مروزی، فضل و صلاح اور زہد و فقاہت میں خاص شہرت کے حامل تھے۔ تصوف و طریقت کی منزلیں شیخ نظام الدین اولیا کی تربیت میں طے کیں اور پھر اپنے آپ کو عبادت الٰہی کے لیے مخصوص کر لیا۔ ان کے زمانے میں ترک و تجرید اور عفت و اتقا میں ان کا کوئی ہم سر نہ تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد حکومت میں ۷۳۶ھ (۱۳۳۶ء) کو وفات پائی ❶۔

۱۰۴۔ مولانا فخر الدین ناقلی

علامہ فخر الدین ناقلی دہلوی، علم و فضل میں یکتائے دہر تھے۔ فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت میں منصب صدارت پر فائز تھے۔ مدت مدید تک اس منصب پر متعین رہے۔ پھر معزول کر دیے گئے اور بڑا عرصہ گھر کے گوشہ عزلت میں گزارا۔ بعد ازاں سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ان کو عہدۂ صدارت عطا کیا۔ تقریباً چار سال کرسی صدارت سنبھالے رکھی۔ چار سال کے بعد پھر معزول ہو گئے۔ دہلی میں مدرس تھے۔ ان سے علما کی بڑی تعداد نے استفادہ کیا ❷۔

۱۰۵۔ مولانا فخر الدین ہانسوی

علامہ فخر الدین ہانسوی اپنے دور کے مشہور اساتذہ میں سے تھے اور دار الحکومت دہلی میں منصب تدریس پر متمکن تھے۔ اس دور میں ان سے بے شمار حضرات نے اخذ علم کیا، جن میں ان کے بھانجے قاضی کمال الدین ہانسوی، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، شیخ فخر الدین زرادی اور بہت سے اہل علم شامل ہیں۔ شیخ حمید الدین دہلوی خیر المجالس میں لکھتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے ان سے شیخ فخر الدین زرادی کی مشارکت میں فقہ کی کتاب ہدایہ پڑھی۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک تصنیف دستور الحقائق ہے جو ایک بسیط و مفصل کتاب ہے ❸۔

۱۰۶۔ مولانا فخر الدین شقاقل

شیخ فخر الدین دہلوی شقاقل کے نام سے معروف تھے اور سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں دار السلطنت دہلی کے کبار اساتذہ میں سے تھے۔ دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اس دور میں ان سے علما و طلبا کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا ❹۔

---

❶ اخبار الاخیار، ص ۹۲، ۹۳۔ نزہۃ اخواطر، ج ۲، ص ۱۰۶۔ بحوالہ سیر الاولیا و خزینۃ الاصفیا۔

❷ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۱۹۶، ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۶۔

❸ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ اخبار الاخیار ص ۹۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۷۔

❹ اخبار الاخیار، ص ۱۰۵۔ نزہۃ الخواطر، ص ۱۰۹۔

۱۰۷۔ قاضی فخر الدین بجنوری

قاضی فخر الدین بن رکن الدین بن فخر الدین بن عثمان بن ابوبکر صدیق سترکھی بجنوری، اصحاب فضل و صلاح اور ارباب فقاہت وصلاحیت میں سے تھے۔ تصوف وطریقت سے بھی تعلق تھا۔ پہلے شیخ نظام الدین اولیا سے بیعت ہوئے۔ پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے انسلاک و ملازمت اختیار کی اور کسب فیض کیا۔ زہد و استغنا میں اونچا درجہ رکھتے تھے۔ ۵ جمادی الاولی ۷۵۹ھ (۱۵ اپریل ۱۳۵۸ء) کو وفات پائی اور یوپی کے شہر بجنور میں مدفون ہوئے❶۔

۱۰۸۔ شیخ الاسلام فرید الدین اودھی

عالم کبیر، علامہ شیخ الاسلام فرید الدین اودھی، فقہی اعتبار سے شافعی المسلک تھے اور دیار ہند کے مشاہیر افاضل میں سے تھے۔ اپنے دور میں علوم عربیہ، تفسیر، نحو اور لغت میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ علاقہ اودھ میں منصب شیخ الاسلام پر فائز تھے۔ شیخ شمس الدین محمد بن یحیٰی اودھی نے ان سے اخذ علم کیا اور شیخ علاء الدین نیلی نے ان سے تفسیر کشاف پڑھی❷۔

۱۰۹۔ شیخ فرید الدین ناگوری

شیخ محمود بن علی بن حمید سعیدی سوالی ناگوری۔ ان کا لقب شیخ فرید الدین تھا اور لقب ہی سے مشہور تھے۔ ناگور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد ماجد سے جو عالم وصوفی تھے، اخذ علم کیا اور ان کی تربیت میں رہے، پھر ان کی جگہ تلقین وارشاد کی مسند سنبھالی۔ اپنے دور کے جلیل القدر عالم وفقیہ تھے اور مشائخ کی جماعت میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان سے شیخ ضیاء الدین نخشبی اور بہت سے حضرات نے تحصیل کی۔ ان کی ایک تصنیف کا نام سرالصدور ہے، جو ان کے جد امجد کے حالات پر محیط ہے۔ اس میں اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی صغرسنی میں اپنے دادا کو پایا اور میرے والد نے مجھے ۲ ربیع الاول ۷۲۵ھ (۱۶ فروری ۱۳۲۵ء) کو اجازۂ حدیث عطا کیا، میرے دادا کا خرقہ پہنایا اور میرے لیے دعائے برکت کی۔ ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں تدفین ہوئی❸۔

❶ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۷۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۷، بحوالہ تذکرۃ الاصفیا۔

❸ اخبار الاخیار، ص ۹۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۸۔

۱۱۰۔ شیخ فرید الدین دولت آبادی

شیخ فرید الدین دولت آبادی ''ادیب'' کے لقب سے مشہور تھے۔ عالم وفقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ کبار مشائخ چشتیہ میں سے گردانے جاتے تھے۔ تصوف وطریقت میں شیخ برہان الدین محمد ہانسوی غریب کے شاگرد تھے اور طویل عرصے تک ان سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ تصوف میں درجہ کمال کو پہنچے۔ شیخ برہان الدین غریب ان سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ شیخ برہان الدین غریب کی وفات سے تیرہ دن پہلے فوت ہوئے۔ تاریخ وفات ۲۹ محرم ۷۳۸ھ (۲۷ اگست ۱۳۳۷ء) ہے ❶۔

۱۱۱۔ شیخ فضل بن محمد ملتانی

شیخ فضل بن محمد بن زکریا اسدی قرشی ملتانی، شیخ فضل اللہ ملتانی کے نام سے موسوم تھے۔ فقیہ اور زاہد تھے اور رجال علم ومعرفت سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد شیخ محمد سے، جو شیخ صدر الدین کے لقب سے شہرت رکھتے تھے، اکتساب فیض کیا اور منازل علم طے کیں۔ خود ان سے شیخ شمس الدین مصری محدث نے علم حاصل کیا۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے زمانے میں نائب وزیر تھے ❷۔

۱۱۲۔ مولانا فصیح الدین دہلوی

شیخ فصیح الدین دہلوی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے فضلائے نامور، فقہائے ماہرین اور علم وعمل میں ممتاز حضرات میں سے تھے۔ اصول فقہ کی تعلیم شیخ شمس الدین قوشجی سے، قاضی محی الدین کاشانی کی مشارکت میں حاصل کی۔ باقی علوم وفنون کے لیے دیگر علمائے عظام کی خدمت میں حاضری دی۔ نہایت ذہین، ذکی، صحیح الفطرت، کثیر الدرس اور وسیع الافادہ تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو اپنے بیٹوں کے معلم مقرر کیا تھا۔ کئی سال اس خدمت پر مامور رہے۔ پھر اس منصب سے علیحدہ ہو گئے اور سب امور سے منقطع ہو کر زہد وعبادت کو زندگی کا مقصد وحید قرار دے لیا۔ طریقت وسلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے شیخ نظام الدین اولیا کی طرف رجوع کیا اور خاصا عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ اپنے شیخ کی زندگی میں وفات پائی ❸۔

❶ نزہت الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹۔

❷ تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۷۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

۱۱۴۳۔ قاضی فصیح الدین ہروی

امیر علاء الملک فصیح الدین ہروی خراسانی' فاضل شخص تھے اور ممتاز فقہاے حنفیہ میں سے تھے۔ شہر ہرات کے قاضی تھے۔ بادشاہ ہند محمد شاہ تغلق کے زمانے میں وارد ہند ہوئے اور اس نے ان کی علمی قابلیت اور تنظیمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر لاہری اور اعمال لاہری میں بلاد سندھ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اپنی سیاحت کے دوران ابن بطوطہ اس نواح میں آیا تو ان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بندرگاہ لاہری اور قاضی فصیح الدین ہروی کا ذکر خاصی تفصیل سے کرتا ہے۔ ابن بطوطہ نے جن الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے' اس سے ان کے مرتبہ بلند' جنگی تدبیروں اور دنیوی عز و جاہ کا پتا چلتا ہے۔

یہاں ہم ابن بطوطہ کے الفاظ کا ترجمہ اپنے قارئین کے مطالعہ میں لانا چاہتے ہیں' وہ لکھتا ہے:

''قاضی علاء الملک فصیح الدین خراسانی' قاضی ہرات' ایک فاضل شخص تھے۔ بادشاہ (محمد تغلق) نے ان کو لاہری کا حاکم بنا دیا۔ وہ بھی سرتیز کی مدد کو اپنا لشکر لے آئے۔ ان کا سامان پندرہ بڑی کشتیوں میں لادا گیا تھا جو وہ دریائے سندھ میں اپنے ہمراہ لائے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ لاہری جانے کا ارادہ کیا۔ قاضی علاء الملک کے پاس بڑی کشتی تھی' جسے آہورہ کہتے تھے۔ اس کے نصف حصے کو سیڑھیاں بنا کر اونچا کیا گیا تھا اور تختے لگا کر نشست کی جگہ بنائی گئی تھی۔ قاضی اس پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کے نوکر دائیں بائیں اور سامنے بیٹھتے تھے۔ چالیس ملاح اس کشتی کو کھینچتے تھے۔ چار چھوٹی کشتیاں اور تھیں۔ دو دائیں طرف رہتی تھیں' دو بائیں طرف۔ دو کشتیوں میں طبل اور نقارہ' علم اور سرنائی وغیرہ ہوتے تھے اور دو کشتیوں میں اہل طرب بیٹھتے تھے۔ جب کشتی چلتی تھی تو کبھی نوبت بجائی جاتی اور کبھی مطرب راگ گانے لگتے۔ وہ صبح سے لے کر دوپہر تک گاتے بجاتے چلے جاتے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا اور سب کشتیاں پہنچ جاتیں تو دسترخوان بچھایا جاتا۔ جب تک امیر علاء الملک کھانا کھاتے' یہ لوگ گانا بجایا کرتے' اور آخر میں خود کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی کشتیوں میں چلے جاتے۔ جب رات ہوتی تو کشتیاں دریا کے کنارے کھڑی کر دی جاتیں اور خشکی پر خیمے نصب کر دیے جاتے۔ جہاں امیر علاء الملک شب باش ہوتے۔ جب سارا لشکر رات کا کھانا کھا چکتا اور عشا کی نماز سے فارغ ہو جاتا تو چوکیدار باری باری آتے۔ جب ایک چوکیدار اپنی باری ختم کر لیتا تو پکار کر کہتا: ''اے اخوند اتنی گھڑیاں رات گزر چکی ہے۔''

''صبح ہوتی تو پھر نوبت اور نقارے بجنے شروع ہو جاتے' فجر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا جاتا اور کشتیاں چل پڑتیں۔ اگر امیر دریا کے کے ذریعے جانا چاہتا تو کشتی میں بیٹھ جاتا اور اگر خشکی کے راستے سفر کرنا مقصود ہوتا تو سب سے آگے نوبت اور نقار خانہ ہوتا۔ ان کے بعد حاجب اور حاجبوں کے آگے چھ گھوڑے ہوتے۔ تین پر نقارے ہوتے اور تین پر سرنا اور نفیری والے۔ جب کسی گاؤں یا اونچی زمین میں پہنچتے تو طبل اور نقارے بجائے

جاتے اور جب دن کے کھانے کا وقت ہوتا تو ٹھہر جاتے۔ میں امیر علاء الملک کے ساتھ پانچ روز رہا۔ پانچویں دن ہم لاہری پہنچے۔ یہ خوب صورت شہر سمندر کے کنارے واقع ہے۔ قریب ہی دریائے سندھ سمندر میں جا گرتا ہے۔ یہ شہر بڑی بندرگاہ ہے۔ یمن اور فارس کے جہاز اور تاجر اس میں بکثرت آتے ہیں' اور اسی لیے یہ شہر بڑا مالدار ہے اور اس کے محاصل بھی زیادہ ہیں۔ امیر علاء الملک نے مجھے بتایا کہ اس بندرگاہ کے محاصل بھی زیادہ ہیں۔

''امیر علاء الملک مجھ سے کہتے تھے کہ اس بندرگاہ کے محاصل ساٹھ لاکھ دینار سالانہ ہیں اور ان کو اس سے بیسواں حصہ ملتا ہے' یعنی عشر کا نصف' اور اسی شرح پر بادشاہ اپنے کارندوں کو علاقے سپرد کرتا ہے۔

''ایک روز میں امیر علاء الملک کے ساتھ سیر کو گیا۔ شہر سے سات کوس کے فاصلے پر ایک میدان ہے' جس کو تاتار کہتے ہیں۔ وہاں بے شمار آدمیوں اور حیوانوں کی پتھر کی مورتیاں کچھ ثابت اور کچھ ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں اور غلہ اور گیہوں اور چنا اور مسری وغیرہ پڑے ہیں۔ فصیل اور مکانوں کی دیواروں کے ساتھ سامان کا ڈھیر ہے۔ کھنڈروں میں کھدے ہوئے پتھر کا ایک گھر ہے۔ اس کے وسط میں ایک چبوترہ ہے جو ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس پر ایک آدمی کا بت ہے۔ اس آدمی کا سر ذرا لمبا ہے اور منہ ایک طرف پھرا ہوا ہے۔ دونوں ہاتھ کمر سے کسے ہوئے ہیں۔ اس جگہ نہایت بدبودار پانی کھڑا ہوا تھا۔ بہت سی دیواروں پر ہندی زبان اور ہندی رسم الخط میں لکھے ہوئے کتبے ہیں۔

''امیر الملک کہتے تھے کہ اس ملک کے مورخوں کا خیال ہے کہ یہ شہر تباہ ہو گیا تھا اور چبوترے پر جو بت نصب ہے وہ بادشاہ کا تھا۔ چنانچہ اب بھی لوگ اس گھر کو راجا کا محل کہتے ہیں۔ دیواروں کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی بربادی تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔ میں امیر الملک کے پاس پانچ روز ٹھہرا۔ اس نے بدرجہ غایت میری خدمت اور خاطر و مدارات کی اور میرے لیے زادراہ بھی تیار کرایا❶۔

۱۱۴۔ شیخ فیروز دہلوی

شیخ فیروز دہلوی کا لقب شیخ شرف الدین تھا۔ مرد صالح' عالم بے مثل' فاضل یگانہ' پیکر ذہانت و فطانت' اوصاف فضل و صلاح سے متصف اور زیور ورع و تقوی سے آراستہ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا سے اخذ فیض کیا۔ امرا و اغنیا اور ملوک و وزرا سے بے نیاز رہتے۔ نہ ان کے دروازے پر حاضری دیتے' نہ ان کی طرف ملتفت ہوتے اور نہ ان سے تحائف و ہدایا قبول کرتے۔ اسی نوع کی خوبیوں اور تدین کی بنا پر عوام میں بے حد مقبول تھے اور لوگ ان کے فضل و کمال کی وجہ سے ان کے گرویدہ اور معتقد تھے۔ دیوگیر میں فوت ہوئے❷۔

❶ رحلۃ ابن بطوطہ' ج ۲' ص ۶ تا ۱۰۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۱۳۔

ـــــ ق ـــــ

۱۱۵۔ شیخ قاسم بن عمر دہلوی

فاضل کبیر شیخ قاسم بن عمر دہلوی' شیخ نظام الدین اولیا کے بھانجے ہوتے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ مولانا جلال الدین دہلوی سے قرآن مجید حفظ کیا اور باقی علوم کی تحصیل کی۔ ہدایہ' بزدوی' مشارق الانوار' تفسیر کشاف اور باقی کتب درسیہ ان ہی سے پڑھیں اور بہت مدت تک ان سے وابستہ رہے۔ نہایت ذکی اور عمدہ سیرت و عالی طبیعت کے مالک تھے۔ تفسیر قرآن کے موضوع پر لطائف التفسیر کے نام سے ان کی ایک تصنیف ہے' جو قرآن مجید کے لطائف واسرار اور معارف ونکات کو محتوی ہے ❶۔

ـــــ ک ـــــ

۱۱۶۔ مولانا کریم الدین جوہری

فاضل یگانہ شیخ کریم الدین جوہری دہلوی' علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی میں فقہ' اصول اور علوم عربیہ کے ماہر عالم تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں ان کا سلسلہ درس جاری تھا' جس سے ذوق علمی رکھنے والوں کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا ❷۔

۱۱۷۔ مولانا کمال الدین سامانوی

شیخ کمال الدین سامانوی اپنے دور کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں طویل عرصے تک دہلی میں مسند درس بچھائے رکھی' جس سے بے شمار اہل علم نے استفادہ کیا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے دہلی سے دولت آباد چلے گئے تھے۔ وہاں بھی مسند تدریس کو رونق بخشی اور زندگی بھر یہی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان سے جن حضرات نے تحصیل کی' ان میں شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی کا اسم گرامی شامل ہے ❸۔

---

❶ نزہۃ الخواطر' جلد ۲' ص ۱۱۸۔

❷ تاریخ فیروز شاہی' برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۷۴۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۱۵۔

❸ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۷۴۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۱۶۔ بحوالہ روضۃ الاولیا۔

۱۱۸۔ مولانا کمال الدین دہلوی

عالم و فاضل شیخ کمال الدین بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عمر دہلوی اپنے علم و فضل کی وجہ سے علامہ کے نام سے مشہور تھے۔ سلسلہ نسب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ معروف بزرگ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے۔ علاقہ اودھ میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ فضائل علمیہ میں مہارت پیدا کر لی اور افتا و تدریس کی اہلیت سے مالا مال ہوئے۔ بعد ازاں اپنے ماموں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی اور طویل عرصے تک دہلی میں اقامت گزین رہے۔ پھر عازم گجرات ہوئے۔ اس نواح میں حسن قبول حاصل کیا اور بہت بڑی اکثریت ان کی صالحیت و تدین اور علم و فضل کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو گئی۔ وہاں خاصی مدت مقیم رہے۔ گجرات سے پھر دہلی تشریف لے گئے اور ۲۷/ ذی القعدہ ۷۵۶ھ (۳/ دسمبر ۱۳۵۵ء) کو دہلی میں وفات پائی❶۔

۱۱۹۔ مولانا کمال الدین سنتوسی

فاضل یگانہ شیخ کمال الدین سنتوسی بہاری، فقہ، اصول، کلام اور علوم عربیہ کے ممتاز علما میں سے تھے۔ صوبہ بہار کے ایک گاؤں سنتوس کے رہنے والے تھے اور وہیں طلبا کو درس دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری نے ان کو ایک رسالہ لکھا جس کا موضوع یہ تھا کہ اللہ کی معرفت کے لیے عقل کافی ہے یا نہیں❷۔

۱۲۰۔ شیخ کمال الدین مالوی

شیخ کمال الدین بن بایزید بن نصیر الدین بن فرید الدین مسعود اجودھنی مالوی، بابا فرید الدین گنج شکر کی اولاد سے تھے۔ تدین و صالحیت میں مشہور تھے۔ علم فقہ کے زبردست عالم تھے۔ کبار مشائخ چشتیہ میں گردانے جاتے تھے۔ علم طریقت شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کیا اور خاصہ عرصہ ان کی خدمت میں رہے۔ پھر شیخ نے ان کو مالوہ تشریف لے جانے اور وہاں کے لوگوں میں رشد و ہدایت کی تبلیغ کرنے کی اجازت دی۔ یہ مالوہ گئے تو بے شمار غیر مسلموں نے ان کی تبلیغی مساعی سے اسلام قبول کیا۔ شیخ ممدوح علاقہ مالوہ کے ایک گاؤں ''دھار'' میں مقیم تھے اور ان کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا❸۔

---

❶ تذکرہ علمائے ہند، ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۱۶۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۱۸۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۱۹۔

—— م ——

۱۲۱۔ شیخ محمد بن احمد بدایونی۔ نظام الدین اولیا

شیخ نظام الدین اولیا کا اسم گرامی محمد اور والد مکرم کا احمد تھا۔ محبوب الٰہی، سلطان السلاطین، سلطان الاولیا، سلطان المشائخ اور نظام الدین اولیا القاب تھے۔ سلسلہ نسب اٹھارہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شیخ نظام الدین اولیا کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا اور لاہور سے بدایوں گیا اور وہاں سکونت اختیار کرلی۔ حضرت شیخ شہر بدایوں میں ماہ صفر ۶۳۴ھ (اکتوبر ۱۲۳۶ء) کو پیدا ہوئے۔

ابھی پانچ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ پڑی، جو بڑی صالحہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی۔ اسی شہر میں مولانا علاء الدین اصولی سے فقہ کی کتاب قدوری ختم کی۔ انھوں نے اپنے اس ہونہار شاگرد کے سر پر دستار فضیلت باندھنے کی تقریب میں، علما و مشائخ کو مدعو کیا۔ اس مبارک تقریب میں شیخ کی شکل دیکھ کر بعض بزرگوں نے کہا کہ اس لڑکے کا سر کبھی کسی شخص کے آگے نہیں جھکے گا۔

مزید تعلیم کے لیے والدہ مکرمہ دہلی لے گئیں۔ دہلی شہر اس زمانے میں علما و فضلا کا گہوارہ تھا اور اصحاب کمال کی بہت بڑی جماعت اس میں فروکش تھی، جن میں مولانا شمس الدین دامغانی کو امتیاز حاصل تھا۔ فرماں روائے ہند غیاث الدین بلبن کے نزدیک یہ بے حد قدر و منزلت کے مالک تھے۔ اس نے ان کے اوصاف گوناگوں سے متاثر ہو کر ان کو شمس الملک کا خطاب دیا اور ''مستوفی ممالک'' کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ اس زمانے کے مشہور شاعر تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

شمسا کنوں بکام دل دوستاں شدی
مستوفی ممالک ہندوستاں شدی

اس عہدۂ جلیلہ پر متعین ہونے سے پہلے وہ دیار ہند میں درس و تدریس کے لیے مشہور تھے اور طالبان علم ان کی تدریسی خوبیوں اور علمی فراوانیوں کی وجہ سے ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، دہلی میں شیخ نظام الدین کو ان ہی کے حلقہ درس میں داخل کیا گیا۔ مولانا شمس الدین دامغانی نے ان کو نہایت التفات و توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ وہ اپنے عزیز اور فہیم و ذہین طلبا کو اپنے حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ یہ شرف ان کے تین شاگردوں کو حاصل تھا، وہ تھے۔ قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبدالباقی اور نظام الدین۔ مولانا شمس الدین دامغانی کے انداز تدریس سے طلبا بہت مطمئن تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب شاگرد درس سے غیر حاضر ہوتا تو اس سے ازراہ مذاق کہتے، میں تمھاری کیا خطا کر بیٹھا کہ تم درس میں حاضر نہ ہوئے۔ مجھے بتاؤ تا کہ میں پھر اسی

غلطی کا ارتکاب کروں اور تم آئندہ بھی حاضر درس نہ ہوسکو۔ لیکن اگر شیخ نظام الدین ناغہ کرتے اور وہ پھر استاد کی خدمت میں جاتے تو انھیں دیکھ کر کچھ کہنے کے بجائے یہ شعر پڑھتے:

بازے کم از آنکہ گاہ گاہے

آئی و بمائی نگاہے

شیخ نے مولانا شمس الدین دامغانی سے مقامات حریری کے چالیس مقامات پڑھے اور زبانی یاد کیے۔ بعدازاں مولانا کمال الدین زاہد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مشارق الانوار کا درس لیا۔ مولانا کمال الدین اپنے عہد کے اس درجہ جلیل القدر عالم اور صاحب اتقا بزرگ تھے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کے تقوی و دیانت اور تبحر علمی کی شہرت سن کر انھیں اپنے پاس بلایا اور عرض کیا: اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمالیں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے بارگاہ خداوندی میں میری نمازیں درجہ قبولیت حاصل کرلیں۔ لیکن مولانا نے ایک ادائے استغنا کے ساتھ بادشاہ کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے' کیا آپ اسے بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں؟ بادشاہ نے یہ دوٹوک جواب سن کر چپ سادھ لی اور معذرت کر کے ان کو واپس بھیج دیا۔ شیخ نظام الدین نے کتب احادیث ان ہی سے پڑھیں۔ شیخ قرآن مجید کے حافظ تھے۔ ان کو علوم سے اس قدر لگاؤ تھا کہ سلسلہ تدریس برابر جاری رکھا۔ اپنے مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے عوارف المعارف اور تمہید ابوشکور سالمی پڑھی۔ جہاں یہ بلند پایہ صوفی اور صاحب طریقت بزرگ تھے' وہاں مشاغل درس وتدریس کی وجہ سے ان کا شمار وقت کے متبحر اور جید علمائے کرام میں بھی ہوتا تھا۔ اسی لیے ان کی خانقاہ میں رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا شغل بھی جاری رہتا۔ ان کے مرشد کی خاص طور سے ان کو یہ ہدایت تھی کہ یہ سلسلہ ہر حال اور ہر صورت میں جاری رہنا چاہیے۔

دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا بلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں رہتے تھے۔ اس سے قریب ہی شیخ فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کی قیام گاہ تھی جو مختلف علوم سے آراستہ تھے۔ ان کی ہمہ وقتی صحبت و رفاقت کی وجہ سے شیخ نظام الدین کے دل میں بابا فرید کی زیارت و ملاقات کا شوق موجزن ہوا۔ ایک شب دہلی کی جامع مسجد میں مقیم تھے کہ صبح کے وقت موذن نے مسجد کے منار پر چڑھ کر یہ آیت تلاوت کی۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ❶۔

قرآن کے یہ الفاظ سنتے ہی ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور بابا فرید کی زیارت و ملاقات کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب اجودھن (پاک پٹن) پہنچے تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

❶ یہ سورہ حدید کی آیت نمبر ۱۶ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے: کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے گڑگڑانے لگیں۔

اے آتش فراقت دل ہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہ چہار ترکی اپنے سر سے اتار کر مرید کے سر پر رکھ دی۔

حضرت شیخ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ (۲۹ جولائی ۱۲۵۷ء سے مارچ ۱۲۵۸ء) تک اپنے اس عظیم مرشد کی خدمت میں تعلیم و ترتیب کی مختلف منزلیں طے کرتے رہے۔

شیخ نظام الدین اولیا کی زندگی متعدد مراحل سے گزری۔ تکلیف اور سخت آزمائش و مشکلات کا زمانہ بھی دیکھا۔ مگر ان پر کبھی اضطراب اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری نہیں ہوئی۔ بادشاہ ہند سلطان جلال الدین خلجی نے کئی مرتبہ کچھ دیہات ان کی نظر کرنا چاہے تاکہ خانقاہ میں رہنے والوں کی مالی دشواریاں ختم ہو جائیں' مگر انھوں نے اس کی یہ پیش کش قبول کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ پھر بعض شاہان ہندوستان نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے ملاقات کرنے کی کوشش بھی کی' لیکن انھوں نے ان کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی' صرف اس لیے کہ وہ ملوک و سلاطین کی مجلسوں میں بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے اور اس کو علما و مشائخ کے وقار علمی اور مقام مشیخت کے منافی سمجھتے تھے۔ بارہا گھر میں کچھ کھانے کو نہ ہوتا مگر وہ کسی کے دروازے پر دستک نہ دیتے۔ جس دن گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تو ان کی والدہ کہتیں' آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔ حضرت شیخ کو ماں کے ان الفاظ سے بڑی روحانی لذت حاصل ہوتی۔ جب گھر میں کچھ کھانے کو ہوتا تو افسوس کرتے کہ آج والدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔

شیخ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ نے جن سلاطین ہند کا زمانہ پایا' ان میں ایک بادشاہ سلطان غیاث الدین تغلق تھا۔ یہ دین دار' نیک' حق شناس اور پرہیز گار بادشاہ تھا۔ بلاد ہند میں احکام شریعت کے اجرا و نفاذ کے لیے اس نے مفتیوں' قاضیوں' محتسبوں اور مختلف مناصب پر متعین لوگوں کو خاص طور سے ہدایات جاری کر رکھی تھیں۔ مورخ ضیاء الدین برنی اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

> از برائے جریان احکام شریعت' قاضیان و مفتیان و دادبک و محتسبان عہد اورا آوبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود[1]۔

شیخ نظام الدین اولیا سماع کے قائل تھے' بعض علما نے جو درحقیقت سماع کے مخالف نہ تھے بلکہ خود شیخ کی ذات سے حسد و کدورت رکھتے تھے' بادشاہ کی دین داری اور پابندی شرع کی بنا پر اس سے سماع کی مخالفت میں ایک عام حکم شاہی جاری کرا دیا۔ لیکن شیخ کی محفل میں بدستور سلسلہ سماع جاری رہا۔ علما نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو بادشاہ نے ایک محضر طلب کیا' جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے تمام مشائخ و علما کو جمع کیا گیا۔ شیخ نے بھی اہل علم کی اس مجلس میں شرکت فرمائی۔ بحث شروع ہوئی تو فریقین کی طرف سے سماع کی اباحت اور

[1] تاریخ فیروز شاہی' ص ۴۴۱۔

حرمت میں دلائل پیش کیے گئے۔ طلوع آفتاب کے ذرا بعد سے لے کر زوال آفتاب تک مناظرہ ہوتا رہا اور دونوں جانب سے اپنے اپنے حق میں دلائل کی گرم بازاری رہی۔ شیخ نے نفس غنا کے جواز میں حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا، تم مقلد ہو، تمھیں حدیث سے کیا مطلب؟ اگر فقہ حنفی کی رو سے کوئی روایت یا دلیل ہے تو پیش کرو۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا وہ ملک کیوں کر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبوی ﷺ پر ترجیح دی جاتی ہو❶۔

بحث نے طول پکڑا تو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے، جو اس زمانے کے جید عالم تھے اور جن سے سلطان غیاث الدین تغلق بھی اعتقاد رکھتا اور احترام سے پیش آتا تھا، شیخ کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا، جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے شیخ کو اعزاز واکرام کے ساتھ مجلس علما سے رخصت کیا۔ وہ خانقاہ میں واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''دہلی کے فقہا مجھ سے عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے اب کھلا میدان پایا اور بہت ہی پر از عداوت باتیں کیں اور آج تو ایک بہت ہی تعجب انگیز بات دیکھنے اور سننے میں آئی، وہ یہ کہ استدلال کے موقعے پر رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیثیں سننے کے لیے تیار نہ تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارے اس شہر میں فقہی روایت پر عمل کرنا حدیث سے مقدم اور اولی سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ جب آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث بیان کی گئی تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علمائے (احناف) کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں یا

---

❶ سید سلیمان ندوی مرحوم اس واقعہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس عظیم الشان مناظرے میں کون سی حدیث صحیح پیش ہوئی تھی تا کہ اس عہد کی حدیث دانی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ مورخ فرشتہ شیخ کے حال میں لکھتا ہے۔ ''قاضی رکن الدین شیخ را گفت، اے درویش! در بابت سرود و سماع چہ حجت داری؟ شیخ بحدیث نبوی، السماع مباح لاھلہ، متمسک بہ'' گشت۔ قاضی گفت ترا بحدیث چہ کار، تو مرد مقلدی، روایتے از ابو حنیفہ بیار تا بمعرض قبول افتد۔ شیخ گفت، سبحان اللہ، من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم وتو ازیں روایت ابوحنیفہ می خواہی، شاید کہ ترا رعونت حکومت بریں می دارد زود ازیں عہدہ معزول می شوی..... پادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید، متفکر شدہ، ہیچ نہ گفت۔''
اس کے بعد ان الفاظ کے بارے میں جو شیخ نظام الدین اولیا نے بطور حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیے۔ سید صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔ اس فقرے کو حدیث کہنا شاید فرشتہ کی غلطی ہو، یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں بطور فتویٰ نقل کیا ہے۔ (مقالات سید سلیمان۔ حصہ دوم۔ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ص ۷)

نہیں۔ حاکم کے سامنے فقہا مغرورانہ بحث کرتے ہیں اور صحیح احادیث کو نہیں مانتے۔ میں نے ایسا کوئی عالم نہ دیکھا اور نہ سنا جس کے سامنے آنحضرت ﷺ کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں سنتے اور ہم نہیں جانتے۔ یہ کیسا زمانہ ہے۔ یہ شہر جس میں ایسی مغرورانہ بحث ہو' کیسے آباد رہ سکتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ بادشاہ' امرا اور عوام' قاضی شہر اور علمائے شہر سے یہ سن کر کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا' کس طرح آنحضرت کی حدیثوں پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہیں۔ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شہر کے علما کی اس بداعتقادی کی وجہ سے کہیں شہر پر وبا اور قحط نہ نازل ہو جائے۔''

تذکرہ نگاروں کا کہنا کہ اس واقعہ کے چار سال بعد دہلی شہر واقعی قحط و وبا سے تباہ ہو گیا۔ پھر جب سلطان محمد تغلق نے اپنا دارالسلطنت دہلی کی بجائے دیوگیر بنایا تو اس دور میں خود علمائے دہلی بھی کئی قسم کے مصائب میں مبتلا ہوئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ نظام الدین کی مخالفت میں اور حرمت سماع سے متعلق جو عالم وفقیہ سب سے پیش پیش تھے' وہ قاضی جلال الدین ولوالجی تھے۔ ان کا انداز کلام جارحانہ تھا' مگر اس کے برعکس شیخ ممدوح انتہائی تحمل اور متانت و وقار سے بات کرتے تھے۔ شیخ نے ان سے کہا' اگر آپ حکومت کے بل بوتے پر اور اقتدار کے زعم میں یہ انداز گفتگو اختیار کیے ہوئے ہیں تو اپنے آپ کو اس اقتدار سے معزول سمجھیے۔ چنانچہ اس سے ٹھیک بارہ دن بعد انھیں منصب قضا سے الگ کر دیا گیا۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیا حنفی المسلک تھے' یہاں یہ یاد رہے کہ سماع کے بارے میں شیخ نظام الدین کا موقف مبنی برصحت نہ تھا۔ سماع کا مطلب قوالی ہے اور اس کے جواز کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جسے وہ نبی ﷺ کی حدیث کہتے تھے' وہ امام غزالی کا قول ہے جو انھوں نے ایک موقعے پر کہا تھا۔ سماع و قوالی کا سلسلہ شریعت کی رو سے بالکل غلط ہے۔ تاہم بعض اہم مسائل فقہی میں شیخ نظام الدین اولیا کا عمل مسلک احناف کے خلاف تھا۔ مثلاً وہ نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور خود بھی سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس پر بعض حضرات نے ان کو جب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سنایا کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھتا ہے تو اس کے منہ میں انگارا ڈالا جائے گا [1] تو شیخ نے جواب میں فرمایا: ایک طرف یہ وعید ہے اور دوسری طرف صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

---

[1] مولانا عبدالحی فرنگی محلی حنفی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔ لا اثر له فی کتب المحدثین الثقات ولا طریق لرفعه عند الاثبات۔ (امام الکلام (ص ۱۳۲)

یعنی کتب محدثین ثقات میں اس حدیث کا کہیں نام و نشان نہیں ہے اور اثبات کے نزدیک اس کا کوئی طریق مرفوع نہیں ہے۔

لا صلوۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب ❶.

یہ حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں بطلان نماز پر دلالت کناں ہے۔ میں وعید کا متحمل تو ہوسکتا ہوں کہ اللہ قیامت کے روز اس کی سزا دے گا لیکن یہ جرات نہیں کر سکتا کہ میری نماز اللہ کے نزدیک باطل قرار پا جائے جب کہ اصول کا یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ احوط پر عمل کیا جائے اور خلاف سے دامن کشاں رہا جائے۔

اسی طرح وہ صلوٰۃ الجنازہ علی الغائب کے جواز کے قائل تھے۔ اس ضمن میں وہ اس مشہور اور صحیح حدیث سے استدلال کرتے تھے' جو اس ضمن میں کتب احادیث موجود ہے ❷۔

فرمایا کرتے تھے' جب تم کوئی حدیث سنو اور اسے کتب صحاح میں نہ پاؤ تو اسے رد نہ کرو بلکہ یہ کہو کہ ہمیں یہ حدیث ان کتب حدیث میں نہیں ملی جو علمائے حدیث کے نزدیک مقبول اور متداول ہیں اور جوامت میں تلقی بالقبول کا درجہ رکھتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے شیخ موصوف بدرجہ غایت محبت رکھتے تھے۔ وفات سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں: نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لیے بے چین ہو گئے۔

کہتے ہیں' وفات سے چالیس روز قبل کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا اور آنکھوں سے ہر آن آنسو جاری رہتے تھے۔ کوئی کھانے پینے کی درخواست کرتا تو فرماتے:

کسے کہ مشتاق حضرت ﷺ باشد او طعام دنیا چگونہ۔

جس بے نبی ﷺ ملنے کا شوق رکھتے ہوں' اسے دنیا کی چیزوں کے کھانے پینے سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

مرض نے شدت اختیار کی تو دوا استعمال کرنے کے لیے عرض کی گئی۔ فرمایا:

درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

برصغیر پاک و ہند کی اس عظیم شخصیت نے بدھ کے روز ۱۸ ربیع الاول ۷۶۵ھ (۲۵ دسمبر ۱۳۶۳ء) کو دہلی میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ❸۔

---

❶ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی' اس کی نماز نہیں ہے۔ یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے اور بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔

❷ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی' شاہ حبشہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ مشکوہ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا فصل اول۔ (بحوالہ بخاری ومسلم)

❸ ان کے حالات کے لیے درج ذیل کتابیں دیکھیے۔

سیر العارفین' سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس' سیر الاولیا' خزینۃ الاصفیا' تاریخ فرشتہ' سیر الاقطاب' مونس الارواح' مراۃ الاسرار' سفینۃ الاولیا' تاریخ فیروز شاہی' اخبار الاخیار' فوائد الفواد' تذکرہ علمائے ہند' نزہۃ الخواطر' ج ثانی اور بزم صوفیہ وغیرہ۔

۱۲۲۔ شیخ محمد بن احمد معبری

شیخ محمد بن احمد بن محمد بن منصور معبری کا لقب جلال الدین تھا۔ معروف رجال فضل و صلاح میں سے تھے۔ فقہ میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ تصوف و طریقت میں بھی بلند مرتبہ کے حامل تھے اور اس ضمن میں شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچی کے شاگرد تھے۔ ایک عرصے تک ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ جلال الدین نے ان کو شرف اجازہ سے نوازا اور وہی ہدایات دیں جو دیگر مشائخ کو دیا کرتے تھے۔ شیخ جلال الدین کی زندگی ہی میں دہلی میں فوت ہوئے ❶۔

۱۲۳۔ قاضی محمد بن برہان ہانسوی

قاضی محمد بن برہان ہانسوی کا لقب کمال الدین تھا۔ ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا ہے۔ اپنے ماموں شیخ فخر الدین ہانسوی سے، شیخ فخر الدین زرادی کی شرکت میں تحصیل علم کی۔ علمی بحث و گفتگو میں بہ درجہ غایت تیز تھے۔ علم میں اس قدر مہارت پیدا کی کہ افتا و تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ ابتدا میں قاضی مقرر کیے گئے۔ پھر غیاث الدین تغلق کے عہد میں پورے ہندوستان کے قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر پہنچے اور سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد آخر تک اس مسند بلند پر متعین رہے۔ محمد شاہ تغلق ان کو اپنا مقرب و ندیم سمجھتا تھا ❷۔

۱۲۴۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم ارموی ہندی

شیخ الامام العالم الکبیر محمد بن عبدالرحیم بن محمد کا لقب شیخ صفی الدین تھا۔ شافعی المسلک تھے اور مشاہیر علمائے ہند میں سے تھے۔ ربیع الثانی ۶۴۴ھ (جنوری ۱۲۶۶ء) کو پیدا ہوئے اور اپنے نانا سے اخذ علم کیا۔ رجب ۶۶۷ھ (مارچ ۱۲۶۹ء) میں دہلی سے نکلے اور یمن میں داخل ہوئے۔ وہاں کا امیر مظفر ان سے نہایت اکرام سے پیش آیا اور نو سو دینار عطا کیے۔ وہاں سے حج کے لیے تشریف لے گئے اور تین مہینے مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ پھر ۶۷۱ھ (۱۲۷۳ء) میں قاہرہ گئے اور وہاں سے بلاد روم میں داخل ہوئے اور قونیہ اور سیواس کے علاقوں میں گھومتے رہے۔ ۶۸۵ھ (۱۲۸۶ء) میں ان بلاد و امصار سے نکلے اور وارد دمشق ہوئے اور اس شہر کو اپنا وطن قرار دے لیا۔ دمشق میں فخر الدین بخاری سے کسب علم کیا اور مدرسہ اتابکیہ، مدرسہ ظاہریہ، مدرسہ جوانیہ، مدرسہ رواحیہ اور مدرسہ ولقیہ میں شائقین علم کو درس دیتے اور فتوے لکھتے رہے۔ دمشق میں انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں علم کلام اور اصول دین کے موضوع سے متعلق الزبدۃ، اصول فقہ کے بارے میں النہایۃ الفائق اور الرسالۃ السبعیہ

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹۔ بحوالہ خزانۃ الفوائد و جامع العلوم۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲۹۔

شامل ہیں جو اپنے اپنے موضوع کی بہترین تصنیفات ہیں بالخصوص النہایہ انتہائی عمدہ کتاب ہے۔

علامہ محمد بن عبدالرحیم ہندی کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ امام ابوالحسن اشعری کے مذہب اور اس کی اسرار و نکات پر سب سے زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے صاحب تلخیص قاضی سراج الدین کے سامنے بھی زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم نہایت بدخط تھے اور بڑے نکتہ سنج اور ظریف بھی تھے۔ طبیعت میں بے حد سادگی تھی۔ خود ہی اپنا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کتابوں کی دکانوں میں گھوم رہے تھے کہ وہاں ایک کتاب پر نظر پڑی جس کو دیکھتے ہی یہ یقین ہو گیا کہ یہ کتاب ان کے خط سے بھی زیادہ بدخطی کا نمونہ پیش کر رہی ہے اور صرف اس لیے مہنگے داموں خرید لی کہ کوئی انھیں بدخط قرار دے گا تو یہ کتاب اس کے آگے رکھ دیں گے اور اسے بتائیں گے کہ یہ کتاب ان کے خط سے بھی زیادہ بدخطی کی مظہر ہے۔ اس میں لطیفے کی بات یہ ہے کہ جب گھر آ کر اسے اچھی طرح دیکھا اور اپنے خط سے اس کا مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کئی سال پہلے خود ان ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

امام ابن تیمیہ کے معاصر تھے اور دمشق میں بعض مسائل کے بارے میں امام سے ان کا مناظرہ بھی ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ جب علمائے وقت نے کچھ مسائل میں امام ابن تیمیہ کی رائے سے اظہار اختلاف کیا اور امام نے اپنے حق میں دلائل پیش کرنا شروع کیے تو امیر تنکز پاشا کے نائب السلطنت امیر جمال الدین آخوش الافرم کے سامنے ۱۲ رجب ۷۰۵ھ (۲۸ جنوری ۱۳۰۶ء) کو دارالسعادہ میں ایک مجلس منعقد کی گئی، جس میں علما کی ایک جماعت کو بلایا گیا۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم، حلقہ علمائے کرام میں شیخ صفی الدین ہندی کے نام سے معروف تھے۔ بڑی جامع و مانع تقریر کرتے تھے۔ جس مسئلے کو زیر بحث لاتے، اس کے تمام متعلقات کو پوری وضاحت سے بیان کرتے اور اس کا کوئی گوشہ تشنۂ تحقیق نہ رہنے دیتے۔ اس لیے علما نے رائے دی کہ شیخ ہندی کو مدعو کیا جائے اور ان کو اس بحث کے نگران اعلیٰ مقرر کیا جائے۔ چنانچہ علمائے شام کے اتفاق رائے سے شیخ صفی الدین ہندی کو بلایا گیا اور بحث و مناظرہ کی نگرانی کا منصب انھیں سونپا گیا۔ مختلف مسائل زیر بحث آئے اور امام کی تصنیفات کے اقتباسات پڑھ کر سنائے گئے۔ شیخ ہندی جس موضوع سے متعلق بات شروع کرتے، اپنی عادت کے مطابق اس پر طویل تقریر کرتے، مگر امام ابن تیمیہ اس کے عادی نہ تھے۔ وہ دوٹوک بات کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اپنی تیزئ طبع کی بنا پر شیخ ہندی کی تقریر کے دوران میں ان سے الجھنے لگے۔ بہرحال امام چونکہ علم کے بحر زخار تھے اور علوم و فنون پر ان کی نظر وسیع اور ہمہ گیر تھی، اس لیے شیخ ہندی ان کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ انھوں نے متعدد پہلوؤں سے امام کو گھیرنے کی کوشش کی مگر وہ کسی طرح ان کی گرفت میں نہ آئے تو شیخ کو جھنجھلا کر کہنا پڑا۔

ما اراك يا ابن تيمية الا كالعصفور حيث اردت ان اقبضه من مكان يفر الى مكان اخر [1]۔

[1] - طبقات الشافعیہ، ج ۵، ص ۲۴۰۔

اے ابن تیمیہ میں تمھیں ایک چڑیا کی مانند پاتا ہوں، جب اسے کسی جگہ پر پکڑنا چاہوں تو اڑ کر دوسری جگہ پر چلی جاتی ہے۔

امام ابن تیمیہ کی وسعت علم، انداز استدلال، حاضر جوابی، آیات واحادیث پر بے پناہ عبور واستحضار اور ان کا مناسب مواقع پر انطباق، منطقیانہ اسلوب بحث اور زوردار بیان۔ یہ وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ان کا مقابلہ شیخ ہندی کے لیے ممکن نہ تھا۔ لہذا مجبور ہو کر انھیں میدان چھوڑنا پڑا اور ان کے بجائے مخالفین نے شیخ کمال الدین ابن زملکانی کو مناظرے کے نگران مقرر کیا۔

شیخ صفی الدین ہندی علم منطق پر بہت اچھی نگاہ رکھتے تھے، چنانچہ امام کے ساتھ بحث کرتے ہوئے انھوں نے ایک مرتبہ منطقی نہج استدلال اختیار کیا تو امام اس سے نہایت خوش ہوئے۔ اس کے علاوہ باقی علوم میں وہ زیادہ عبور نہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید کے بارے میں بھی ان کا علم محدود تھا۔ لب ولہجہ عربی نہ تھا، اس میں ہندی کی آمیزش تھی۔ عقیدے کے اعتبار سے مذہب سلف کے پابند تھے۔ ۷۱۵ھ (۱۳۱۶ء) کے اواخر میں فوت ہوئے [1]۔

۱۲۵۔ شیخ محمد بن محمد صغانی

عالم اجل شیخ محمد بن محمد بن سعید بن عمر بن علی صغانی۔ ان کا لقب علامہ ضیاء الدین ہندی تھا۔ شیخ جمال مطری سے ابوالیمن بن عساکر کے واسطے سے صحیح بخاری کی سماعت کی اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کا درس لیا اور شیخ علی قطب بن مکرم سے مدینہ منورہ میں ۷۴۰ھ (۱۳۴۰ء) میں موطا پڑھا اور خرقہ خلافت بھی زیب تن کیا۔ قاہرہ وغیرہ مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں دو سال ٹھہرے۔ اس اثنا میں سندِ افتا وتدریس کو زینت بخشی۔ پھر ان کے اور امیر مدینہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، جس نے باہمی منافرت کی شکل اختیار کر لی اور اس منافرت نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور شوال ۷۶۳ھ (اگست ۱۳۶۲ء) میں وہاں کے امیر کی درخواست پر مدرسہ حنفیہ کی مسند تدریس پر فائز ہو گئے۔

مذہب حنفیہ اور اس کے اصول کے ماہر تھے اور علوم عربیہ میں دست گاہ رکھتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مسلک کے شدید مخالف تھے اور مذہب حنفیہ کے اس درجہ تعصب کی حد تک حامی تھے کہ اس پر ہر حال میں عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیتے تھے۔ ۸۰ سال سے زائد عمر پا کر، جمعے کے روز ۵ ذی الحجہ ۷۸۰ھ (۲۵ مارچ ۱۳۷۹ء) کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی [2]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر، ج ۱۴، ص ۷۶۔ الدرر الکامنہ، ج ۱، ص ۵۲، ۱۵۴۔ طبقات الشافعیہ، ج ۵، ص ۲۴۰۔ البدر الطالع از قاضی شوکانی ص۔ ابجد العلوم۔ نواب حسن صدیق حسن خاں۔ التاج المکلل نواب صدیق حسن خان۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳۸ تا ۱۴۱۔ امام ابن تیمیہ از محمد یوسف کوکن ص ۲۱۸ تا ۲۴۰۔ عقلیات ابن تیمیہ از محمد حنیف ندوی۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۳، ۱۴۴۔ بحوالہ طرب الاماثل۔

۱۲۶۔ شیخ محمد بن محمود ہانسوی

شیخ محمد بن محمود غریب ہانسوی' عالم و صالح بزرگ تھے۔ لقب برہان الدین غریب تھا۔ والد مکرم کا لقب ناصر الدین تھا۔ شیخ برہان الدین غریب بن شیخ ناصر الدین ہانسوی کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ جمال الدین احمد خطیب نعمانی ہانسوی کے بھانجے تھے۔ ۶۵۴ھ (۱۲۵۶ء) کو ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ پھر دہلی چلے گئے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کی تعلیم اس دور کے فاضل اساتذہ سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ۶۹۳ھ (۱۲۹۴ء) میں شیخ نظام الدین اولیا کی صحبت اختیار کی اور باقاعدہ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا اور شیخ کی زندگی کے آخری دم تک دہلی میں ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ شیخ کی وفات کے بعد ۷۱۸ھ یا ۷۲۰ھ (۱۳۱۸ء یا ۱۳۲۰ء) میں دولت آباد کا قصد کیا اور پھر تمام عمر وہیں سکونت اختیار کیے رکھی۔

جید عالم دین' فقیہ' زاہد اور عبادت گزار تھے۔ خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا' جن میں شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی' شیخ فرید الدین' شیخ کمال الدین کاشانی' شیخ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی اور بہت سے حضرات شامل ہیں۔ شیخ رکن الدین بن عماد الدین نے نفائس الانفاس میں' ان کے بھائی حماد الدین بن عماد الدین نے احسن الاقوال میں اور دوسرے بھائی مجد الدین بن عماد الدین نے بقیۃ الغرائب میں ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

والی دکن امیر نصیر خاں ان سے بے حد عقیدت رکھتا تھا' چنانچہ اس نے سرزمین دکن میں' ان کے نام پر ''برہان پور'' نام کا ایک شہر آباد کیا۔ بدھ کے روز ۱۱ صفر ۷۳۸ھ (۱۱ ستمبر ۱۳۳۷ء) کو چوراسی سال کی عمر پا کر فوت ہوئے [1]۔

۱۲۷۔ شیخ محمد بن محمد کابلی

شیخ محمد بن محمد کابلی ہندی' کابل سے ہندوستان آئے اور یہاں کی بود و باش اختیار کر لی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں ۷۵۳ھ (۱۳۵۲ء) میں شیخ عز الدین بن جماعہ سے اخذ علم کیا۔ عقد الثمین کے مصنف فاسی اپنے استاد شیخ جمال الدین بن ظہیرہ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ شیخ محمد کابلی نہایت فہیم و فریس' عالم و فاضل' محدث و فقیہ اور عمدہ سیرت و کردار کے بزرگ تھے۔ بہت سی علمی چیزیں ضبط تحریر میں لائے۔ امامت میں شیخ ابوالفتح کی نیابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے [2]۔

---

[1] اخبار الاخیار' ص ۹۱' ۹۲۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۴۳' ۱۴۴

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۴۵۔ بحوالہ عقد الثمین و طرب الاماثل۔

۱۲۸۔ شیخ محمد بن محمد ہندی

شیخ محمد بن محمد بن سعید ہندی۔ شیخ شرف الدین بن علامہ ضیاء الدین ہندی کے نام سے مشہور تھے۔ ہندوستان سے ترک وطن کر کے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ وہاں شیخ ابن حبیب اور ابن معطی وغیرہ اساتذۂ وقت سے سماع علم کیا اور ۷۷۶ھ (۱۳۷۵ء) کو قاہرہ میں وفات پائی ❶۔

۱۲۹۔ شیخ محمد بن محمد بلخی

شیخ محمد بن محمد بن عیسی بلخی، شیخ اشرف الدین بن رکن الدین بہاری صوفی فقیہ کے لقب سے معروف تھے۔ مشہور بزرگ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری سے اخذ علم کیا اور عرصے تک ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ شرف الدین نے ان کے لیے شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی معروف تصنیف آداب المریدین پر کئی جلدوں میں فارسی زبان میں ایک مبسوط اور مفصل شرح سپرد قلم فرمائی ❷۔

۱۳۰۔ شیخ محمد بن یحییٰ اودھی

عالم کبیر اور فاضل اجل شیخ محمد بن یحییٰ اودھی کا لقب شیخ شمس الدین تھا۔ تحصیل علم کی غرض سے علاقہ اودھ سے وارد دہلی ہوئے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر و کامل علما میں سے گردانے گئے۔ مولانا ظہیر الدین بھکری اور شیخ فرید الدین شافعی اودھی وغیرہ جلیل القدر اساتذہ سے کسب علم کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں شیخ نظام الدین اولیا کی شہرت سنی تو ایک روز مدرسے سے مولانا صدر الدین ناوی کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے پوچھا ''شہر سے آئے ہو اور تعلیم حاصل کرتے ہو؟'' بولے: جی ہاں۔ مولانا ظہیر الدین بھکری سے اصول بزدوی پڑھتے ہیں۔ اس پر شیخ نے ان سے اصول بزدوی کے بعض مشہور مشکل مقامات کے بارے میں سوال کیا۔ عرض کیا، ہمارا سبق تو بے شک یہاں تک پہنچ گیا ہے، مگر یہ مقام اتنا مشکل معلوم ہو رہا ہے کہ ابھی تک اس کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ شیخ نے فوراً وہ مقامات حل کر دیے اور یہ شیخ کے اور گرویدہ ہو گئے اور ان کی عقیدت ان کے دل میں پہلے سے زیادہ راسخ ہو گئی۔ پھر ایک وقت آیا کہ باقاعدہ شیخ کے حلقہ بیعت وارشاد میں داخل ہو گئے۔

شیخ محمد بن یحییٰ اودھی، دہلی کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ علوم وفنون میں مہارت، کثرت مطالعہ، وسعت معلومات، زہد و اتقا، ترک و تجرید، بلندیٔ سیرت اور استقامت میں ان کا بڑا مقام تھا۔ علما وطلبا ان کے

❶ حوالہ مذکور۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۵۔

حلقہ درس میں شمولیت پر فخر کرتے اور ان سے اخذ علوم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہوتے۔ عظمت و وقار اور جلالت میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مسائل علمیہ پر غور وخوض کرتے اور ہر پیش آمدہ مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کی سعی فرماتے۔ علما و مشائخ کا ہجوم ان کے گرد رہتا اور طلبا ان سے شرف تلمذ کے لیے بے تاب نظر آتے اور ان کے مرتبہ علمی کا اظہار کرتے۔ ان کی اسی خوبی سے متاثر ہو کر شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی نے، جو ان کے تلامذہ میں سے تھے، ان کے علم و فضل کی فراوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

سألت العلم من احياك حقا

فقال العلم شمس الدين يحيى

میں نے علم سے پوچھا کہ تم کو کس نے حیات نو سے سرفراز کیا ہے؟ کہا شمس الدین یحییٰ نے۔

علوم شرعیہ کے بارے میں ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں شمس المعارف کو خصوصیت حاصل ہے۔

علم و فضل کے ساتھ تصوف و طریقت میں بھی انھیں بہرۂ وافر ملا تھا اور شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ بیعت تھے۔ انھوں نے ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) میں ان کو خلعت خلافت سے نوازا اور طویل عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ تصوف اور علوم دینی میں انہماک کی وجہ سے تمام عمر شادی نہیں کی اور پوری زندگی تجرد میں گزار دی۔ زندگی کا مقصد وحید ہمیشہ تبلیغ دین اور دعوت وارشاد کو قرار دیے رکھا۔

دل اور ہاتھ کے بے حد سخی تھے۔ ملوک وسلاطین اور امراو وزرا کی مجلس میں حاضر ہونے سے محترز رہتے اور فقراو مساکین اور علما و طلبا کی مجلس کو ترجیح دیتے، کیونکہ اس میں اشتغال فی العلم کا پہلو نکلتا ہے جو ان کا سرمایہ حیات تھا۔

ایک مرتبہ سلطان محمد شاہ تغلق نے ان کو دربار میں طلب کیا اور کہا۔

مثل تو دانشمندے ایں جا چہ کند، تو کشمیری برو و در بت خانہاے آں دیار بنشین و خلق خدارا بہ اسلام دعوت کن۔

کہ آپ ایسے عالم اور بزرگ کا یہاں کیا کام، آپ کشمیر جایے اور ان دیار کے بت کدوں میں بیٹھ جایے اور لوگوں کو دعوت اسلام دیجیے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا دہلی سے نکلنا اور دیار کشمیر میں جانا منظور نہ تھا۔ اسی روز اچانک سینے میں ایک پھنسی نمودار ہوئی اور اس کی تکلیف نے اس قدر شدت اختیار کی کہ یہی پھنسی بالآخر ان کی موت کا باعث بن گئی۔ بادشاہ کو ان کی تکلیف کا پتا چلا تو یقین نہ آیا اور واقعہ کی تحقیق کے لیے آدمی بھیجا۔ آدمی ان کے مکان پر پہنچا تو وہ وفات پا چکے تھے۔ ان کی وفات کا حادثہ ۷۴۷ھ (۱۳۴۶ء) کو پیش آیا اور وہ دہلی میں دفن کیے گئے [1]۔

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۹۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۷۔

۱۳۱۔ شیخ محمد بن محمد دمرا جی ہندی

شیخ محمد بن محمد بن محمد بن ابوبکر دمراجی دہلوی اپنے لقب شیخ نجیب الدین ہندی سے معروف تھے' بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ حنفی المسلک تھے۔ اپنے مذہب کی تفصیلات و جزئیات پر عبور رکھتے تھے۔ درحقیقت عرب کے باشندے تھے اور ان کے آباواجداد دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے' لیکن شیخ نجیب الدین دہلی سے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور وہاں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس درجہ متدین بزرگ تھے کہ جب تک ضعف و نقاہت نے مکمل طور سے جسم و جان پر غلبہ نہ پالیا' روزانہ عمرہ کرتے رہے۔ علم میں پختگی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ عقد الثمین میں فاسی کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے شیخ قاضی القضاۃ جمال الدین بن ظہیر سے سنا ہے کہ شیخ نجیب الدین نے انھیں بتایا کہ ہندوستان میں ان کے شیخ انھیں علامہ کہہ کر پکارتے تھے۔

شیخ نجیب الدین ہندی کے بارے میں یہ واقعہ بڑا دلچسپ ہے کہ وہ دہلی سے مکہ مکرمہ گئے تو قاریٔ حرم شیخ عفیف دلاصی سے ملے اور ان سے مستدعی ہوئے کہ وہ انھیں اپنے حلقہ تلاندہ میں داخل کر لیں اور کچھ اسباق پڑھا دیں۔ لیکن شیخ عفیف نے یہ کہہ کر ان کی درخواست منظور کرنے سے معذرت چاہی کہ وہ عجمیوں کو نہیں پڑھایا کرتے' کیونکہ اہل عجم' حروف کے مخارج کو صحیح طور سے ادا نہیں کر پاتے اور ان کا تلفظ درست نہیں ہوتا۔ انھوں نے کہا' آپ میری قراءت سن لیں' اگر آپ اس سے مطمئن ہوئے تو فبہا ورنہ میں خود ہی آپ کے درس میں حاضر نہیں ہوں گا۔ شیخ عفیف نے یہ بات منظور کر لی اور فرمایا' اچھا پڑھیے۔ انھوں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ بڑے متعجب ہوئے اور کہا' مجھے آپ کے لب و لہجہ سے عرب کے نسب کی بو آ رہی ہے۔ بتائیے آپ کس سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتے ہیں؟ عرض کیا' خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سلسلۂ نسب سے۔ کہا۔ میں بھی اسی سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتا ہوں۔ چنانچہ دونوں نے اپنا نسب بیان کیا تو اوپر چل کر بعض اجداد میں دونوں ایک دوسرے سے مل گئے۔ شیخ محمد بن نجیب الدین ہندی نے ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) کے بعد وفات پائی ❶۔

۱۳۲۔ شیخ محمد شیرازی

شیخ محمد شیرازی شیخ شمس الدین محمد شیرازی کے نام سے معروف تھے اور شہر بھکر میں اقامت فرما تھے۔ عالم و فاضل اور عابد و زاہد تھے۔ ۷۳۴ھ (۱۳۳۴ء) کو اپنی سیاحت کے دوران' شہر بھکر میں ابن بطوطہ کی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ کہتے ہیں' اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس سے زائد تھی ❷۔

---

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۴۸۔ بحوالہ طرب الاماثل۔

❷ رحلۃ ابن بطوطہ' ج ۲' ص ۱۰۔

۱۳۳۔ مولانا محمد دامغانی

شیخ شمس الدین محمد دامغانی، علم و کمال اور فضل و صلاح میں یگانہ دہر تھے۔ دہلی میں شیخ شمس الدین خوارزمی وغیرہ اساتذہ کے مدرسے میں شیخ نظام الدین اولیا کے ہم درس تھے۔ حصول علم کے بعد محمد شاہ تغلق کے حکم سے دولت آباد چلے گئے تھے۔ وہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہے اور درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ دولت آباد میں ان سے شیخ عین الدین بیجاپوری نے کسب علم کیا❶۔

۱۳۴۔ شیخ محمد بن محمود کرانی

شیخ محمد بن محمود بن یوسف بن علی کرانی ہندی جلیل القدر عالم و محدث تھے۔ انھوں نے شیخ زین طبری اور عبدالوہاب بن محمد بن یحییٰ واسطی وغیرہ شیوخ مکہ سے سماع علم کیا❷۔

۱۳۵۔ شیخ محمد بن شمس عثمانی

شیخ محمد بن شمس بن محمد بن محمد بن ابوبکر بن اسماعیل بن سری سقطی عثمانی۔ شیخ محمد، معروف امیٹھوی کے نام سے مشہور تھے۔ ممتاز فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کے والد شیخ شمس الدین بن صلاح، عراق سے ہندوستان آئے اور عہد علاء الدین خلجی میں سترکھ کے عہدۂ قضا پر متعین ہوئے۔ وہاں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد امیٹھی منتقل ہو گئے اور ۷۴۵ھ (۱۳۴۴ء) میں سلطان محمد شاہ تغلق کے دور حکومت میں امیٹھی کے قاضی مقرر کیے گئے۔ پھر جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نجم الدین اسماعیل نے ان کی جگہ سنبھالی۔ قصبہ امیٹھی میں ان کا سلسلہ اولاد و احفاد بہت پھیلا ہوا ہے❸۔

۱۳۶۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی

علامہ سید محمود بن محمد بن احمد مدنی دہلوی کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ یہ شیخ قطب الدین دہلوی کے نام سے مشہور تھے۔ ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء) میں پیدا ہوئے اور طلب علم میں مصروف ہو گئے۔ پھر اپنے والد مکرم شیخ محمد بن احمد مدنی کی معیت میں، جو شیخ قطب الدین محمد حسنی حسینی کے لقب سے ملقب تھے، مدینہ منورہ سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی کو اس زمانے میں مرکز علما، مسکن صلحا، منبع اولیا اور مہبط فقہا کی حیثیت حاصل تھی

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۴۹۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۵۵۔ بحوالہ العقد الثمین وطرب الاماثل۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۵۷۔ بحوالہ ریاض عثمانی۔

اور شیخ قطب الدین محمد کو طبقہ علما اور حلقہ ملوک و امرا میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے بیٹے شیخ محمود قوام الدین بھی تمام اطرافِ ہند میں نہایت تکریم کے مالک تھے۔ شیخ محمود بن محمد علم و معرفت میں اپنے دور کے ممتاز علمائے ہند میں سے تھے۔ فقہ میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی علمی اور شخصی وجاہت و عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس زمانے کے سلطان ہند شمس الدین ایلتتمش نے اپنی لڑکی فتحہ سلطانہ ان کے حبالۂ عقد میں دے دی تھی۔

اس عالم دین اور فقیہ معظم نے دہلی ہی کو اپنا مسکن ٹھہرالیا تھا اور وہاں باقاعدہ سلسلہ تدریس شروع کر دیا تھا۔ ان کے علم و فضل کے چشمہ صافی سے بے شمار حضرات نے اپنی علمی تشنگی بجھائی، جن میں ان کے بھتیجے قاضی رکن الدین بن نظام الدین کروی اور شیخ علاء الدین حسینی جیوری کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔ ان کے علاوہ خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔ اس دور میں یہ علم و زہد، سخاوت اور پرہیز گاری میں پورے عالم اسلامی میں مشہور تھے۔ اس عالم و فقیہ نے تراسی برس کی عمر پا کر ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء) میں وفات پائی ❶۔

۱۳۷۔ شیخ محمود بن یحییٰ اودھی چراغِ دہلی

حضرت شیخ محمود بن یحییٰ بن عبداللطیف حسینی اودھی۔ ان کے القاب دو تھے، ایک نصیر الدین محمود گنج اور دوسرا چراغ دہلی۔ ان کے جد امجد شیخ عبداللطیف یزدی خراسان سے لاہور تشریف لائے اور شیخ یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچے تو علاقہ اودھ میں منتقل ہو گئے۔ اودھ میں انھوں نے پشمینے کی تجارت شروع کی، جس سے ان کو بڑا نفع حاصل ہوا اور کئی ملازم ان کے ماتحت کام کرنے لگے۔ ان کے بیٹے محمود یعنی خواجہ نصیر الدین محمود کی ولادت اسی خطۂ ارض میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے مقام پیدائش اجودھیا اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے۔ چونکہ یہ دونوں شہر صوبہ اودھ میں ہیں، اس لیے ان کے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے۔ نسباً حسنی سید تھے۔

ابھی نو سال کے تھے کہ والد ماجد (شیخ یحییٰ) انتقال کر گئے۔ تعلیم و تربیت کے مراحل والدہ مکرمہ کی نگرانی میں طے کیے۔ والدہ نہایت نیک اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ان ہی کا اثر تھا کہ بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے۔

حصول علم میں نہایت تیز تھے اور بڑی محنت اور کوشش سے اس میں مصروف رہتے۔ ہدایۃ الفقہ اور اصول بزدوی تک کتب درسیہ مولانا عبدالکریم شروانی سے پڑھیں۔ ان کی وفات کے بعد مولانا افتخار الدین محمد گیلانی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور باقی درسی کتابوں کے لیے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق ہدایۃ الفقہ شیخ فخر الدین ہانسوی سے اور اصول بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھیں اور بعض کتابوں کے لیے شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی کی شاگردی اختیار کی۔ ذہانت اور اشتیاق

❶ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۵۸، بحوالہ تذکرۃ السادات۔

تحصیل علم کا یہ عالم تھا کہ بہت سے مشاغل ومصروفیات کے باوجود پچیس سال کی عمر میں حصول علم سے فارغ ہو گئے تھے اور تمام علوم مروجہ پر عبور حاصل کر لیا تھا۔

تینتالیس سال کی عمر میں حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تصوف وطریقت کا درس لیا۔ ۷۶۴ھ (۱۳۶۳ء) میں ان کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

عالم کبیر' زاہد و عابد' کریم النفس' راضی برضاے الٰہی' بہترین اخلاق کے حامل' اللہ سے ڈرنے والے' صادق القول اور متین وکم گفتار تھے۔ خشیت الٰہی کا غلبہ ہر آن دل پر طاری رہتا اور اللہ کے خوف سے آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ صدق وعفاف کے پیکر تھے۔ زندگی کے شب وروز توکل وقناعت میں بسر ہوتے۔

اس جلیل القدر بزرگ کو اپنے مرشد حضرت شیخ نظام الدین اولیا سے بے حد محبت اور شیفتگی تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کی خانقاہ میں خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید' خواجہ محمد گاذرونی آ کر اقامت گزین ہوئے۔ خواجہ گاذرونی' تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو ایک جگہ کپڑے رکھ کر وضو کرنے لگے' واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے۔ ان کی تلاش میں اونچی اونچی آوازیں نکالنے اور تیز تیز قدموں سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی کو جو خانقاہ کے ایک گوشے میں بیٹھے عبادت میں مشغول تھے' خیال ہوا کہ اس ہنگامے سے ان کے مرشد حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی عبادت میں خلل پڑے گا' اس لیے جلدی سے خواجہ گاذرونی کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اتار کر ان کو دیے۔ صبح کو اس واقعہ کا علم شیخ نظام الدین اولیا کو ہوا تو شیخ نصیر الدین محمود کو بالا خانے پر طلب کیا اور اپنی پوشاک عطا فرمائی اور ان کے لیے دعاے خیر کی۔ والدہ کی زندگی میں تو وطن ہی میں سکونت اختیار کیے رکھی' کیوں کہ والدہ کی خدمت سب امور پر مقدم تھی۔ ان دنوں کبھی کبھی مرشد کے پاس دہلی تشریف لے جاتے' لیکن والدہ کی وفات کے بعد وطن کی سکونت ترک کر دی اور مستقل طور پر دہلی میں مقیم ہو گئے اور مرشد کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا۔

مرشد وفات پا گئے تو ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ جانشینی کے ابتدائی دن بہت تکلیف اور عسرت میں گزرے۔ کئی کئی دن کھانے کو کوئی چیز میسر نہ آتی' رات کو گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا' چار چار پانچ پانچ دن چولھا نہ جلتا' مگر کسی سے کوئی چیز نہ مانگتے اور نہ کسی پر فقر وفاقہ کی حالت ظاہر ہونے دیتے۔ صبر ورضا سے رہتے اور معمولات عبادت میں کسی قسم کا فرق نہ آنے دیتے۔ جب یہ زمانہ گزر گیا تو اسے یاد کرتے اور لوگوں کو تنگی معاش کے شب وروز کی باتیں بتاتے۔

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے۔ حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت وتوکل کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ فرمایا درویش کی صفت یہ ہے کہ اس پر فاقہ بھی گزرے تو اپنی حاجت دوسروں سے بیان نہ کرے اور اگر اس کے پاس کوئی شخص آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گال سرخ کر لے تاکہ دیکھنے والا اس کے فقر وفاقہ کی حالت سے مطلع نہ ہو سکے۔

پھر بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لے لوں۔ حضرت ثوبان نے کہا یا رسول اللہ میں وہ ہوں۔ فرمایا' دیکھو ثوبان کسی سے سوال نہ کرنا۔ حضرت ثوبان نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کیا۔ ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ اچانک ہاتھ سے چابک گر پڑا' دوسرے سے نہیں مانگا' خود اتر کر اٹھایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سوال کرنے سے منع کیا تھا۔ اس موقعے پر حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک درویش نے پوچھا کہ جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو منع کیا ہو کیا وہ امر دوسروں کے لیے بھی لازم ہو جاتا ہے۔ فرمایا ہاں' سب کے لیے حکم ممانعت یکساں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی۔ فرمایا' تحمل اور بردباری سے کام لو۔ اگر کوئی خفا ہو تو معاف کر دو' کیوں کہ شیوہ درویشی یہی ہے۔

حضرت محمود چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی تعلیمات پر گفتگو کرتے۔ ایک موقعے پر فرمایا: لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے' اس پر عمل نہیں کرتے' اسی لیے اضطراب و پریشانی میں مبتلا ہیں اور پھر بار بار کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر قول و فعل پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ فرمایا: ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے۔ ایک یہ ہے کہ جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے اس کی اتباع کرے اور دوسرے یہ کہ جس چیز سے منع کیا ہے اس کو ترک کر دے۔

تارک نماز کے بارے میں مریدوں کو حکم تھا کہ وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں اور سلام کہے تو جواب نہ دیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرم محسوس کرے۔

مریدوں کو خاص طور سے حکم تھا کہ وہ نماز با جماعت کی پابندی کریں۔ نماز کے متعلق فرمایا کہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے۔ نماز کے اعضا کا قبلہ کعبۃ اللہ ہوتا ہے۔ اگر اعضا اس طرف نہ ہوں گے تو نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح دل کا کعبہ ذات الٰہی ہے۔ اگر دل اپنے قبلے سے پھر جائے تو یہ کیسی نماز ہوگی۔

ایک مرتبہ ایک مرید سے مخاطب ہو کر فرمایا نماز با جماعت پڑھا کرو' جمعے کی نماز فوت نہ ہونے دو۔ ایام بیض کے روزے رکھا کرو۔ جو شخص ایام بیض کے روزے پابندی سے رکھتا ہے' اس کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کام سے خدا اور رسول نے منع کیا ہے' اس کا ارتکاب کسی صورت میں نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن مجید کی روزانہ باقاعدہ تلاوت کیا کرو' جس گھر میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے' وہ گھر بابرکت ہو جاتا ہے اور قرآن مجید پڑھنے والوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ قرآن پڑھنا' ذکر خدا میں مشغول رہنا ہے۔

بہر حال حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی' نہایت عبادت گزار اور متقی بزرگ تھے۔ ان سے بے شمار نصیحت آموز واقعات منقول ہیں۔ ان کو' چراغ دہلی' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہ لقب ان کو کس وقت

ملا اور کس نے دیا؟ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ و امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصے تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک موقعے پر شیخ نے حضرت جلال الدین بخاری سے فرمایا' اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں' تاہم ان کی برکت کا اثر نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے' ان کی ذات بہت غنیمت ہے۔ وہ چراغِ دہلی ہیں اور مشائخ کے رسوم و عوائد کو زندہ رکھنے والے ہیں۔

شیخ جلال الدین بخاری نے اپنے شیخ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ الفاظ بیان کیے' جو شیخ عبداللہ یافعی نے کہے تھے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب ''چراغ دہلی'' پڑ گیا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت چراغ دہلی کی وفات کا حادثہ بڑا روح فرسا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک روز وہ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آ کر اپنے حجرۂ خاص میں مشغول مراقبہ تھے کہ ایک قلندر جس کا نام تراب تھا' وہاں پہنچا اور آپ پر چھری سے پے در پے حملے کیے۔ زخم اتنا گہرا آیا کہ خون کے فوارے چھوٹنے لگے اور خون حجرے سے باہر تک بہنے لگا۔ خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے اور قلندر کو پکڑ کر سزا دینا چاہی' لیکن حضرت چراغ دہلی نے منع فرمایا اور چند مریدین خاص کو قریب بلا کر ان سے حلف لیا کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہیں پہنچائے گا۔ پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھری مارتے وقت تمھارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہے تو معاف کر دینا اور سکہ رائج وقت بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا۔

اس قاتلانہ حملے کے بعد تین سال تک خلق خدا کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے' لیکن اس کا اثر باقی رہا۔ شب جمعۃ المبارک ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ (۱۴ ستمبر ۱۳۵۱ء) کو شہر دہلی میں وفات پائی ❶۔

۱۳۸۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی

شیخ محمود بن محمد دہلوی کی کنیت ابوالفضائل تھی اور لقب شیخ سعد الدین تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ علامہ حافظ الدین کی تصنیف المنار فی الاصول کی شرح لکھی' جس کا نام افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار رکھا۔ کنز الدقائق کی شرح بھی سپرد قلم کی۔ ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں فوت ہوئے ❷۔

❶ ان کے حالات' سیر العارفین' سیر الاولیا' خزینۃ الاصفیا' اخبار الاخیار' سراج المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس' تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف' تاریخ فیروز شاہی از برنی' سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' تذکرہ علمائے ہند' نزہۃ الخواطر اور بزم صوفیہ میں تفصیل سے دیکھیے۔

❷ اثمار الجنیہ۔ از ملا علی قاری: الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ۔ از شیخ عبدالقادر ابو محمد قرشی۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۷۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۶۰۔

۱۳۹۔ شیخ محمود بن حسین حسینی بخاری اوچی

شیخ محمود بن حسین بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری۔ شیخ ناصر الدین اوچی کے لقب سے ملقب تھے۔ ان کا شمار ارض ہند کے مشہور فقہا اور معروف مشائخ میں ہوتا تھا۔ شیخ محمد بن حسین بن علی حسینی بخاری کے نواسے تھے۔ علم و مشیخت کی گود میں پرورش پائی۔ اپنے والد (شیخ حسین بن احمد) سے اخذ فیض کیا اور ان ہی سے علم فقہ کی تحصیل کی۔ پھر والد کی وفات کے بعد مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔ ان کی اولاد میں بڑے بڑے متقی اور صالح حضرات پیدا ہوئے اور دنیا نے ان سے بے حد فیض حاصل کیا۔ ان کی وفات کی تاریخ اگرچہ واضح الفاظ میں کسی تذکرے میں مرقوم نہیں، تاہم قرین صحت یہ ہے کہ ۸۰۰ھ (۱۳۸۹ء) میں فوت ہوئے۔ اس کی دلیل یہ ہے (جیسا کہ مختلف تذکروں میں منقول ہے) ان کے انتقال کے دو سال بعد ان کے لڑکے عبداللہ بن محمود نے گجرات کا سفر کیا اور وہ ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) تھا، کیونکہ عبداللہ ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں پیدا ہوئے اور بارہ سال کی عمر میں عازم گجرات ہوئے، لیکن خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق شیخ محمود کا سال وفات ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) ہے جو کسی اعتبار سے بھی قابل اعتماد نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کی وفات ۸۰۰ھ میں ہوئی ❶۔

۱۴۰۔ شیخ محمود بن یوسف کرانی

شیخ محمود بن یوسف بن علی کرانی ہندی مشہور عالم تھے۔ نصیر الدین لقب تھا۔ مکہ مکرمہ میں جا بسے تھے۔ وہاں شیخ رضی طبری سے صحیح ابن حبان کی سماعت کی اور شرف اجازہ سے بہرہ ور ہوئے۔ شیخ زین طبری، شیخ جمال مطری اور شیخ خلیل مالکی سے سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ خود ان سے ماہ رجب ۷۵۲ھ (ستمبر ۱۳۵۱ء) میں ابن سکر نے صحیح ابن حبان کی احادیث سنیں اور سند و اجازہ لیا۔ فاسی نے العقد الثمین میں بتایا ہے کہ شیخ محمود بن یوسف نے مکہ مکرمہ سے وارد ہند ہونے کے بعد وفات پائی ❷۔

۱۴۱۔ شیخ مخلص بن عبداللہ دہلوی

شیخ مخلص بن عبداللہ ہندی دہلوی کا لقب شیخ حمید الدین تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ خطہ ہند کی کسی عورت کے غلام تھے۔ اللہ نے اپنے فضل خاص سے ان کو علم کی دولت سے نوازا اور تحقیق و کاوش کی نعمت عطا فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک ہند میں خلعت قبولیت سے سرفراز کیے گئے اور علما و محققین کی جماعت میں بلند مرتبے پر پہنچے۔ علوم شرعیہ میں یگانۂ روزگار تھے اور فقاہت و قابلیت میں ممتاز گردانے جاتے

❶ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۰، ۱۶۱۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۱، بحوالہ طرب الاماثل۔

تھے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں تھے۔ فقہ کی کتاب ہدایہ کی شرح لکھی، لیکن افسوس ہے وہ مکمل نہ ہو سکی۔ قرآن مجید کی تفسیر بھی سپرد قلم فرمائی، جس کا نام کشف الکشاف رکھا۔ ان کے علاوہ علمی نوعیت کی چند اور کتابیں لکھیں، جن کا ذکر شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے اپنی تصنیف الطاف الخفیہ فی اشراف الحنفیہ میں کیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ان کی شرح ہدایہ کا ذکر کیا ہے اور اسے بہتر شرح قرار دیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

و شرحها الشیخ حمید الدین مخلص ابن عبداللہ الھندی الدھلی شرحا حسنا ولم یکمل [1]۔

شیخ مخلص ۷۶۴ھ (۱۳۶۳ء) میں فوت ہوئے [2]۔

۱۴۲۔ شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی

شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی کا لقب نور الدین موسیٰ تھا۔ آٹھویں صدی ہجری کے خطۂ ہند کے فقہا و علما میں سے تھے۔ شیخ ابوالفتح رکن الدین بن صدر الدین ملتانی کے بھانجے تھے۔ ان ہی سے استفادہ کیا اور طویل عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے، یہاں تک کہ علم و معرفت کے بلند مرتبے پر پہنچے۔ ملتان کے مدرسہ بہائیہ میں ان کا فیضانِ تدریس جاری تھا۔ اس زمانے میں ان سے بے شمار لوگوں نے تحصیل علم کی۔ ان کے تلامذہ کی کثیر جماعت میں شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری اوچی کا اسم گرامی شامل ہے۔ یہ ان سے ایک سال تک مختلف علوم سے بہرہ ور ہوتے رہے [3]۔

۱۴۳۔ قاضی محی الدین کاشانی

عہد علاء الدین خلجی کے جلیل القدر علما اور عظیم المرتبت فقہا میں سے قاضی محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی کا نام سرفہرست ہے۔ موصوف فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں شیخ شمس الدین قوشجی اور دیگر علمائے دہلی سے کسب علم کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد درس و افادہ کی مسند کو رونق بخشی۔ علوم و فنون میں چونکہ دست گاہ رکھتے تھے، اس لیے بے شمار علما و طلبا حاضر خدمت ہوتے اور ان کے چشمۂ علم سے سامان سیرابی حاصل کرتے۔

اس زمانے میں فضائے ہند پر شیخ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ کے تصوف و طریقت کا شامیانہ تنا ہوا تھا، اس لیے کچھ عرصہ بعد شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور اخذ فیض کیا۔ شیخ نے

---

[1] کشف الظنون، ج ۲، کالم ۲۰۳۹۔

[2] تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۱، ۱۶۲۔

[3] نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۲۔ بحوالہ جامع العلوم۔

ان کو اپنا خلیفہ خاص مقرر کیا اور اپنے دست مبارک سے سند و اجازۂ خلافت عطا فرمایا، جس میں یہ الفاظ تحریر کیے:

می باید کہ تارک دنیا باشی، بسوئے دنیا و ارباب دنیا مائل نشوی، و دِہ قبول نکنی وصلہ بادشاہاں نگیری، و اگر مسافران بر تو رسند و بر تو چیزے نباشد، ایں حال را نعمتے شمری از نعمتہائے الٰہی۔ فان فعلت ما امرتك وظني بك ان تفعل كذالك فانت خليفتي و ان لم تفعل فالله خليفتي على المسلمين۔

یعنی تمھیں چاہیے کہ تارک دنیا ہو جاؤ۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف مائل نہ ہو جانا۔ دیہات (پیش کیے جائیں تو) قبول نہ کرنا۔ بادشاہوں سے کوئی صلہ نہ لینا۔ اگر تمھارے پاس مسافر آئیں اور تمھاری جیب میں ان کی میزبانی کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو اس صورت حال کو اللہ کی نعمتوں سے ایک نعمت سمجھنا۔ اگر تم میرے اس حکم پر عمل کرو گے اور میرا خیال ہے کہ کرو گے تو خود کو میرے خلیفہ سمجھو، اگر نہیں کرو گے تو مسلمانوں پر اصل نگران اللہ ہے۔

قاضی محی الدین کاشانی نے وہی کچھ کیا جس کا شیخ نے حکم دیا تھا اور ان کے سامنے وہ سند قضا پھاڑ کر پھینک دی جو بادشاہ نے عطا کی تھی اور سب طرف سے منقطع ہو کر اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر لیا۔ ساتھ ہی تدریس اور افادۂ عام کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ مسلسل فاقوں کی نوبت آنے لگی اور اہل و عیال یہ شدید تنگ دستی برداشت نہ کر سکے۔ اس کی اطلاع ان کے بعض دوستوں کی معرفت بادشاہ ہند سلطان علاء الدین خلجی کو ہوئی تو اس نے ان کو ارض اودھ کا قاضی مقرر کر دیا اور یہ منصب قضا آبا و اجداد سے ان ہی کے خاندان کے پاس رہا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کی اس پیش کش کو قبول کرنے کی اجازت لینے کے لیے وہ شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یہ منصب ان کی طلب و درخواست کے بغیر پیش کیا گیا ہے۔ شیخ کے مزاج عالی پر یہ چیز گراں گزری اور فرمایا: خواہش قضا نے تمھارے دل میں کروٹ لی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ اس میں تیری طلب کو دخل نہ ہو اور یہ تمھیں مل جائے۔ یہ کہہ کر اجازت نامہ خلافت واپس لے لیا۔ اب وہ اودھ کے قاضی تو مقرر ہو گئے مگر سخت قلبی پریشانی اور شدید قسم کی ذہنی تشویش میں پھنس گئے اور لحہ بہ لحہ دل میں یہ بات راسخ ہوتی گئی کہ جب تک یہ منصب ترک نہیں کیا جائے گا اور پہلی حالت واپس نہیں آئے گی، یہ تشویش رفع نہ ہو گی۔ پورا ایک سال حضرت شیخ بھی ان سے منقبض رہے۔ پھر تجدید ارادت ہوئی۔ شیخ کو راضی کیا تو انھوں نے دوبارہ سند خلافت عطا کی اور قاضی کاشانی نے از سر نو پہلے کی طرح زہد و قناعت کی زندگی کو اپنایا۔ ان کی وفات ۷۱۹ھ (۱۳۱۹ء) کو شیخ کی زندگی میں ہوئی [1]۔

[1] تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ اخبار الاخیار، ص ۹۸۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۱ و ۲۲۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۳ و ۱۶۴۔

۱۴۴۔ مولانا معین الدین عمرانی دہلوی

شیخ معین الدین عمرانی دہلوی' سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان کے جلیل القدر عالم تھے۔ قابلیت اور وسعت مطالعہ کے اعتبار سے ان کا شمار ہندوستان کے ان علمائے عظام میں ہوتا تھا' جن کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں تدریس کے اس درجہ ماہر تھے کہ یوں سمجھیے' کہ فن تدریس کا سلسلہ ان پر ختم تھا۔ ممارست اور وسعت نظر میں ہندوستان بھر میں ممتاز تھے۔ فقہ' اصول' کلام' منطق' معانی اور بیان میں یکساں عبور رکھتے تھے اور ہر فن کی جزئیات ان کے فہم و مطالعہ کی زد میں تھیں۔ تمام وقت درس اور افادۂ عام میں گزرتا تھا۔ ان کا فیض اس درجہ پورے ملک کا احاطہ کیے ہوئے تھا کہ اس زمانے کا کوئی عالم ایسا نہ تھا جس نے کسی نہ کسی طریق سے ان سے استفادہ نہ کیا ہو۔

سلطان محمد شاہ تغلق ان کا انتہائی احترام کرتا اور انھیں لائق اعتماد گردانتا تھا۔ سبحۃ المرجان میں غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ محمد شاہ تغلق نے ان کو اس مقصد کے لیے شیراز بھیجا کہ وہاں کے مشہور عالم دین قاضی عضد الدین ایجی کو ہندوستان آنے پر آمادہ کریں۔ اس نے ان کے ہاتھ قاضی ممدوح کی خدمت میں متعدد تحائف و ہدایا بھی ارسال کیے۔ لیکن جب شیراز کے بادشاہ ابو اسحاق شیرازی کو اصل واقعہ کا علم ہوا اور پتا چلا کہ یہ قاضی عضد الدین کو ہندوستان لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں تو وہ خود قاضی عضد الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو ہندوستان جانے سے منع کیا۔ اس نے قاضی مذکور سے کہا کہ آپ ہندوستان نہ جایئے' شیراز ہی میں تشریف رکھیے' میں اس ملک کا تخت و تاج آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں بیوی کے سوا ہر چیز آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں' بشرطیکہ آپ شیراز کی سکونت ترک نہ کریں۔ قاضی عضد الدین نے بادشاہ کی اس بے پناہ مروت و محبت سے متاثر ہو کر دیار ہند کا ارادہ ترک کر کے شیراز ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ بادشاہ نے مولانا معین الدین عمرانی کی بھی بہت تکریم کی اور وہ چند روز شیراز میں قیام کرنے کے بعد دہلی واپس آ گئے۔

مولانا معین الدین عمرانی دہلوی کی اہم تصنیفات میں سے کنز الدقائق' حسامی اور مفتاح العلوم پر تعلیقات و حواشی قابل ذکر ہیں [1]۔

ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ تذکروں سے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ یہ سلطان ہند محمد شاہ تغلق کے عہد کے عالم دین تھے۔

۱۴۵۔ قاضی مغیث الدین بیانوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے متعدد علمائے عظام کے نام تذکروں میں مذکور ہیں' جن میں قاضی

[1] ... نیار' ص ۱۴۴۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۲۸' ۲۲۹۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۶۵۔

مغیث الدین بیانوی کا نام بہت معروف ہے۔ قاضی ممدوح بیانہ کے رہنے والے تھے۔ علم و عمل کے اعتبار سے ان کو اس دور میں منتہائے نظر سمجھا جاتا تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ حق گو' صداقت شعار' زیور صالحیت سے آراستہ اور پاک باز شخص تھے۔ علاء الدین خلجی کے نزدیک تین علمائے کرام کی بڑی قدر تھی۔ وہ تھے قاضی مغیث الدین بیانوی' مولانا ظہیر لنگ اور مولانا مشید کہرامی۔ یہ حضرات بادشاہ سے اس درجہ قریب تھے کہ عموماً شاہی دستر خوان پر بھی موجود رہتے۔ بالخصوص قاضی مغیث الدین تو نہ صرف دربار شاہی سے قریبی تعلق رکھتے تھے بلکہ خلوت میں بھی بادشاہ کے ساتھ ہوتے۔ ''در مجلس خلوت بنشتے'' ❶۔

ایک روز علاء الدین خلجی نے خاص طور سے ان کو بلایا اور کہا میں آپ سے آج دینی نوعیت کے چند ضروری مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا صحیح صحیح جواب دیجیے۔

قاضی مغیث نے عرض کیا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔

سلطان نے پوچھا: یہ خیال آپ کے دل میں کیوں پیدا ہوا؟

کہا: اس لیے کہ آپ مجھ سے دینی مسائل دریافت کریں گے' میں جواب میں حق بات کہوں گا' جو آپ کی ناراضی کا باعث ہوگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مجھے قتل کرا دیں گے۔

جواب میں سلطان علاء الدین خلجی نے کہا:

من نخواہم کشت' ہر چہ از تو پرسم' پیش من راست بگو ❷۔

یعنی میں آپ کو قتل نہیں کروں گا' جو کچھ دریافت کروں گا اس کا صحیح صحیح جواب دیں۔

اس کے بعد علاء الدین نے قاضی مغیث الدین سے درج ذیل مسائل دریافت کیے۔

(۱) خراج گزار و خراج دہ را در شرع چگونہ ہندوی را گویند؟

(۲) دزوے و اصابت و رشوت کارکناں و آنانکہ سیاقت قلم می کنند و از جمع می برند' جاے در شریعت آمدہ است؟

(۳) ایں مالے کہ من باچنداں خونابہ دیدن در وقت ملکے از دیو گیر آوردہ ام' آں مال از اں من است دیا از بیت المال مسلماناں؟

(۴) مرا و فرزندان مرا' در بیت المال چہ مقدار حق است؟

ان سوالات کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) خراج گزار اور خراج دینے والے کو شرع میں ہندو کیوں کہتے ہیں؟

(۲) کارکنان حکومت کے سرقہ' ناجائز قبضہ' رشوت لینے اور قلم کے ذریعے جمع حساب میں کتر بیونت

❶ تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی' ص ۲۸۹۔

❷ ایضاً' ص ۲۹۰۔

کرنے والوں کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۳) یہ سارا مال‘ جو اس قدر خون ریزی کے بعد‘ میں اپنے زمانہ امارت میں (تخت سلطنت پر متمکن ہونے سے پہلے بطور غنیمت) دیوگیر سے لایا ہوں۔ یہ میری ملکیت ہے یا مسلمانوں کے بیت المال کی؟

(۴) میرا اور میرے اہل و عیال کا بیت المال میں کتنا حصہ بنتا ہے؟

یہ سوالات اپنی جگہ نہایت اہم ہیں۔ ذمیوں کے حقوق‘ ذمی کی تعریف‘ عمال حکومت کے کس طبقے پر حدود شرعی کا نفاذ کس صورت میں ہونا چاہیے‘ مال غنیمت پر سلطان کا حق کس وقت بنتا ہے‘ سلطان کا مشاہرہ‘ بیت المال کا انتظام اور اس میں سلطان اور اس کے اہل و عیال کے حقوق کا تناسب اور اس کی مقدار‘ وہ مسائل ہیں جو کسی مسلمان حکمران کی زندگی کے نہایت اہم مسائل قرار پاتے ہیں اور سلطان کا ان کے بارے میں شرعی نقطہ نگاہ معلوم کرنا‘ واضح کرتا ہے کہ سلطان کے دل میں اسلام کی محبت کس درجہ راسخ تھی اور وہ کتنا پکا اور صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور اپنی مملکت میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے اپنے مقدور کے مطابق کس درجہ کوشاں تھا۔

قاضی مغیث الدین نے ان سوالات کا جو جواب دیا‘ وہ درج ذیل ہے:

> پہلے سوال کا جواب یہ دیا کہ شرعی زبان میں ہندو کو خراج گزار کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی محصل اس سے خراج میں چاندی طلب کرے تو اسے چاہیے کہ انتہائی نرمی اور تواضع کے ساتھ بلا تامل سونا پیش کر دے۔ اگر محصل اس کے منہ پر تھوکے تو وہ بغیر کراہت اور تنفر کے اپنا منہ کھول دے تاکہ محصل اس کے اندر تھوک دے‘ اور اسے یہ بھی چاہیے کہ وہ محصل کے سامنے ادب سے پیش آئے۔ اس کے ساتھ انتہائی نرمی اور تواضع کا سلوک کرے اور محصل کے اس کے منہ میں تھوکنے سے مراد یہ ہے کہ ذمی اپنی کامل اطاعت کا ثبوت بہم پہنچائے‘ کیوں کہ دین اسلام کا احترام اور دین باطل کی تذلیل ضروری ہے۔ حاملان دین باطل کی ذلت و خواری کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ[1] بالخصوص ہندوؤں کو ذلیل رکھنا دین اسلام کے لوازم میں سے ہے‘ اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہندوؤں کو قتل کرنے

[1] یہ سورہ توبہ کی آیت ۲۹ کے آخری الفاظ ہیں۔ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے اور پوری آیت یہ ہے:
قاتلوا الذین لا یومنون باللہ و لا بالیوم الاخرہ و لا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ و لا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیتہ عن ید وھم صغرون۔
یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں‘ جن کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں‘ ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ تمھارے ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

اور ان سے مال غنیمت لینے اور ان کو غلام بنانے کا حکم دیا ہے۔ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا پھر ان کو قتل کیا جائے اور غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال و دولت پر بطور غنیمت قبضہ کر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ جن کے ہم پیرو ہیں' وہ ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ائمہ مذاہب کے نزدیک ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں۔ ان کے نزدیک ہندوؤں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اما القتل و اما الاسلام۔ یعنی یا تو انھیں قتل کر دیا جائے یا وہ اسلام قبول کر لیں۔

قاضی مغیث الدین کا جواب چونکہ ان کی اجتہادی بصیرت کی کمی' ہندوستان کے مخصوص حالات سے ناواقفیت' احکام فقہ پر پوری گرفت نہ ہونے اور واقعات و حقائق سے عدم اعتنا پر دلالت کرتا ہے' اس لیے یہ سن کر سلطان علاء الدین خلجی ہنس پڑا اور اس نے کہا:

''یہ باتیں جو آپ نے بیان کی ہیں' میں ان کو بالکل نہیں جانتا' لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ مقدم گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں' بہترین لباس پہنتے ہیں' فارسی کمان استعمال کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ آزما ہوتے ہیں اور شکار کھیلتے ہیں' مگر جہاں تک مختلف قسم کے ٹیکسوں کی ادائیگی کا تعلق ہے' خراج' جزیہ' کری و چرائی وغیرہ محصولات کا ایک چیتل (یعنی ایک پیسہ) بھی ادا نہیں کرتے اور اپنا حق خدمت باشندگان دیہات سے الگ وصول کرتے ہیں۔ وہ اپنی مجلسیں آراستہ کرتے ہیں' شراب پیتے ہیں اور ان میں سے بعض کے نخوت و غرور اور کبر و رعونت کا یہ عالم ہے کہ نہ خود ایوان حکومت میں آتے ہیں اور نہ بلانے پر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ محصولات وصول کرنے والوں کی قطعاً پروا نہیں کرتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے دل میں سوچا کہ میں دیگر ممالک کو فتح کرنے کے ارادے تو رکھتا ہوں اور ان کو زیر نگیں کر کے ان میں اپنے قوانین نظم و نسق جاری کرنے کا خواہاں ہوں' لیکن دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ خود میری اپنی یہ سو کوس کی اقلیم جو میرے زیر نگین ہے' اس میں میری اطاعت گزاری کا حق جس انداز سے ادا ہونا چاہیے' نہیں ادا ہو رہا ہے۔ تو اس صورت حال میں دوسرے ممالک میں جا کر میں اپنی اطاعت وہاں کے باشندوں سے کیوں کر کرا سکوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسے انتظامات کیے ہیں اور اس قسم کے قوانین کی تنفیذ کی ہے اور رعایا کو اس طریق سے اپنا فرماں بردار بنایا ہے کہ میرا حکم ہو تو سب چوہوں کی طرح بلوں میں گھس جائیں' اور اب آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ شریعت کا بھی یہی حکم ہے کہ ہندوؤں کو مکمل طور پر اور پوری طرح فرماں بردار بنایا جائے۔''

اس کے بعد علاء الدین نے کہا:

''اے مولانا مغیث! آپ عالم تو ضرور ہیں مگر تجربہ آپ کو بالکل نہیں ہے۔ میں اگرچہ ناخواندہ ہوں' لیکن تجربہ بہت رکھتا ہوں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ہندو کبھی بھی مسلمان کے مطیع اور فرماں بردار نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کو بے نوا اور بے حیثیت نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے حکم جاری کر دیا ہے کہ آئندہ رعیت کے پاس زراعت اور دودھ دہی وغیرہ صرف اتنی مقدار میں رہنا چاہیے جو کہ ان کی سال بھر کی ضرورت کے لیے کفایت کر سکے' ان کو ذخیرہ کرنے کا ہرگز موقع نہ دیا جائے۔''

سلطان کے دوسرے سوال' یعنی رشوت خور عمال حکومت کی سزاؤں کے متعلق قاضی مغیث الدین نے جواب دیا:

''ملازمین حکومت' کارکنان سلطنت اور دفاتر مملکت میں کام کرنے والوں کی رشوت و سرقہ کے بارے میں کتب فقہ اور احکام شرع میں کوئی واضح فیصلہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن اگر وہ عمال حکومت' جن کو ناکافی معاوضہ ملتا ہے' بیت المال کے خزانے سے' جہاں رعایا کا خراج جمع ہوتا ہے' کوئی چیز چوری کر لیں یا رشوت لیں یا خراج سے وصول ہونے والی رقم میں سے کوئی چیز ادھر ادھر کر لیں تو حکمران (اولوالامر) جس طرح مصلحت دیکھے اور جو مناسب سمجھے ان کو سزا دے سکتا ہے۔ خواہ یہ سزا جرمانے کی شکل میں ہو' خواہ قید کی صورت میں یا کسی اور انداز میں' لیکن یہ بہرحال صحیح بات ہے کہ اس چوری کے لیے جو بیت المال کے روپے میں کی گئی ہو' قطع ید کی سزا نہیں دی جا سکتی۔''

''یہاں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ رشوت و سرقہ کے سدباب کے لیے ملازمین کی تنخواہوں میں مناسب اضافہ بھی ضروری ہے۔''

اس پر سلطان نے کہا:

''میں نے اصحاب الدیوان (دفتری کارکنوں) کو حکم دیا ہے کہ عاملوں' متصرفوں اور دوسرے کارکنوں کی وصول یابی کے حساب میں کوئی رقم ان کے پاس اگر باقی ہے تو ایذا رسانی اور سزا کے ذریعے ان سے وصول کی جائے۔ میری اطلاع یہ ہے کہ ان اقدامات کی وجہ سے چوری' رشوت اور خیانت وغیرہ جرائم میں اب بہت کمی واقع ہو گئی ہے۔ میں نے اب یہ بھی حکم دیا ہے کہ کارکنوں' عہدے داروں اور ملازموں کو اتنی تنخواہیں اور مواجب دیے جائیں کہ جس سے وہ باعزت اور باوقار زندگی بسر کر سکیں۔ اگر اس کے باوجود وہ سرکاری مال میں سرقہ و خیانت کے مرتکب ہوں اور رشوت لیں تو پھر ''بزخم چوب'' اور مار پیٹ سے سرقہ و خیانت کا مال ان سے وصول کیا جائے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ملازموں اور عاملوں پر اب کتنی سختی کی جاتی ہے۔''

تیسرا سوال سلطان علاء الدین کا یہ تھا کہ جو مال وہ دیوگیر سے اس قدر خون ریزی کے بعد لایا ہے اور اس وقت لایا ہے جب وہ تخت حکومت پر متمکن نہیں ہوا تھا اور محض ایک ملک یا والی تھا' وہ مال اس کی ذاتی ملکیت قرار پائے گا یا مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہوگا؟

قاضی مغیث الدین نے اس کے جواب میں کہا۔

''میرے لیے بادشاہ کے سامنے سچ بات کہنے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جو مال آپ دیوگیر سے لائے ہیں وہ سارا مال لشکر اسلام کی طاقت کے ذریعے لائے ہیں اور ہر وہ مال جو لشکر اسلام کی طاقت کے ذریعے حاصل کیا جائے وہ مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔ اگر آپ تنہا کہیں سے مال لاتے اور اس کا حصول شرعی لحاظ سے درست ومباح ہوتا تو وہ یقیناً آپ کی ملکیت قرار پاتا۔''

یہ جواب سن کر علاء الدین خلجی کو قاضی مغیث الدین پر سخت غصہ آیا اور کہا

یہ آپ کیا بات کہہ رہے ہیں؟ کچھ دماغ ٹھکانے ہے؟ اور معلوم ہے آپ کی زبان سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں؟ غور سے سنیے وہ مال جو میں اپنی اور اپنے ذاتی نوکروں کی جان کی بازی لگا کر' اپنے زمانہ حکمرانی میں نہیں بلکہ اپنے دور ملکی میں ان ہندوؤں سے لایا ہوں' جن کے نام ونشان سے بھی دہلی کے لوگ واقف نہ تھے اور جو مال میں نے خزانہ شاہی میں داخل نہیں کیا بلکہ اپنے ذاتی تصرف میں لایا ہوں' وہ بیت المال کی ملکیت کیوں کر ہوسکتا ہے؟''

قاضی مغیث الدین نے جواب میں کہا:

''آپ نے مجھ سے شریعت کا مسئلہ دریافت کیا ہے۔ اگر میں اس کا جواب وہی کچھ نہ دوں جو میں نے کتابوں میں دیکھا اور پڑھا ہے اور آپ امتحان کے طور کسی دوسرے عالم وفقیہ سے وہی بات دریافت کریں جو مجھ سے دریافت کی ہے اور وہ اس سے مختلف جواب دے' جو میں نے دیا ہے اور آپ اس سے اس نتیجے پر پہنچیں کہ میں نے بادشاہ کی خوش نودی' مزاج کے لیے جھوٹ بیان کیا ہے تو آپ کا میرے متعلق کیا خیال ہوگا؟ اور پھر اس کے بعد آپ مجھ سے کوئی شرعی مسئلہ کیسے دریافت کریں گے؟

چوتھا مسئلہ سلطان علاء الدین خلجی نے' قاضی مغیث الدین سے یہ پوچھا تھا کہ میرا اور میرے اہل و عیال کا بیت المال میں کتنا حصہ ہے؟

بادشاہ کی زبان سے' یہ سوال سن کر قاضی مغیث الدین نے کہا' اب میری موت کا وقت آ گیا ہے۔ سلطان نے پوچھا۔ کیوں؟ موت کا وقت کیسے آ گیا ہے؟ کہا اس لیے کہ جو مسئلہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے' اگر میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا تو آپ کو غصہ آئے گا اور آپ مجھ کو قتل کرا دیں گے اور اگر خلاف حق بات کہوں گا تو کل قیامت کے دن مجھے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ سلطان نے کہا جو شرع کا حکم ہے وہی بتایئے۔ میں آپ کو قتل نہیں کروں گا۔ ''ہر چہ حکم شرع است بگو' من ترا نخواہم کشت۔''

اس اطمینان اور یقین دہانی کے بعد قاضی مغیث الدین نے جو جواب دیا، وہ درج ذیل ہے:

''اگر آپ خلفائے راشدین کا اتباع کرنا چاہتے ہیں اور اس بات کے خواہاں ہیں کہ آخرت میں آپ کو بلند درجات ملیں تو جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کے لیے دو سو چونتیس تنکے فی کس مقرر کر دیے گئے ہیں، اسی حساب سے رقم آپ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لیے لے لیں اور اگر میانہ روی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتنی رقم میں، جو لشکر کے ہر فرد کو دی جاتی ہے، بادشاہی کی شان وعزت قائم نہیں رہ سکے گی، تو پھر بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لیے اتنی ہی رقم لے لیں، جو دربار سے منسلک بڑے بڑے امرا مثلاً ملک قیران، ملک قیر بیگ، ملک نائب وکیل اور ملک خاص حاجب کو دیتے ہیں، اور اگر آپ علمائے دنیا کی روایتی اجازت و رخصت کے مطابق بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات وصول کرنا چاہتے ہیں تو پھر اتنی رقم لے لیں جو اس رقم سے زیادہ ہو جو دوسرے بزرگان درگاہ کو دی جاتی ہے تاکہ اس اضافے کی وجہ سے دوسروں پر آپ کی انفرادیت قائم رہے اور شان بادشاہت بھی مجروح نہ ہو۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ جو میں نے عرض کی ہیں، آپ زیادہ رقم لیں گے اور لاکھوں اور کروڑوں روپے اور سونے کے برتن اور دیگر مرصع اشیا اپنے حرم کو دیں گے تو قیامت کے روز آپ سے باز پرس ہوگی۔''

قاضی مغیث الدین کا جواب سن کر سلطان برہم ہوگیا اور کہنے لگا تو میری تلوار سے نہیں ڈرتا اور کہتا ہے کہ یہ سب کچھ جو میرے حرم پر خرچ ہوتا ہے، خلاف شرع محمدی ﷺ ہے۔

قاضی مغیث الدین نے کہا:

''میں آپ کی تلوار سے ڈرتا ہوں اور میرا کفن جو میری دستار ہی کا بنے گا، اپنے ساتھ لایا ہوں، لیکن اگر آپ مجھ سے شرعی مسئلہ دریافت کریں گے تو وہی جواب دوں گا جو میں جانتا ہوں۔ اگر مجھ سے مصلحت ملکی کے متعلق سوال کریں گے تو میں کہوں گا کہ حرم پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے، اس میں ہزار گنا مزید اضافہ کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے بادشاہ کی عزت لوگوں کے دلوں میں بڑھتی ہے اور بادشاہ کے وقار و عزت کا بڑھنا، مصلحتِ ملکی کے لحاظ سے ضروری ہے۔''

مذکورہ بالا چاروں سوالات کے جواب دینے کے بعد علاء الدین خلجی نے قاضی مغیث الدین سے کہا:

''اس طرح تو آپ میرے تمام احکام کو غیر مشروع قرار دے دیں گے۔ دیکھیے میں نے یہ احکام جاری کیے ہیں اور ان پر عمل کرتا ہوں۔''

جو سوار جنگ میں حاضر نہیں ہوتا، اس سے گزشتہ تین سال کی تنخواہ بطور جرمانہ وصول کرتا ہوں۔

(۱) شراب پینے والوں اور شراب فروخت کرنے والوں کو کنوؤں والے قید خانوں ''چاہ زنداں'' میں ڈالوا دیتا ہوں۔

(۲) جو شخص کسی دوسرے کی بیوی کی آبروریزی کرے' اس کا عضو تناسل کٹوا دیتا ہوں اور اس عورت کو قتل کرا دیتا ہوں۔

(۳) بغاوت کرنے والے' اچھے ہوں یا برے' امیر ہوں یا غریب سب کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مفلس بنا دیتا اور تباہ کر دیتا ہوں۔

(۴) حکومت کے محصولات و واجبات لوگوں سے لات اور لکڑی مار کر وصول کرتا ہوں اور جب تک کم سے کم اور تھوڑی سے تھوڑی مقدار کے واجبات بھی وصول نہ ہو جائیں' متعلقہ اشخاص کو قید و بند اور زنجیروں میں جکڑے رکھتا ہوں' اور اس سلسلے میں ملکی قیدیوں کو قید دوام کی سزا دیتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ کیا تم یہ کہو گے کہ یہ میرے سب احکام اور تمام قوانین غیر شرعی اور نامشروع ہیں؟

بادشاہ کی یہ بات سن کر قاضی مغیث الدین اپنی جگہ سے اٹھے' پائیں میں جا کر جوتے پاؤں سے اتارے۔ پیشانی زمین پر رکھی اور بلند آواز سے کہا کہ شاہِ جہاں' مجھ غریب کو زندہ رہنے دیں یا اسی وقت قتل کر دینے کا حکم صادر کر دیں' مگر سچی بات یہ ہے کہ بادشاہ کی یہ سب باتیں اور اس کے یہ تمام احکام و قوانین' غیر شرعی اور خلاف کتاب وسنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور ائمہ حدیث وفقہ کی روایات میں کہیں منقول نہیں کہ احکام نافذ کرنے کے لیے بادشاہ جو جی چاہے کرے۔

قاضی مغیث الدین کی زبان سے بادشاہ نے یہ الفاظ اچھی طرح سنے' مگر ان سے کچھ نہیں کہا۔ جوتے پہنے اور حرم میں چلا گیا' اور ادھر قاضی مغیث نے اپنے گھر کی راہ لی۔

دوسرے روز قاضی مغیث نے اسی طرح غسل کیا جس طرح کر میت کو غسل دیا جاتا ہے۔ لوگوں میں صدقہ تقسیم کیا اور اہل خانہ کو الوداعی سلام کہا اور شاہی محل میں آ گئے۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضری دی اور اس کو سلام کیا۔ بادشاہ نے قاضی مغیث کو اپنے پاس بلایا' بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اپنا خلعت خاص اتار کر انھیں دیا اور ایک ہزار تنکہ عنایت کیا۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے قاضی مغیث سے جو الفاظ کہے' وہ لائق مطالعہ ہیں۔ ذیل میں تاریخ فیروز شاہی سے' اس کے وہ فارسی الفاظ درج کیے جاتے ہیں جو قاضی ضیاء الدین برنی نے نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد ان الفاظ کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

> قاضی مغیث! من اگر چہ علمے وکتابے نخواندہ ام' اما از چندیں پشت مسلمان ومسلمان زادہ ام' واز برائے آں کہ بلغا کے نشود کہ در بلغاک چندیں ہزار کشتہ می شود' بہر چیزے کہ درآں صلاح ملک وصلاح ایشاں باشد' بر خلق امری کنم ومردمانِ دہ دیدگی وبے التفاتی می کنند' وفرمان مرا بجائے نمی آرند۔ مرا ضرورت می شود کہ چیزہا درشت در باب ایشاں حکم کنم

کہ ایشاں بداں فرماں برداری کنند' ونمی دانم کہ آں حکم ہا مشروع است' ویا نا مشروع۔ ومن در ہر چہ صلاح ملک خودمی بلیم ومصلحت وقت مرا دراں مشاہدہ می شود' حکم می کنم' ونمی دانم کہ خدائے تعالیٰ فردائے قیامت برمن چہ خواہد کرد۔

فاما' اے مولانا مغیث! من یک چیز درمناجات خود' باخدائے تعالیٰ می گویم کہ بار خدائے تو می دانی کہ اگر یکے بازنِ دیگر' سفاح می کند' مرا در ملک من زیاں نمی دارد' واگر کسے شراب می خورد' ہم مرا زیانے نیست' واگر دزدی می کند' جائے از میراثِ پدرِ من نمی برد کہ مرا درد آید' واگر مال می ستانند ودر نامزدی نمی رود' واز تارفتن دہ' بست نفر' کار نامزدی نمی ماند' ورد باب ایں چہار طائفہ' آنچہ حکم پیغمبراں است' آں بکنم۔

ترجمہ: قاضی مغیث! میں نے اگرچہ علم حاصل نہیں کیا ہے اور کوئی کتاب نہیں پڑھی ہے' تاہم کتنی پشتوں سے مسلمان ہوں اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں اور اس غرض سے کہ فساد نہ ہو' کیونکہ فساد میں ہزاروں آدمی مارے جاتے ہیں' جس چیز میں ملک کی بہتری دیکھتا ہوں' لوگوں کو اس کا حکم دیتا ہوں' لوگ بے پروائی اور بے توجہی سے کام لیتے ہیں اور میرا حکم بجا نہیں لاتے (ایسی صورت میں) میرے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے متعلق سخت احکام جاری کروں کہ ان کی تعمیل کریں' میں نہیں جانتا کہ وہ احکام جائز ہیں یا نہیں۔ میں تو جن چیزوں میں ملک کی بھلائی دیکھتا ہوں اور انھیں وقت کے مطابق پاتا ہوں' ان کا حکم دیتا ہوں' میں نہیں جانتا کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔

لیکن اے مولانا مغیث! میں ایک بات اپنی دعا اور مناجات میں اللہ تعالیٰ سے کہتا ہوں کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے بدکاری کرتا ہے تو اس سے میرے ملک میں کوئی نقصان نہیں ہوتا' اگر کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو میرا اس سے کچھ نہیں بگڑتا' اگر کوئی چوری کرتا ہے تو میرے باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں لیتا' جس کی مجھے تکلیف ہو' اگر کوئی خزانے کا مال لے جاتا ہے اور (سرکاری کاغذات میں) اس کا اندراج نہیں کرتا' یا دفتر میں حاضر نہیں ہوتا' تو دس بیس آدمیوں کے حاضر نہ ہونے سے دفتری کام نہیں رکتا' لیکن ان سب چیزوں کے باوجود' ان چاروں قسم کے لوگوں کے متعلق میں وہی اقدام کرتا ہوں جو پیغمبروں کا حکم ہے۔

اس کے بعد علاء الدین نے قاضی مغیث الدین سے جو کچھ کہا' وہ بھی ملاحظہ فرمایے اور اندازہ کیجیے کہ وہ اپنی جہالت و ناواقفیت کا کن الفاظ میں اعتراف کرتا ہے اور ملک وملت کی خیر خواہی کا کتنا جذبہ اپنے دل میں رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو ایک سے لاکھ تک' بلکہ پانچ سو لاکھ اور سو ہزار لاکھ تک' سوائے باتیں بنانے اور مونچھوں کو تاؤ دینے کے کچھ نہیں کرتے۔ ان کو نہ دنیا کی فکر ہے نہ آخرت کی۔ میں جاہل ہوں اور پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ سوائے الحمد' قل ھو اللہ' دعائے قنوت اور التحیات کے کوئی دوسری چیز نہیں جانتا۔ میں نے اپنی مملکت میں حکم جاری کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی رکھتے ہوئے بھی دوسرے کی عورت سے بدکاری کرے تو اس کو خصی کر دیا جائے۔ اس سخت حکم کے باوجود کتنے ہی آدمی میرے محل کے سامنے لائے جاتے ہیں' جنھوں نے دوسروں کی عورتوں سے بدکاری کا ارتکاب کیا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو تنخواہ (مواجب) وصول کرتے ہیں اور حاضری میں نہیں آتے' ان سے تین سال کی تنخواہ جرمانے کے طور پر وصول کی جاتی ہے' لیکن کوئی ایسا موقع نہیں ہوتا جب کہ سو یا دو سو آدمی جرمانہ ادا نہ کرتے ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ چاندی لے لیتے ہیں اور جاتے نہیں ہیں' قید میں پڑے زندگی گزار دیتے ہیں۔

''اب عاملوں' ملازموں اور منشیوں کی جو کہ سرکاری کاغذات میں رقوم کا اندراج کرتے ہیں' چوری کے متعلق بھی سنیے۔ ان کا یہ حال ہے کہ شاید اس شہر میں دس ہزار منشیوں کو میں نے فقیر بنا دیا ہے اور ان کے جسموں میں کیڑے ڈال دیے ہیں' پھر بھی یہ لوگ چوری سے باز نہیں آتے اور اس کثرت سے چوری کرتے ہیں کہ آپ کو ان کی چوری کے طریقوں کی پوری تفصیل کا پتا چل جائے تو آپ کہیں گے کہ چوری اور منشی گیری (یعنی نویسندگی) جڑواں بہنیں ہیں۔ شراب پینے اور بیچنے والے کتنے ہی لوگوں کو کنوؤں میں قید کر کے میں نے مار ڈالا ہے اور مار رہا ہوں۔ کنوؤں میں قید ہو کر یہ لوگ کون سی شراب پیتے اور فروخت کرتے ہیں۔ خدا کی مخلوق کے لیے کوئی بھی شخص کافی نہیں ثابت ہوا ہے۔ میں کس طرح کافی ہو سکتا ہوں ①۔''

اس گفتگو میں' جو ملکی معاملات کے چار نہایت اہم اور بنیادی امور سے متعلق سلطان علاء الدین خلجی اور قاضی مغیث الدین بیانوی کے درمیان ہوئی' بعض مقامات پر قاضی مغیث کا موقف صحیح نہیں ہے اور بعض مقامات پر بادشاہ کی رائے اور طرز عمل احکام شرع سے ہٹے ہوئے ہیں' لیکن اس کے باوجود قابل غور بات یہ ہے کہ خالص دور ملوکیت اور ہنگام مطلق العنانی میں' بعض وہ علما و فقہا بھی جو بادشاہ سے قریبی ربط رکھتے تھے' کس درجہ حق گو اور صحیح البیان تھے۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ بھی کتنی صاف گوئی اور وضاحت سے اپنی علمی بے مائیگی اور ملک میں جاری کردہ احکام سے متعلق تمام پہلوؤں کی بے تکلفی سے صراحت کر دیتے تھے۔ اس قسم کے مواقع پر جہاں علما کا انداز حق گوئی لائق تحسین ہے' وہاں اس کے جواب میں بادشاہوں کی وضاحت بھی قابل تعریف ہے۔

① تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۲۸۹ تا ۲۹۷۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۶۶ تا ۱۶۹۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۹۔

۱۴۶۔ شیخ منتخب الدین ہانسوی

شیخ منتخب الدین بن ناصر الدین نعمانی ہانسوی ۶۷۵ھ (۱۲۷۶ء) میں پنجاب کے شہر ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ پھر عازم دہلی میں ہوئے اور کبار علمائے دہلی سے کتب درسیہ پڑھیں۔ تکمیل تعلیم کے بعد شیخ نظام الدین اولیا کی صحبت اختیار کی' ان سے طریقت وتصوف کی تعلیم حاصل کی اور طویل عرصے تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی اور کبار مشائخ چشتیہ میں گردانے گئے۔ مرتبہ کمال کو پہنچے تو شیخ نظام الدین نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کرلیا اور دکن جانے کی اجازت دی۔ سفر دکن میں اور بھی بہت سے اصحاب طریقت ان کے ساتھ تھے۔ دولت آباد کے قریب پہنچے تو وہاں رک گئے اور پہاڑ کے ایک غار میں چلے گئے' جہاں کوئی عمارت نہ تھی' صرف ایک مسجد تھی' جس کو لوگ چودہ سو اولیائے کرام کی طرف منسوب کرتے تھے۔

شیخ منتخب الدین زاہد ومتوکل اور عابد ومتقی تھے۔ علاقہ دکن کے بے شمار غیر مسلم' ان کے اثر تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ انھوں نے ۷ ربیع الاول ۷۰۹ھ (۱۵ اگست ۱۳۰۹ء) کو وفات پائی[1]۔

ـــــ ن ـــــ

۱۴۷۔ مولانا ناصر الدین خوارزمی

شیخ ناصر الدین خوارزمی اپنے دور کے کبار فقہائے ہند میں سے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے۔ سلطان نے ان کو صدر جہاں کا لقب دیا تھا[2]۔

۱۴۸۔ مولانا نجم الدین انتشار دہلوی

شیخ نجم الدین دہلوی انتشار کے لقب سے مشہور تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے زمانۂ حکومت تک دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر فائز رہے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے اخذ علم کیا۔ فقہ' اصول اور علوم عربیہ کے فاضل علما میں سے تھے۔ ان کے زمانے کے ملوک وامرا ان کی تکریم کرتے' حصول برکت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور احترام وقبولیت کا جذبہ لے کر ان کے پاس آتے تھے[3]۔

---

[1] نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۷۱۔

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۷۲۔

[3] تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۴۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ۲ ص ۱۷۲۔

۱۴۹۔ مولانا نجم الدین سمرقندی

شیخ نجم الدین حنفی سمرقندی کا شمار دیار ہند کے کبار اساتذہ میں ہوتا تھا۔ اپنے زمانے میں کثرت درس اور افادۂ عام کے بارے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں قصر بالا بند سیری میں درس دیتے تھے اور یہ قصر فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کرایا تھا جو مضبوطی اور خوب صورتی میں بے نظیر تھا۔ مولانا نجم الدین سمرقندی طلبا کو اس قصر میں فقہ و اصول وغیرہ علوم کی تعلیم دیتے تھے اور سلطان ان کی بے حد تکریم کرتا اور انھیں ہدایا و تحائف سے نوازتا تھا❶۔

۱۵۰۔ مولانا نصیر الدین صابونی

عہد علاء الدین خلجی کے علمائے کرام میں مولانا نصیر الدین صابونی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے نامور علما میں سے تھے۔ سلطان مذکور کے عہد حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں ان کا سلسلۂ تدریس جاری تھا۔ ان کے حلقۂ درس سے متعدد حضرات نے استفادہ کیا❷۔

۱۵۱۔ مولانا نصیر الدین کڑوی

شیخ نصیر الدین کڑوی، عہد علاء الدین خلجی کے جلیل القدر علمائے ہند اور فقید المثال فقہائے ملک میں سے تھے اور دارالسلطنت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اپنے دور کے اس معروف فقیہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور علما کی بہت بڑی جماعت حصول علم کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئی❸۔

۱۵۲۔ مولانا نظام الدین کلاہی

سلطان علاء الدین خلجی کے دور حکومت کی جماعت علما میں مولانا نظام الدین کلاہی بھی شامل تھے۔ یہ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے نامور عالم تھے۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر متعین ہو گئے تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ بہت سے علما و طلبا نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا❹۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۳۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۳۔

❸ ایضاً، نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۴۔

❹ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۴۔

۱۵۳۔ شیخ نورالدین ہانسوی

شیخ نورالدین بن قطب الدین بن برہان الدین بن جمال الدین خطیب ہانسوی، فقہی مسلک کی رو سے حنفی تھے۔ ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو فقہ کی کتابیں اپنے والد ماجد شیخ قطب الدین ہانسوی سے پڑھیں۔ شیخ قطب الدین صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے اور علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی اور تصوف وطریقت کے بھی ماہر تھے۔ شیخ نورالدین میں ذوق تصوف نے کروٹ لی تو اپنے والد ماجد سے وابستہ ہو گئے۔ ان سے تعلیم طریقت حاصل کی اور طویل عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے حتیٰ کہ علم و معرفت میں اپنے ابنائے عصر سے فوقیت لے گئے، پھر والد مکرم کے بعد مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔

شیخ نورالدین کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کے والد شیخ قطب الدین کو ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے اپنے دربار میں بلایا۔ شیخ نورالدین بھی جو اس زمانے میں بچے تھے، باپ کے پیچھے دربار میں چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو ملوک و امرا کو دیکھ کر گھبرا گئے اور سخت پریشان ہوئے۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر شیخ قطب الدین نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ گھبراتے کیوں ہو؟ العظمة و الكبرياء لله۔ شیخ نورالدین فرماتے ہیں: یہ الفاظ سن کر اسی وقت میرے ہوش بحال ہو گئے اور گھبراہٹ ختم ہو گئی۔

زاہد، کم گو، نفور عن الدنیا اور قانع علی الیسیر تھے۔ کبھی کوئی منصب شاہی قبول نہیں کیا۔ ہانسی میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ❶۔

۱۵۴۔ مولانا وجیہ الدین رازی

شیخ وجیہ الدین رازی نے ہندوستان کے دو عظیم حکمرانوں یعنی جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کا زمانہ پایا۔ دہلی کے ائمہ مجتہدین میں سے تھے اور اپنے دور کے معروف فقیہ تھے۔ ان کا سلسلۂ اسنادِ فقہ یہ ہے کہ انھوں نے شیخ ابوالقاسم تنوخی سے علم فقہ حاصل کیا، تنوخی نے حمید الدین ضریر سے، ضریر نے شمس الائمہ کردری سے اور کردری نے صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی سے اخذ علم کیا۔

خود شیخ وجیہ الدین رازی سے سراج الدین ابوحفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی فقہ کی تعلیم سے بہرور ہوئے ❷۔

---

❶ اخبار الاخیار، ص ۸۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۶۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ الفوائد البہیہ۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۷۶

۱۵۵۔ مولانا وجیہ الدین پائلی

شیخ وجیہ الدین پائلی عہد علاء الدین خلجی کے عالم دین تھے۔ ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام پائل تھا اور یہ گاؤں مشرقی پنجاب کے مشہور شہر' سرہند سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ شیخ ممدوح اپنے دور کے ممتاز فقیہ تھے۔ فقہ' اصول فقہ اور علوم عربیہ میں کامل مانے جاتے تھے۔ لوگ ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔ شیریں بیان اور وسیع المطالعہ شخص تھے۔ دہلی کے کبار اساتذہ میں سے تھے۔ انداز کلام دل نشیں تھا۔ جب علمی مسائل میں زبان کو حرکت دیتے تو ہر بات دوسری بات سے وزنی اور جچی تلی معلوم ہوتی۔ کتب درسیہ پر استحصار کا یہ عالم تھا کہ تمام کتابیں بغیر دیکھے اور مطالعہ کے زبانی پڑھاتے تھے۔ صرف پڑھانے پر اکتفا نہ کرتے' ان کی تشریح بھی فرماتے۔ ان کا پیرایۂ اظہار دل میں اترتا چلا جاتا۔ علم وفضل کی فراوانیوں کے ساتھ ساتھ سادہ مزاج اور زاہد وقانع بزرگ تھے۔ کھانے پینے میں کسی تکلف کے قائل نہ تھے۔ طریقت وتصوف کے دل دادہ تھے۔ اس علم کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا کے مرید وعقیدت مند تھے ❶۔

۱۵۶۔ مولانا وجیہ الدین بیانوی

شیخ وجیہ الدین بیانوی مشہور عالم وفقیہ تھے اور علم وفضل میں مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ ابن بطوطہ اپنی سیاحت ہند کے سلسلے میں وارد ہند ہوا تو اس کی ان سے امیر عز الدین بتانی کے پاس چندیری میں ملاقات ہوئی۔ یہ امیر عز الدین بتانی کے مصاحب تھے اور وہ ان کی بے حد تعظیم کرتا تھا ❷۔

ی

۱۵۷۔ مولانا یعقوب بن مولانا خواجگی

شیخ یعقوب بن خواجگی علوی پٹنی گجراتی اپنے عہد کے صالح اور خطہ ہند کے نامور فقیہ تھے۔ تصوف و طریقت اور فضل وصلاح میں بھی بلند پایہ بزرگ تھے۔ علم طریقت شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی سے حاصل کیا تھا۔ عالم کبیر اور صاحب عمل تھے۔ علاقہ گجرات (کاٹھیاوار) کے مشہور مقام نہر والہ کے ممتاز بزرگ شیخ رجب سے بھی استفادہ کیا۔

❶ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ اخبار الاخیار' ص ۹۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۰' ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲' ص ۱۷۶' ۱۷۷۔

❷ رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲' ص ۱۶۷۔

شیخ یعقوب پٹنی، خراسان کے حکمران خاندان کے فرد تھے۔ جنھوں نے ہندوستان آ کر نہر والہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ قاضی کمال الدین ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے فصوص الحکم کا درس لیا۔ ۷۹۸ھ (۱۳۹۶ء) میں فوت ہوئے ❶۔

۱۵۸۔ شیخ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی

شیخ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا تھا۔ ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ مشہد سے وارد ہند ہوئے اور ملتان میں سکونت اختیار کی۔ شیخ یوسف ملتان ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ شیخ قطب الدین رازی شارح شمسیہ سے جو مولانا جلال الدین رومی کے شاگرد تھے، اخذ علم کیا۔ تکمیل علم کے بعد دار السلطنت دہلی گئے جو اس زمانے میں مرکز علم تھا۔ یہ وہ دور تھا جب تخت ہند پر سلطان فیروز شاہ تغلق دادِ حکمرانی دیتا تھا۔ اس سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ ان کے پایۂ علمی سے متاثر ہوا اور مدرسہ فیروزیہ کی صدر مدرسی پیش کی۔ یہ مدرسہ اس نے حوض خاص پر تعمیر کیا تھا اور اس میں بڑے بڑے قابل اور لائق اساتذہ فرائض تدریس انجام دینے پر مامور تھے۔

شیخ یوسف، جہاں ماہر تدریس تھے، وہاں صاحب تصانیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں ایک کتاب ان کے نام کی مناسبت سے ''یوسفی'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب امام بیضاوی کی لب الالباب فی علم الاعراب کی بسیط و مفصل شرح ہے۔ ایک کتاب کا نام توجیہ الکلام ہے جو نسفی کی منار الاصول کی شرح ہے۔ اس عالم دین نے ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں وفات پائی ❷۔

۱۵۹۔ شیخ یوسف چندیروی

شیخ یوسف چندیری کے باشندے تھے، اس لیے چندیروی کہلائے۔ لقب وجیہ الدین تھا۔ اپنے وقت کے عظیم فقیہ تھے، علم و فضل کے علاوہ ماہر تصوف بھی تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے، تعلیم طریقت ان ہی سے حاصل کی تھی۔ ایک عرصہ ان سے منسلک رہے۔ پھر انھوں نے چندیری تشریف لے جانے کی اجازت دی اور وہاں مستقل طور سے مقیم ہو گئے۔ اپنے وقت کے شیخ، متورع، عفیف اور متدین بزرگ تھے۔ ۷۲۹ھ (۱۳۲۹ء) میں چندیری میں وفات پائی ❸۔

---

❶ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۸۔ بحوالہ مرأۃ احمدی و گلزار ابرار۔

❷ اخبار الاخیار، ص ۱۵۰۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۸۔

❸ اخبار الاخیار، ص ۹۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۷۹۔

۱۶۰۔ شیخ یوسف چشتی دہلوی

شیخ یوسف چشتی دہلوی تفسیر‘ حدیث‘ فقہ‘ اصول اور ادبیات عربی کے ماہر تھے۔ نہایت پاک باز بزرگ تھے۔ طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مرید تھے۔ مسائل فقہ سے متعلق ان کی ایک کتاب بھی ہے‘ جس کا نام ”تحفۃ النصائح“ ہے۔ یہ کتاب عربی نظم میں ہے۔ مسائل فقہ کو بصورت نظم بیان کرنا‘ ان کے کمال فقاہت پر دلالت کرتا ہے۔ ۷۷۴ھ (۱۳۷۳ء) میں فوت ہوئے ❶۔

❶ تذکرہ علمائے ہند‘ ص ۲۵۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲‘ ص ۱۷۹۔

مراجع ومصادر

اس کتاب کی تصنیف میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

-1 آب کوثر۔ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

-2 آئین اکبری۔ابوالفضل۔

-3 ابجد العلوم۔نواب صدیق حسن خاں

-4 اتحاف النبلا۔نواب صدیق حسن خاں۔

-5 احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم۔مقدسی' مطبوعہ برل۔

-6 اخبار الاخیار۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔

-7 استیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ابن عبدالبر نمیری قرطبی۔

-8 اسلام میں غلامی کی حقیقت۔مولانا سعید احمد اکبر آبادی

-9 الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔حافظ ابن حجر عسقلانی

-10 امام الکلام۔مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی۔

-11 امام ابن تیمیہ۔محمد یوسف کوکن عمری۔

-12 الانساب۔سمعانی۔

-13 البدایہ والنہایہ۔حافظ ابن کثیر۔

-14 البدر الطالع۔امام شوکانی۔

-15 بزم صوفیہ۔سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔

-16 بزم مملوکیہ۔سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔

-17 التاج المکلل۔نواب صدیق حسن خاں۔

-18 تاج المآثر۔صدر الدین حسن نظامی۔

-19 تاریخ الکامل۔ابن اثیر۔

-20 تاریخ بغداد۔خطیب بغدادی۔

21- تاریخ الکبیر۔ امام بخاری۔

22- تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم۔

23- تاریخ سندھ۔ سید ابوظفر ندوی۔

24- تاریخ فیروز شاہی۔ قاضی ضیاء الدین برنی۔

25- تاریخ فیروز شاہی۔ شمس سراج عفیف۔

26- تاریخ مبارک شاہی۔ یحییٰ بن احمد سرہندی۔

27- تاریخ فخر الدین مبارک شاہ۔ فخر مدبر۔

28- تاریخ یمینی۔ ابوالنصر محمد بن عبدالجبار عتبی۔

29- تحقیق الکلام فی وجوب القراۃ خلف الامام۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری۔

30- تحقیقات چشتی۔ مولوی نور احمد چشتی۔

31- تذکرہ علمائے ہند۔ مولوی رحمان علی۔

32- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) محمد ایوب قادری۔

33- تذکرۃ الحفاظ۔ حافظ ذہبی۔

34- ترجمان القرآن جلد ثانی۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔

35- تہذیب التہذیب۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔

36- کتاب الجرح والتعدیل۔

37- جمہرۃ انساب العرب۔ حافظ ابن حزم۔

38- چچ نامہ۔ محمد بن علی بن حامد بن ابوبکر۔

39- حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی۔

40- خلاصۃ التواریخ۔ لالہ سجان رائے۔

41- خزینۃ الاصفیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔

42- خزائن الفتوح۔ امیر خسرو۔

43- خیر المجالس۔ ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔

44- الدرر الکامنہ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔

45- ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون۔ اسماعیل پاشا۔

46- رجال السند والہند۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔

47- رحلۃ ابن بطوطۃ۔ محمد ابن بطوطہ۔

48- سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ خلیق احمد نظامی۔

49- سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان۔ غلام علی آزاد بلگرامی۔

50- سفینۃ الاولیا۔ داراشکوہ۔

51- سیر الاولیا۔ سید محمد مبارک کرمانی۔

52- سیر العارفین۔ مولانا جمالی۔

53- سیر الاقطاب۔

54- طبقات اکبری۔ نظام الدین احمد بخشی۔

55- طبقات ابن سعد۔

56- طبقات الشافعیہ۔ تاج الدین سبکی۔

57- طبقات ناصری۔ منہاج الدین عثمان جوزجانی۔

58- طبرانی کبیر و اوسط۔

59- عجائب الہند۔ بزرگ بن شہریار مع فرانسیسی ترجمہ۔ طبع بریل۔

60- العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔

61- فتوح البلدان۔ بلاذری۔

62- فوائد الفواد۔ ملفوظات شیخ نظام الدین اولیا۔

63- الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ۔

64- فتوح السلاطین۔ عصامی۔

65- الفہرست۔ ابن ندیم۔

66- الفہرست۔ اردو ترجمہ۔ محمد اسحٰق بھٹی۔

67- کتاب الکنی والاسماء۔

68- کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ۔

69- کشف المحجوب۔ شیخ علی ہجویری۔

70- لباب الالباب۔ نور الدین عوفی۔

71- لسان المیزان۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔

72- مآثر الکرام۔ غلام علی آزاد بلگرامی۔

73- مآثر رحیمی۔ عبد الباقی نہاوندی۔

74- مروج الذہب۔ مسعودی مع فرانسیسی ترجمہ۔ مطبوعہ پیرس۔

-75 مشکوۃ المصابیح۔

-76 معجم البلدان۔ یاقوت حموی۔

-77 محبوب الوطن تذکرہ سلاطین بہمنیہ دکن۔ مولوی ابوتراب محمد عبدالجبار خاں۔

-78 منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔

-79 میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ حافظ ذہبی۔

-80 مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق۔ ابوالمعالی عبدالملک جوینی۔

-81 مجمع الزوائد ومنبع الفوائد۔ حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی۔

-82 مفتاح السعادہ۔ طاش کبری زادہ۔

-83 مقالات سید سلیمان ندوی جلد دوم۔

-84 نزہۃ الخواطر۔ حکیم سید عبدالحی حسنی لکھنوی۔

-85 نقوش لاہور نمبر۔ فروری ۱۹۶۲۔

-86 وفیات الاعیان۔ ابن خلکان۔

-87 تاریخ طبری

-88 اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔

شریعت اسلامیہ کی اصل واساس کتاب وسنت یا قرآن وحدیث ہیں۔ زمانی اور مکانی اعتبار سے مسائل میں وسعت پیدا ہوئی نیز تمدنی ارتقا نے مسائل کی نوعیت میں تنوع پیدا کیا تو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے بعد مراکزِ علمی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور جلد ہی عراق، شام، مصر، یمن اور برصغیر کے متعدد شہروں میں فقہی مکاتب پیدا ہوتے چلے گئے۔ خلافت فاروقی میں اسلام کی روشن کرنیں قلات اور مکران کو منور کرنے لگیں۔ برصغیر کے ساحلوں پر اسلامی فکر کے بیڑے تیرنے لگے اور دوسری صدی ہجری میں سندھ اور ہند' فقہائے اسلام اور علمائے دین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ قرآن وحدیث کے بعد فقہ علوم اسلامیہ کا گلِ سرسبد قرار پایا۔

لغت عرب میں ''فقہ'' کے معنی فہم وادراک اور بصیرت کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں یہ وہ علم ہے کہ جس میں کتاب وسنت اور اس پر مبنی قیاس' اجماع اور اجتہاد جیسے مصادر سے احکام ومسائل کا استنباط اور استخراج تفصیلی دلائل سے کیا جائے۔ عملی زندگی میں درپیش مسائل کے حل کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع ہی فقہ کا اصل موضوع ہے اور ایسی سرگرمیوں میں مشغول اصحابِ علم کو فقہا کہتے ہیں۔ ان علمائے کرام اور فقہائے عظام نے اس علم کے اصول بھی مرتب کیے اور یوں اصل فقہ پر الگ سے کتب بھی لکھی جانے لگیں۔ اصول فقہ سے مراد ایسے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے کہ جن سے کام لے کر ایک فقیہہ احکام مرتب کرتا ہے اور ان کے دلائل کو واضح کرتا ہے۔

مصنف محترم نے یہ سارا کام تاریخی تسلسل اور زمانی ترتیب کے ساتھ انجام دیا ہے۔ کتاب کے آخر میں مراجع اور مصادر کی ان عربی' فارسی اور اردو کتب کی فہرست بھی فراہم کردی گئی ہے' جس سے اس تحقیقی لوازمے کی علمی وقعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بھٹی صاحب کے قلم نے تذکرہ وسوانح پر بیسیوں کتابیں رقم کی ہیں مگر اپنے منہجِ تحقیق' حصولِ مصادر' موضوعاتی ترتیب اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے پیشِ نظر تصنیف ان کا شاہکار (Magnum Opus) قرار دی جاسکتی ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ISBN 978 969 9730 05-4